برصغیر میں اسلامی معاشی فکر کا ارتقاء

نگراں

ڈاکٹر ایس۔ ایم حسن الزماں

سابق چیف ریسرچ ڈیپارٹمنٹ
اسٹیٹ بینک آف پاکستان
کراچی

مقالہ نگار

فاروق عزیز

اسسٹنٹ پروفیسر، صدر شعبۂ معاشیات
گورنمنٹ اسلامیہ آرٹس / کامرس کالج
کراچی

تصدیق نامہ

یہ تصدیق کی جاتی ہے کہ ہمدرد یونیورسٹی کے ہمدرد انسٹی ٹیوٹ آف ایجوکیشن اینڈ سوشل سائنسز کے محقق جناب فاروق عزیز نے یہ مقالہ بعنوان "برصغیر میں اسلامی معاشی فکر کا ارتقاء" میری نگرانی اور رہنمائی میں مکمل کیا ہے۔ میرے نزدیک یہ مقالہ اپنی موجودہ شکل میں یونیورسٹی ہذا کی Ph.D کی ڈگری کی مقتضیات کو پورا کرتا ہے۔

ایس۔ایم حسن الزماں
سابق چیف ریسرچ ڈیپارٹمنٹ
اسٹیٹ بینک آف پاکستان۔کراچی

بتاریخ: ۲۲ دسمبر ۲۰۰۲
کراچی

حرفِ سپاس

میں جامعہ کراچی کے شعبۂ پاکستان اسٹڈی سنٹر کے ڈائریکٹر پروفیسر ڈاکٹر جعفر احمد، شعبۂ فلسفہ کے پروفیسر ڈاکٹر ایس۔ ایم۔ اے سعید، آئی بی اے کے پروفیسر ڈاکٹر نشاط احمد کا خصوصی طور پر شکر گزار ہوں جن کی قیمتی مشاورت اور رہنمائی کی وجہ سے میں اس قابل ہوا کہ یہ مقالہ تحریر کر سکوں۔

میں اپنے ان دوستوں، ساتھیوں اور اپنے ان طالب علموں کا مشکور ہوں جن کے توسط سے مختلف کتب خانوں سے کتب کا حصول ممکن ہوا۔ بالخصوص میرے طالب علم ریحان شیخ کا تذکرہ اس لئے ضروری ہے کہ وہ اس حوالے سے میرے لئے سب سے اہم ذریعہ ثابت ہوئے۔

میری اہلیہ لبنیٰ شاہین اور میری بیٹی افشاں نے جس طرح میرے ساتھ تعاون کیا اس کا شکریہ ادا نہ کرنا ناانصافی ہوگی ان دونوں نے اپنی اپنی حد تک جتنا تعاون وہ کر سکتی تھیں انہوں نے کیا میں ان دونوں کا ممنون ہوں۔

اور حقیقت تو یہ ہے کہ مجھے صرف اور صرف ایک فرد کا شکریہ ادا کرنا ہے اور وہ ہیں میرے استادِ محترم اور مقالہ ہٰذا کے نگراں ڈاکٹر ایس۔ ایم حسن الزماں۔ بلکہ حق تو یہ ہے کہ اس شکریے کا حق ادا نہیں ہو سکتا۔ ان کی مکمل اور مسلسل رہنمائی، توجہ اور دلچسپی کے بغیر یہ کام مکمل ہونا ممکن ہی نہ تھا انہوں نے صرف میری رہنمائی ہی نہیں کی بلکہ وہ میرے لئے کتب کی فراہمی کا بھی سب سے بڑا ذریعہ رہے۔ سود مند تحریک سے متعلق تمام تر مواد صرف اور صرف انہی کا فراہم کردہ ہے۔ انہوں نے جس محبت اور شفقت سے میری رہنمائی کی اس کا شکریہ بہر حال الفاظ میں ادا نہیں کیا جا سکتا۔

میں ان کی محبت، شفقت اور علم دوستی کو عقیدت بھرا سلام کرتا ہوں۔

فہرست

تعارف

معاشی و اقتصادی پہلو کسی بھی نظریۂ حیات (Idealogy) کا سب سے اہم پہلو ہوتا ہے۔ اس کی اہمیت کے پیش نظر اسلام نے بہ حیثیت ایک نظریۂ حیات اس پر خصوصی توجہ دی ہے اور وہ تمام بنیادی اصول جو ایک معاشی نظام کی اساس ہوتے ہیں قرآن و حدیث میں بیان کر دیئے گئے ہیں۔ اس کی اہمیت کا اندازہ اس حقیقت سے بھی ہو سکتا ہے کہ قرآن مجید کی سینکڑوں آیات بلاواسطہ یا بالواسطہ معاشی امور سے متعلق ہیں۔ اسی طرح احادیثِ رسول ﷺ میں بھی اس حوالے سے کئی بنیادی اصول و احکام موجود ہیں جن میں شارع علیہ السلام نے مختلف حوالوں سے امت کی رہنمائی فرمائی ہے۔

یہی وجہ ہے کہ جب فقہ کی باقاعدہ تدوین عمل میں آئی تو اس میں معاشی مسائل پر بھی اتنی ہی توجہ دی گئی جیسی عبادات اور نکاح و طلاق وغیرہ کے احکام پر دی گئی اسی طرح معاشیات پر تحریروں کی تاریخ نبی کریم ﷺ کے عہد سے شروع ہو گئی تھی یہاں یہ تذکرہ بے محل نہ ہو گا کہ اسلامی تاریخ میں اولین تفصیلی تحریر جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حوالے سے پائی جاتی ہے وہ ''کتاب الصدقہ'' ہے جس میں آپؐ نے زکوٰۃ کی مدات اور شرحوں کی تفصیل دی ہے۔ یہ تحریر محصلین زکوٰۃ کی رہنمائی کے لئے تیار کی گئی تھی تاکہ سونے، چاندی، نقدی، مال مویشی اور فصلوں کی پیداوار پر زکوٰۃ اور عشر کی وصولی کی جا سکے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کے دور میں قرآن و حدیث کے موضوع پر تالیفات میں جس طرح زندگی کے دوسرے شعبوں کو زیر بحث لایا گیا ہے اسی طرح معاشی موضوعات پر بھی لکھا گیا ہے۔ قرآن پاک میں چونکہ ملکیت، کسب، صرف، تقسیمِ دولت، وراثت اور حقِ انتفاع کے بارے میں اصولی ہدایات مختلف سورتوں میں مختلف مقامات پر بیان کی گئی ہیں اس لئے تفاسیر میں بھی ان کے

احکام آیات کے لحاظ سے منتشر ہیں لیکن محدثین نے مختلف مجموعہ ہائے احادیث میں پیغمبر آخر الزماں ﷺ کی ہدایات کو مختلف ابواب کے تحت یکساں کر دیا ہے جو بیع و مبادلہ۔ اموال، شرکت و مضاربت، مزارعت و مساقات، قرض، رہن، ضمانت، کفالت، کرایہ، تاوان، وراثت، جزیہ، خراج، زکوٰۃ و عشر، اجرت وغیرہ پر مشتمل ہیں۔ آنے والے دور میں فقہ کی ترتیب و تدوین انہی ابواب کے تحت عمل میں لائی گئی۔

علم کی اشاعت اور مسلمانوں کی آبادی میں اضافے اور وسعت کے ساتھ مختلف علوم و فنون کی طرح اسلام کی معاشی تعلیمات میں وسعت کا سلسلہ جاری رہا۔

برصغیر میں مسلم فاتحین کے قدم پہلی صدی ہجری میں پہنچ گئے تھے لیکن دیگر علاقوں کے برعکس یہاں کی آبادی کی اکثریت اسلام سے بے فیض رہی۔ غیر مسلم اکثریت کے اس خطے میں جہاں عملاً تجارت اور معیشت پر غیر مسلموں کا کنٹرول تھا دوسرے علمی موضوعات کی طرح معاشی موضوع پر غور و خوض کرنا غیر ضروری سمجھا گیا۔ مسلمان اپنے انفرادی مسائل کے حل کے لئے مقامی علماء سے رجوع کرتے رہے۔ اس سارے دور میں اگر ہمیں متقدمین کی علمی کاوشوں کے پائے کی اگر کوئی تصنیف ملتی ہے تو شاہ ولی اللہ کی حجۃ اللہ البالغہ ہے۔ مسلم حکمرانی کے دور میں مسلمان اپنے طرزِ حیات اور اپنی اقدار کے مطابق زندگی بسر کرتے تھے۔ لیکن جب انگریزوں نے اپنے قدم جمائے تو انکی آمد کے ساتھ نئی اقدار مسلمانوں کے طرزِ حیات کے لئے چیلنج کی حیثیت سے سامنے آئیں اور بتدریج انگریزی اقتدار کو مستحکم ہوتا دیکھ کر مسلم اہلِ فکر نے مسلمانوں کے مسائل کی طرف توجہ دینا شروع کی۔ سرسید نے اصل مسئلہ جدید علوم سے مسلمانوں کی لاعلمی قرار دیا تو بعض دیگر اہلِ فکر نے معاشی پس ماندگی کو کمزوری اور محکومی کی اصل وجہ قرار دیا۔ چنانچہ موخرالذکر نے معاشی ترقی اور استحکام کے لئے بینک سے لین دین ضروری سمجھا اور مسلمانوں کو قائل کرنے کی کوشش کی کہ بینکوں کا سود قرآنی اصطلاح ''ربا'' سے مختلف

ہے۔

اس حوالے سے اقبال کا نام بھی نمایاں اہمیت کا حامل ہے۔ انہوں نے اپنی نظم و نثر میں مختلف معاشی امور پر اظہار خیال کیا۔

بیسویں صدی کی چوتھی دھائی میں اس موضوع پر باقاعدہ کتب اور تحقیقی مقالوں کا آغاز ہوا اور بعض اہم نام سامنے آئے جن میں یوسف الدین، مناظر احسن گیلانی اور حفظ الرحمٰن سیوھاروی وغیرہ شامل ہیں۔

قیام پاکستان کے بعد اس حوالے سے نمایاں پیش رفت مولانا مودودی کے معاشی افکار کی شکل میں ہوئی۔ ان کی خدمات اس حوالے سے بلاشبہ بہت نمایاں ہیں۔ اس کے علاوہ غلام احمد پرویز کی اسلامی معاشی تعلیمات کی منضبط مرکزی معیشت کے تحت تعبیر بھی اسی عہد میں ہماری سامنے آئی۔

آج کل اسلامی معاشیات کا مضمون ایک مکمل علم کی شکل اختیار کر چکا ہے اور اس کی کئی جہتوں پر کام جاری ہے اور کئی اصحاب علم و فکر اس کے مختلف گوشوں پر مسلسل کام کر رہے ہیں جس سے علم کی اس شاخ کی وسعت میں مسلسل اضافہ ہو رہا ہے۔

اگر ہم برصغیر (پاکستان، بنگلہ دیش، بھارت) میں اسلامی معاشیات کے کسی بھی پہلو پر ہر ہر لکھنے والے کو زیر بحث لائیں تو ان کی تعداد بہت زیادہ ہو جائے گی جنہوں نے اخبارات، عام رسائل، ہفت روزہ میگزین اور تحقیقی جرائد میں اسلام کے معاشی موضوع پر کچھ نہ کچھ لکھا ہے۔ مقالے کو اس غیر ضروری طوالت سے بچانے کے لئے صرف معیاری علمی کاوشوں کو زیر بحث لایا گیا ہے اور ان مصنفین کی فکر سے بحث کی گئی ہے جن کی تحقیقی کاوشوں کو کسی نہ کسی جہت سے مستند سمجھا جاتا ہے۔

برصغیر میں اسلامی فکر کے مختلف ارتقائی مراحل کے تناظر میں اسے تین مراحل میں تقسیم کیا

گیا ہے یعنی ابتدائی دور، وسطی دور اور جدید دور۔

ابتدائی دور شاہ ولی اللہ سے لے کر علامہ اقبال کے عہد تک محیط ہے۔ شاہ ولی اللہ کی معاشی فکر ان کے سماجی تصورات سے مربوط ہے جو اپنے عہد کے سیاسی اور سماجی پس منظر کی عکاسی بھی ہے اگرچہ یہ فکر بڑی حد تک خام ہے تاہم خشتِ اول ہونے کے ناطے اس کی اپنی ایک اہمیت ہے شاہ صاحب کے معاشی تصورات کو پہلے باب میں زیرِ بحث لایا گیا ہے۔

اس دور کی دوسری نمایاں پیش رفت سود مند تحریک کی شکل میں ہے اس تحریک کے پلیٹ فارم سے حرمتِ ربا کے بارے میں کچھ سوالات اٹھائے گئے۔ ان سوالات کا اگرچہ ایک خاص پس منظر تھا تاہم اس تحریک کی اپنی ایک اہمیت ہے اس کا اندازہ یوں بھی لگایا جا سکتا ہے کہ کسی نہ کسی درجے اس کے نقطۂ نظر کی بازگشت آج بھی سنائی دے جاتی ہے۔ اس تحریک کے پس منظر مقاصد اور ان فکری سوالات کا جو اس کی جانب سے پیش کئے گئے دوسرے باب میں تجزیہ کیا گیا ہے۔

تیسرا باب اقبال کے معاشی تصورات کی تفہیم کے لئے مخصوص ہے۔ اس طرح ابتدائی تین ابواب میں اس فکر کے ابتدائی دور کا جائزہ شامل ہے۔

وسطی دور بیسیوں صدی کی چوتھی دھائی سے لے کر ساتویں دھائی تک کے عرصے پر مشتمل ہے اس دور کی ابتداء جامعہ عثمانیہ حیدر آباد دکن سے اسلامی معاشیات پر چند کتب اور تحقیقاتی مقالوں کی اشاعت سے ہوئی۔ اس دور کے اہم مفکرین میں محمد یوسف الدین، مولانا مناظر احسن گیلانی، مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاروی، ڈاکٹر انور اقبال قریشی، مولانا ابوالاعلیٰ مودودی اور چند دیگر اصحاب شامل ہیں۔ ان مفکرین کے افکار مقالے کے چوتھے باب کی زینت ہیں۔

وسطی دور میں اس حوالے سے ایک منفرد کوشش اسلام کی معاشی تعلیمات کی سوشلسٹ انداز

میں تعبیر کی کوشش بھی تھی جو غلام احمد پرویز صاحب نے کی۔ اسی حوالے سے "اسلامی سوشلزم" کی تحریک بھی اٹھی۔ اسلام کی معاشی تعلیمات کی اس منفرد تفسیر کا تجزیاتی جائزہ پانچویں باب لیا گیا ہے۔

اسلامی معاشی فکر جدید دور میں بیسویں صدی کی آٹھویں دھائی میں داخل ہوتی ہے جب اس فکر کی گیرائی، تنوع اور وسعت میں ایک نمایاں اضافہ ہوا۔ اس عہد کی اس حوالے سے نمایاں شخصیات میں ڈاکٹر نجات اللہ صدیقی، ڈاکٹر محمد عمر چھاپرا، ڈاکٹر ایس۔ ایم حسن الزماں، ایم۔ اے منان، محمد اکرم خان، مفتی محمد تقی عثمانی، مولانا طاسین اور دیگر کئی اصحابِ فکر و نظر شامل ہیں۔ اس مقالے کا چھٹا باب عہد جدید کے نمائندہ مفکرین کی فکر سے عبارت ہے۔

ساتویں باب میں ربٰو اور بلا سود بنکاری سے متعلق مباحث کا ارتقائی اور تجزیاتی جائزہ لیا گیا ہے کیونکہ ان دونوں موضوعات پر اسلامی معاشی فکر کے حوالے سے بہت کچھ لکھا گیا ہے۔

یہ دعویٰ کرنا کہ مقالے میں پچھلی صدیوں میں اس موضوع پر بر صغیر میں طبع ہونے والی کسی کتاب کو نظر انداز نہیں کیا گیا فطری انسانی موانع سے انکار کے مترادف ہوگا۔ مقالہ نگار صرف اس لٹریچر تک رسائی حاصل کر سکا ہے جو معروف یا کثیر الاشاعت ہے۔ یہ عین ممکن ہے کہ بر صغیر کے کتب خانوں کو اگر کھنگالا جائے تو بہت سی مطبوعہ کتب اور متعدد غیر مطبوعہ نسخے ایسے مل جائیں جو اہل علم کو ششدر کر دیں۔

زیر نظر مقالے میں کتب اور مضامین کے انتخاب میں زیادہ انحصار نجات اللہ صدیقی اور محمد اکرم خان کی فہارس کتب و مقالات پر کیا گیا ہے۔

ایک اعتذار اس حوالے سے مجھے ان اصحاب سے کرنا ہے جنہوں نے اس موضوع پر خالصتاً حسابی (Mathmatical) بنیادوں پر اظہار خیال کیا ہے ان میں سر فہرست مسعود عالم چوہدری

ہیں۔ راقم الحروف چونکہ (Mathmatics) سے زیادہ ملاقہ نہیں رکھتالہذا ایسے اذکار مقالے کی زینت نہیں بن سکے ہیں۔

ایک مختصر سے مضمون میں بھی تمام عمر بہتری کی گنجائش رہتی ہے مقالہ ہذا بھی خامیوں سے مبرا نہیں ہے مگر اس میں ایک حقیقی مسئلہ کا تجزیہ کرنے اور اس کو سمجھنے کی ایک مخلصانہ سعی ضرور کار فرما دیکھی جاسکتی ہے۔

یہ مقالہ ڈاکٹر ایس۔ ایم حسن الزماں کی زیر نگرانی "بر صغیر میں اسلامی معاشی فکر کا ارتقاء" کے موضوع پر تحریر کیا گیا ہے جس کی منظوری ہمدرد یونیورسٹی کی طرف سے مورخہ ۱۷/ فروری ۲۰۰۰ء کے خط حوالہ نمبر Hu/Dy.Reg.(Acad.)2000/8401-13 کے تحت دی گئی ہے۔

فاروق عزیز

اسسٹنٹ پروفیسر (صدر شعبہ معاشیات)

گورنمنٹ اسلامیہ آرٹس / کامرس کالج،

کراچی۔

۱۴/ اکتوبر ۲۰۰۱ء

باب نمبر ۱

پس منظر

بر صغیر جو اس وقت پاکستان، ہندوستان اور بنگلہ دیش پر مشتمل ہے مشرق کی جانب ۶۱ سے ۹۷ درجے طول بلد اور شمال میں ۸ سے ۳۷ درجے عرض بلد کے درمیان واقع ہے۔(۱-)

جغرافیائی بنیادوں پر بر صغیر کو چار خطوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔

۱۔ پہلا خطہ شمالی پہاڑوں اور ان کی مغربی اور مشرقی قطاروں اور انکی ڈھلانوں پر مشتمل ہے جو اس وقت کشمیر، کانگرہ، تھری، نیپال، سکم اور بھوٹان وغیرہ پر محیط ہے۔

۲۔ دوسرا خطہ شمالی میدانوں پر مشتمل ہے یہ خطہ دریائے سندھ اور اس کے معاون دریاؤں کے علاقے (جسے وادیٔ سندھ بھی کہا جاتا ہے) پر مشتمل ہے اس کے علاوہ اس میں ایک طرف تھر، راجپوتانہ کا صحرائی علاقہ شامل ہے تو دوسری طرف گنگا اور جمنا کا زرخیز علاقہ بھی شامل ہے۔

۳۔ تیسرا خطہ جنوبی مرکزی ہند کی سطح مرتفع اور دکن پر مشتمل ہے۔

۴۔ چوتھا خطہ جنوب کے طویل اور کم چوڑے ساحلی میدانی علاقوں پر مشتمل ہے۔(۲-)

بر صغیر کی یہ جغرافیائی تقسیم یہاں کے رہنے والوں کے تمدن کے تمام پہلوؤں جن میں سیاسی، معاشی، تمدنی پہلو شامل ہیں نمایاں طور پر اثر انداز ہوئی ہے۔

قبل از تاریخ عہد :

جدید تحقیقات سے یہ بات ثابت ہو گئی ہے کہ بر صغیر میں آریاؤں کی آمد سے قبل اس خطے میں

۱۔ Tapan Raychaudhuri, Irfan Habib, The Cambridge Economic History of India, Vol. 1., P.1.

۲۔ K.Ali, A New History of Indo-Pakistan Upto 1526, PP.10-11.

کئی مختلف قسم کی نسلیں آباد تھیں جو تہذیبی نقطۂ نگاہ سے بہت بلند درجے پر تھیں لیکن ان کے بارے میں بہر حال زیادہ معلومات دستیاب نہیں ہیں۔ یہ تمام نسلیں غیر آریہ کہلاتی ہیں۔ (۱)

موہنجوڈرو اور ہڑپہ کی تہذیب :

برصغیر میں موہنجوڈرو اور ہڑپہ کی تہذیب قبل از آریہ تمدن سے تعلق رکھتی ہے۔ (۲) موہنجوڈرو صوبہ سندھ کے ضلع لاڑکانہ میں ہے جبکہ ہڑپہ پنجاب کے ضلع ساہیوال میں ہے ان دونوں کے درمیان تقریباً ۴۵۰ میل کا فاصلہ ہے لیکن اس کے باوجود ان دونوں علاقوں کی تہذیب قطعی یکساں ہے جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ تہذیب ایک وسیع علاقے پر پھیلی ہوئی تھی۔ (۳) ایک محتاط اندازے کے مطابق اس تہذیب کی بنا لگ بھگ ۴۲۵۰ ق م ڈلی گئی اور تقریباً ایک ہزار سال کے بعد ۳۲۵۰ ق م کے قریب یہ اپنے عروج پر تھی۔ (۴)

جہاں تک اس تہذیب کے معاشی پہلو کا تعلق ہے یہاں سکے کا رواج تھا اور اشیاء تول کر فروخت کی جاتی تھیں۔ سکے چاندی کے ٹکڑے ہوتے تھے جن پر کسی مہر کے ذریعے نشان بنایا جاتا تھا۔ یہ سکے گوتم بدھ کے زمانے تک چلتے رہے۔ سکندر اعظم جب ٹیکسلا پہنچا تو اسے یہی سکے نذر کے طور پر دیئے گئے۔ (۵) یہ سکے ایک مکمل اوزان کے حامل سلسلے پر مشتمل تھے۔ اس علاقے کی صنعتوں میں غالباً سب سے زیادہ ترقی یافتہ کام جوہریوں کا تھا۔ زیادہ تر آلات و اوزار تانبے کے بنائے جاتے تھے تاہم کانسی کا استعمال تیز اور مضبوط دھار ہتھیاروں میں کیا جاتا تھا۔ تاہم زیادہ تر ہتھیار ناقص نوعیت کے ہوتے تھے۔ اس تہذیب میں کاتنے اور بننے کا رواج کثرت سے تھا لیکن کپڑوں کے نمونے محفوظ نہیں رہ سکے۔ یہ کپڑے گمان غالب ہے کہ سومیریا اور بابل بھیجے جاتے ہوں گے جہاں ہندوستان کے سوتی کپڑے کی بڑی قدر تھی سکوں کی کثرت سے اندازہ ہوتا ہے کہ اس علاقے کی تجارت بہت وسیع تھی۔ (۶)

۱۔ K. Ali, A New History of Indo-Pak. Upto 1526, P.1.

۲۔ Romila Thapar. A History of India, Vol.1., P.29.

۳۔ محمد مجیب، تاریخ تمدن ہند، ص ۲۹

۴۔ ایضاً ص ۳۴

۵۔ ایضاً ص ۳۹

۶۔ ایضاً ص ۴۰۔ ۳۹

اس خطے میں کمہار کا کام محض ایک ادنیٰ صنعت تھی جس کی کوئی قدر نہ تھی تاہم برتنوں اور زیورات پر نقش و نگار بہت نفاست سے بنائے جاتے تھے۔ اس کے علاوہ مورتیوں کے بھی بعض نمونے ملے ہیں۔ اس خطے کی ایک خصوصیت کھلونوں کی بڑی تعداد بھی ہے۔ کھلونوں کے ساتھ بہت سے مہرے اور پانسے بھی ملے ہیں جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ اس زمانے میں جوئے کا رواج بھی تھا۔(۱-)

موہنجوڈرو تجارتی بندرگاہ تھی جس کی آبادی کا تخمینہ ایک لاکھ کے لگ بھگ لگایا گیا ہے۔ ان لوگوں کو ہل کا استعمال نہیں آتا تھا بلکہ وہ کھیتوں میں سر اون (سہاگہ) پھیرتے تھے۔ زمین کی بابت اندازہ ہے کہ وہ پوری بستی یا قبیلے کی مشترکہ ملکیت ہوتی تھی اور کاشت کا یہ نظام آریوں کے غلبے کے بعد بھی جاری رہا۔ ان لوگوں کو عمارتیں بنانے کا شوق نہیں تھا اسی وجہ سے یہاں سے کسی عالیشان عمارت کے کوئی آثار نہیں ملے۔ ہڑپہ اور موہنجوڈرو دونوں تجارتی شہر تھے۔ ہڑپہ سے تجارتی قافلے خشکی کی راہ سے شمالی ایران تک جاتے تھے جبکہ موہنجوڈرو سے تجارتی کشتیاں بحر عرب کو عبور کر کے جنوبی ایران اور عراق کی بندرگاہوں تک جاتی تھیں۔ ایک اندازے کے مطابق یہاں تاجروں کی کوئی مجلس انتظامیہ تھی جو شہر کے نظم و نسق کی نگرانی کرتی تھی۔(۲-) یہ تہذیب آریاؤں کی آمد کے ساتھ ۱۵۰۰ ق م کے ساتھ ساتھ مکمل طور پر ختم ہو گئی۔(۳-)

آریہ:

آریہ برصغیر میں شمال مغربی دروں سے داخل ہوئے۔ انہوں نے یہاں کے رہنے والے غیر آریہ اور دراوڑ نسل کے لوگوں کو شکست دی۔ آریہ مقامی لوگوں کے مقابلے میں بہر حال تہذیبی اور فوجی دونوں لحاظ سے برتری کے حامل تھے جس کی وجہ سے انہوں نے مقامی آبادی پر فتح حاصل کی۔

وادیٔ سندھ میں آریہ قبائل کی آمد تقریباً دو ہزار ق م سے شروع ہوئی اور یہ سلسلہ تقریباً ۵۰۰ سال تک جاری رہا۔ یہ قبائل درۂ خیبر یا درۂ بولان کی راہ سے داخل ہوتے۔ مقامی باشندوں کو زیر کرتے۔ ان کی زمینوں اور مویشیوں پر قبضہ کر کے انہیں غلام بنا لیتے جب وادیٔ سندھ میں گنجائش نہ رہی تو ایک

۱- ایضاً، ص ص ۴۱-۴۰

۲- سبط حسن، پاکستان میں تہذیب کا ارتقاء، ص ص ۷۱-۶۷

۳- Romila Thapar, A History of India, Vol.1., P.29.

ہزار ق م کے قریب ان کے کئی قبیلوں نے وادیٔ گنگا اور جمنا کا رخ کیا اور پورے شمالی ہندوستان میں پھیل گئے۔(۱ ۔)

محققین کے نزدیک رگ وید کی تصنیف کا زمانہ ۱۵۰۰ تا ۱۲۰۰ ق م ہے۔ رگ وید سے پتہ چلتا ہے کہ آریوں نے یہاں کے پرانے زرعی نظام کو نہیں بدلا اور زمین بدستور گاؤں یا قبیلے کے مشترکہ تصرف میں رہی یہی وجہ ہے کہ رگ وید میں زمین کے بٹوارے یا خرید و فروخت کا کہیں تذکرہ نہیں ہے۔ البتہ آریاؤں نے زرعی طریقے بدلے اور ہل کا استعمال شروع کیا جس سے زرعی پیداوار میں نمایاں اضافہ ہوا۔(۲ ۔)

آریاؤں کی بستیاں معاشی لحاظ سے خود کفیل ہوتی تھیں بنیادی ضروریات زراعت اور شکار سے پوری ہو جاتی تھی۔ جانوروں کی تعداد دولت کا معیار تھا۔ خرید و فروخت جانوروں کے بدلے ہوتی۔ صنعتوں میں صرف لکڑی، دھات اور چمڑے کا کام تھا لیکن ان کو جاننے والے بہت کم تھے۔ تاہم بتدریج پیشوں اور صنعتوں میں نمایاں اضافہ ہوتا چلا گیا۔ آریاؤں میں سکے کا رواج نہیں تھا۔(۳ ۔)

موریہ سلطنت ۳۲۱ ق م تا ۱۸۵ ق م :

موریا عہد سے وہ زمانہ شروع ہوتا ہے جسے تاریخ کہتے ہیں کیونکہ اس عہد سے ہی حالات و واقعات کا صحیح علم حاصل کرنے کے ذرائع بتدریج زیادہ اور قابل اعتماد ہو جاتے ہیں۔(۴ ۔)

چندر گپت موریا نے ہندوستان میں پہلی منظم سلطنت کی بنیاد رکھی۔ یہ سلطنت جہاں دیگر کئی حوالوں سے ہندوستان کی تاریخ میں نمایاں اہمیت رکھتی ہے وہیں ایک حوالہ تجارت اور کاروبار میں نمو کا بھی ہے۔(۵ ۔)

چندر گپت موریہ جس کا عہد ۳۲۴ ق م تا ۳۰۰ ق م ہے، بہترین تنظیمی صلاحیتوں کا حامل حکمران تھا۔ اس کے عہد میں لوگ خاصے خوشحال تھے۔ چوری چکاری کا تناسب بہت کم ہو گیا

۱۔ سبط حسن، پاکستان میں تہذیب کا ارتقاء، ص ۹۱

۲۔ ایضاً ص ۹۲-۹۱

۳۔ محمد مجیب، تاریخ تمدن ہند، ص ۵۴

۴۔ ایضاً ص ۱۰۳

۵۔ K. Ali, A New History of Indo-Pak., P.44.

تھا۔(۱-)

موریہ سلطنت کا در حقیقت عروج کا دور اشوک کا دور ہے جو ۲۷۳ ق م سے ۲۳۲ ق م تک حکمران رہا۔ اس کے عہد میں موریا سلطنت کی حدود ہمالیہ کے دامن سے لے کر میسور تک اور بحیرۂ عرب کے ساحل سے لے کر بنگال تک پھیل چکی تھیں۔(۲-)

موریہ عہد میں آبادی کی اکثریت زراعت سے متعلق تھی اور دیہات میں رہائش پذیر تھی۔ ریاست کی کل زمین بادشاہ کی ملکیت متصور کی جاتی تھی۔ زرعی پیداوار پر خصوصی توجہ دی گئی اور اس مقصد کے لئے افراطِ آبادی والے علاقوں سے کاشتکاروں کو نکال کر نئی زمینیں آباد کرنے کے لئے دی گئیں جن کی فالتو پیداوار حکومت کی ملکیت متصور ہوتی تھی۔ اس حقیقت کے باوجود کہ بادشاہ زمین کا مالک متصور ہوتا تھا کسانوں کی چھوٹے پیمانے پر زمین کی ملکیت کا خاتمہ نہیں ہوا۔ اس ملکیت کی حد خود کاشت کی حد تک تھی یا اسے اس حد تک بھی توسیع دی جاسکتی تھی جہاں تک زمین کا مالک کرائے کی محنت حاصل کر سکتا تھا۔ محنت کا کرائے پر حصول ریاست کی جانب سے اور عام افراد کی جانب سے بھی عام تھا۔(۳-)

زمین سے حاصل ہونے والی آمدنی دو طرح کی تھی ایک۔ زمین کو استعمال کرنے کا کرایہ یا زرعی پیداوار میں حصہ کی شکل میں ہوتی تھی زرعی پیداوار میں حصہ علاقے کی بنیاد پر الگ الگ تھا اور اس کی حد پیداوار میں سولہویں حصے سے لے کر چوتھائی پیداوار تک تھی اور اسکا انحصار زمین کی نوعیت پر ہوتا تھا۔ پانی کے استعمال پر محصول عائد تھا جو بغیر کسی رعایت کے وصول کیا جاتا تھا۔ اس عہد میں مغربی ہند میں ایک ڈیم بھی تعمیر کیا گیا جس سے وسیع رقبے کو پانی دستیاب ہونے لگ گیا۔(۴-)

اس عہد میں تجارت میں بھی نمایاں ترقی ہوئی اور چھوٹے پیمانے کی صنعتوں نے ہندوستان کے مختلف حصوں میں کام کرنا شروع کر دیا۔ اکثر ہنر مندوں کو ریاست نے اپنے کاموں کے لئے ملازم رکھ لیا جس سے مختلف فنون کو نمایاں فروغ حاصل ہوا۔

۱- ایضاً

۲- ایضاً

۳- Romila Thapar, A History of India, Vol.1., PP. 76-77.

۴- ایضاً

تمام صنائی اشیاء پر محصول عائد کیا گیا اور ان پر صنائی تاریخ کندہ کی جانے لگی تاکہ صارفین نئی اور پرانی اشیاء میں تفریق کر سکیں۔ اشیاء کی مقدار کی سختی سے نگرانی کی جاتی تھی اس ضمن میں حکومت کے عمال اشیاء کی قیمتوں اور ان کی طلب اور رسد پر نگرانی کا کام انجام دیتے تھے۔ اشیاء کی قیمت کا ۵/۱ حصہ محصول کی شکل میں معین تھا۔ ٹیکس سے فرار کا تصور موجود تھا تاہم اس کی سزا بہت سخت تھی۔ شرح منافع بالعموم متعین تھی اگرچہ بینکاری نظام کی طرح کا کوئی نظام نہیں تھا تاہم شرح سود نمایاں طور پر زیادہ تھی۔ عمومی تسلیم شدہ شرح ۱۵ فیصد سالانہ تھی تاہم بعض صورتوں میں یہ ۶۰ فیصد سالانہ تک پہنچ جاتی تھی۔ (۱ـ)

دورِ انتشار :

اشوک کے بعد موریہ سلطنت کو زوال ہوا اور ہندوستان کی سیاست اور تہذیب کا کوئی ایک مرکز نہیں رہا اس سے بڑا نقصان یہ ہوا کہ ملک کی سیاسی وحدت ختم ہوگئی اور ایک مشترک تہذیب، مذہب اور زبان کے پیدا ہونے کا سلسلہ شروع ہوتے ہی ٹوٹ گیا۔ موریہ سلطنت کے زوال کے بعد وسط ہند، اڑیسہ اور دکن میں خود مختار مملکتیں قائم ہوگئیں اور ایک دوسرے سے برسرپیکار ہوگئیں۔ (۲ـ)

گپتا سلطنت :

گپتا خاندان کا بانی چندر گپت اول مہاراجہ کہلاتا تھا۔ چندر گپت کے بعد اس کا لڑکا سمدر گپت (۳۲۵ء تا ۳۷۵ء) تخت نشین ہوا۔ درحقیقت وہی گپتا سلطنت کا معمار کہلاتا ہے۔ "گپت مملکت جاگیری وفاقی اصول پر مبنی تھی اس کا مرکز شہنشاہ تھا اس کے ماتحت راجاؤں میں سے کسی کو کم کسی کو زیادہ اختیارات حاصل تھے بعض علاقوں میں قبائلی حکومت تھی۔ (۳ـ) ملک کی معاشی تنظیم اب بھی تاجروں اور صنعت پیشہ لوگوں کی برادریوں پر انحصار کرتی تھی اور حکومت ان کا بہت لحاظ کرتی تھی۔

۱ـ ایضاً ص ۷۹ـ۷۸

۲ـ محمد مجیب، تاریخ تمدن ہند، ص ۱۳۴

۳ـ ایضاً ص ۱۷۱

محاصل کی تعداد میں بہت اضافہ ہوگیا تھا لیکن اس کے بارے میں زیادہ تفصیلات دستیاب نہیں ہیں۔"(ا-) اس عہد میں صنعت کی ترقی کے متعلق بھی کوئی شہادت دستیاب نہیں ہے۔ پانچویں صدی کے وسط میں ہن قبائل کے حملے شروع ہو گئے اور بیس برس میں یہ سلطنت بالکل تباہ ہو گئی۔

جہاں تک پانچویں سے لے کر ساتویں صدی کے آغاز تک کے دور کا تعلق ہے اس دوران برصغیر کی حالت کا اندازہ لگانا بہت مشکل ہے اس لئے کہ معلومات حاصل کرنے کے تقریباً تمام ذرائع جواب دے دیتے ہیں۔ اس کی برعکس ساتویں صدی کے نصف اول میں ہندوستانی زندگی پر کئی حوالوں سے روشنی ڈالی جاسکتی ہے۔

برصغیر میں مسلم عہد۔ سلاطین دہلی :

جہاں تک اس خطے سے مسلمانوں کے روابط کا تعلق ہے "عرب اور ہند کے تعلقات بہت پرانے ہیں ان دونوں علاقوں بالخصوص سندھ اور جنوبی عرب کے سواحل قدر قریب ہیں کہ ان کے درمیان تجارتی تعلقات اور دوسرے روابط کا قائم ہونا ناگزیر تھا۔"(۲-) اور اسی ناگزیت کا نتیجہ تھا کہ "عرب و ہند کے درمیان قدیم الایام سے ایسے تجارتی روابط قائم ہو گئے تھے جنہوں نے دونوں علاقوں بلکہ تمام دنیا کی تاریخ پر اثر ڈالا اور جن کی تصدیق سے مورخین کو انکار نہیں۔ ہندوستان کی پیداوار اور دوسرے مال واسباب کی اہل یورپ اور اہل مصر کو ہمیشہ سے ضرورت رہی عرب تاجر یہ مال جہازوں کے ذریعے ہندوستانی بندرگاہوں سے یمن اور وہاں سے خشکی کے راستے ملک شام پہنچاتے جہاں یہ چیزیں جہازوں میں لدتیں اور یورپ تک پہنچتیں۔"(۳-)

ہندوستان سے اس دور میں برآمد کی جانے والی اہم اشیاء میں خوشبو، لکڑیاں، صندل، کافور، لونگ، چینی، ناریل، کپڑے، ہاتھی، مختلف قسم کے جواہرات، بانس، بید اور گرم مسالحہ جات وغیرہ شامل ہوتے تھے۔(۴-)

شمالی ہندوستان میں درۂ خیبر کے راستے سے مسلمانوں کے حملوں کا آغاز ۹۷۹ء سے

۱- ایضاً ص ۱۷۱
۲- شیخ محمد اکرام، آب کوثر، ص ۱۹
۳- ایضاً ص ۲۰
۴- علامہ سید سلیمان ندوی، عرب و ہند کے تعلقات، ص ۸۰

ہوا۔(ا۔) جب امیر ناصر الدین سبکتگین نے راجہ جے پال کو شکست دی۔ تاہم اس کے بعد ایک طویل عرصے تک مسلمان آگے نہیں بڑھے۔ تاہم ۱۱۸۶ء تا ۱۵۲۶ء تک کا عہد مسلم دورِ حکومت کی توسیع کا عہد ہے۔ جسے سلاطین دہلی کا دور بھی کہا جاتا ہے۔ سلاطین دہلی کے عہد میں مسلم حدود مملکت شمالی ہند سے لے کر بنگال تک پھیل چکی تھیں۔(۲۔)

سلاطین دہلی کے عہد میں ہندوستان کی معاشی صورتِ حال :

سلاطین دہلی کے عہد میں مختلف حوالوں سے ہندوستان کی معاشی صورتِ حال کا جائزہ مندرجہ ذیل ہے۔

ا۔ دیہی زندگی :

معاشی لحاظ سے صدیوں سے ہندوستانی دیہات ایک خود کفیل اکائی ہوتا تھا اور اس کا معاشی نظام بڑی حد تک منظم ہوتا تھا۔ منظم ان معنوں میں کہ دیہات کی ضروریات کی جملہ اشیاء ایک ہی دیہی یونٹ (گاؤں) میں دستیاب ہو جاتی تھیں۔ "درحقیقت اگر ہندوستان کی کسی دیہاتی برادری کو باقی دنیا سے بالکل علیحدہ کر دیا جائے (جیسا کہ اکثر حالات میں نفسیاتی طور پر ہوتا ہے) تو اس کا معاشی نظام کم و بیش اس علیحدگی سے متاثر نہیں ہوگا۔"(۳۔) سلاطین کے عہد میں بھی صورتِ حال یہی تھی۔ ہر گاؤں مقامی ضروریات کے لئے اشیاء پیدا کرتا تھا۔ بڑے پیمانے کی صنعتیں چند خاص ایسے مقامات تک محدود تھیں جو کشتی رانی کے قابل دریاؤں کے کنارے واقع تھے۔ آمدورفت کی سہولیات کے پیش نظر بنگال اور گجرات خاص صنعتی صوبے تھے جہاں سے مال بیرون ملک برآمد کیا جاتا تھا اور یہ تجارت صرف چند دولت مند افراد تک محدود تھی۔ اس طرح آبادی کی بہت بڑی اکثریت زراعت سے منسلک تھی۔(۴۔)

سلاطین دہلی نے کبھی زرعی پیداوار میں اضافے، دولت کی تقسیم میں عدم مساوات کم کرنے یا مختلف سماجی طبقات کو باہم قریب لانے یا معاشی ہم آہنگی پیدا کرنے میں کوئی دلچسپی نہیں لی۔ بلکہ ان کے

ا۔ شیخ محمد اکرام، آبِ کوثر، ص ۵۶

۲۔ ابو نعیم عبد الحکیم خان، تاریخ اسلام، ص ۱۰۱۷

۳۔ کنور محمد اشرف، ہندوستانی معاشرہ عہدِ وسطیٰ میں، مترجم قمر الدین، ص ۱۵۹

۴۔ ایضاً ص ۱۶۰

برخلاف وہ عوام کے پست معیار زندگی کو برقرار رکھنے میں زیادہ دلچسپی رکھتے تھے۔ کیونکہ یہ حالات حکومت کے لئے سازگار تھے۔(۱ـ)

دیہی زندگی کے مختلف پہلوؤں کا جائزہ مندرجہ ذیل ہیں۔

i۔ زرعی پیداوار :

اس امر کا تعین تو بہر حال مشکل ہے کہ اس عہد میں ایک اوسط کھیت کا رقبہ کیا ہوتا تھا؟ آبادی کا کتنے فیصد زراعت سے منسلک تھا؟ یا زرعی طریقے کس قسم کے تھے؟ تاہم اندازے کی بنیاد پر یہ کہا جاسکتا ہے کہ جڑی بوٹیاں، گرم مصالحے اور خوشبودار لکڑی بڑی مقدار میں پیدا کی جاتی تھی۔ یہ اہم برآمداتی آئٹم تھے۔ اہم مقامی ضروریات کی فصلوں میں دالیں، گندم، باجرہ، جو، مٹر، چاول، گنا اور کپاس وغیرہ شامل تھیں۔(۲ـ)

سلاطین دہلی نے پھلوں کی اقسام اور ان کی کاشت کے طریقوں کو مجموعی طور پر بہتر بنانے کی کوشش کی بالخصوص شمالی ہندوستان میں اس مقصد کے لئے نمایاں کوششیں کی گئیں۔(۳ـ)

ii۔ دیہی اور گھریلو صنعتیں :

زرعی پیداوار کی بنیاد پر دیہاتوں میں متعدد صنعتیں اور دستکاریاں چھوٹے پیانے پر چل رہی تھیں جو نسل در نسل چلتی چلی آرہی تھیں جو بالعموم پست معیار کی ہوتی تھیں کیونکہ انہیں بنانے کے اوزار اور طریقے دونوں بھدے تھے۔ مغلوں کی آمد سے قبل تک اس شعبے کی مجموعی صورتِ حال دگرگوں تھی۔(۴ـ)

ہندوستان میں شراب اور اسپرٹ کی صنعت بہت قدیم ہے۔ قدیم زمانے ہی سے پکی شکر، جو اور چاول سے بیئر کشید کی جاتی تھی۔(۵ـ) گھریلو صنعتوں میں بننے اور کاتنے کی صنعت کو خاص اہمیت حاصل تھی یہ طریقے آج بھی ہندوستانی دیہات میں مروج ہیں۔(۶ـ)

۱ـ کنور محمد اشرف، ہندوستانی معاشرہ عہد وسطی میں، ص ۱۶۲

۲ـ ایضاً ص ص ۱۶۳۔۱۶۲

۳ـ ایضاً ص ص ۱۶۵۔۱۶۴

۴ـ ایضاً ص ۱۶۷

۵ـ ایضاً

۶ـ ایضاً ص ۱۶۸

iii۔ معاشی زندگی کا معیار :

"زرعی پیداوار کا ایک معتدبہ حصہ لگان یا دیگر متعدد طریقوں سے حکومت کی نذر ہو جاتا تھا۔ بقایا میں سے گھریلو مزدوروں اور دیگر کام کرنے والوں کا روایتی حصہ مقرر ہوتا تھا ان میں سے جو کچھ باقی بچتا وہ کسان اور اس کے خاندان کے ذاتی استعمال کے لئے ہوتا تھا اور اسی آمدنی میں سے اسے پورا سال گزارا کرنا پڑتا تھا۔۔۔ بہ حیثیت مجموعی کاشتکار طبقے کی حالت بہت بری تھی۔"(۱ ؎)

۲۔ صنعتیں اور تجارت :

"اس امر کی کافی شہادت موجود ہے کہ اس دور میں متعدد اہم صنعتیں کافی ترقی یافتہ تھیں۔ ان میں اہم ترین کپڑے، لوہے، پتھر کا کام، شکر، تیل اور کاغذ کی صنعتیں تھیں۔۔۔ موجودہ اصطلاح میں کارخانے یا بڑے پیمانے پر صنعتی ادارے اس دور میں نہ تھے۔ عموماً چھوٹے قصبات کے صنعتکار بڑے شہروں کے تاجروں کے ہاتھ ان اشیاء کو فروخت کرتے تھے۔۔۔ بہترین ساز و سامان اور اعلیٰ پیمانے کے تربیت یافتہ کاریگروں سے لیس کارخانے زیادہ تر دہلی میں تھے۔"(۲ ؎) اس عہد میں ہندوستان کی چند اہم صنعتوں کا جائزہ مندرجہ ذیل ہے۔

i۔ پارچہ بافی :

پارچہ بافی کی صنعت ہندوستان کی سب سے بڑی صنعت تھی۔ سوتی، اونی اور ریشمی تینوں طرح کے کپڑے بنے جاتے تھے ملک میں کپاس کی پیداوار کثیر تھی اون ہمیشہ پہاڑی علاقوں سے حاصل ہوتی تھی۔(۳ ؎) "مجموعی طور پر ہندوستان میں بہترین قسم کا کپڑا تیار کیا جاتا تھا جو اندرون ملک لوگوں کی ضروریات پوری کرنے کے لئے کافی ہوتا تھا۔ بنگال اور گجرات سے غیر ممالک کو سوتی کپڑا اور دیگر بہت سے اشیاء برآمد کی جاتی تھیں۔"(۴ ؎) کپڑے کی صنعت اور برآمد میں بنگال اور گجرات کو ہندوستان بھر میں اولیت حاصل تھی ان صوبوں میں بحری سہولتوں اور بیرونی ممالک کے ساتھ تجارتی تعلقات کی وجہ سے یہاں بڑے پیمانے پر صنعت پارچہ بافی میں ترقی ہوئی تھی۔(۵ ؎)

---

۱ ؎ ایضاً ص ۱۶۹

۲ ؎ ایضاً ص ۱۷۱

۳ ؎ ایضاً ص ۱۷۲

۴ ؎ ایضاً ص ۱۷۳

۵ ؎ ایضاً ص ۱۷۵

ii۔ دھات کا کام :

کپڑے کے بعد اہم ترین صنعتیں مختلف دھاتوں کی تھیں۔ دھات کے کام کی ہندوستان میں بڑی پرانی تاریخ ہے۔ لوہے، پارے اور سیسے کی کانیں ہندوستان میں تھیں اور ان کی دھاتوں کو کسی حد تک استعمال بھی کیا جاتا تھا۔ اگرچہ ان سے بنائی جانے والی اشیاء کی تعداد متعین نہیں کی جاسکتی تاہم ان کا معیار بالخصوص شمشیر و آہن گری میں بہت اعلیٰ تھا۔ سلاطین دہلی نے سونے اور چاندی کے کام کی خاص طور پر سرپرستی کی۔ تاہم اس کام میں مزید نفاست اور معیار میں اضافہ مغلوں کے دور میں ہوا۔ (۱ـ)

iii۔ پتھر اور اینٹوں کا عمارتی کام :

سلاطین دہلی کے دور میں پتھروں اور اینٹوں کے عمارتی کام میں بہت ترقی ہوئی کاری گروں کی ایک بہت بڑی تعداد اس فن سے متعلق تھی اس کا سادہ سا ثبوت ہندوستان کی نمایاں تاریخی عمارتیں ہیں۔ اس فن کے فروغ کی بنیادی وجہ حکومت کی جانب سے اس کی سرپرستی تھی اور تعمیراتی فن میں کئی جدتیں اور نئی تیکنیک مسلمانوں نے متعارف کرائیں۔ (۲ـ)

iv۔ دیگر چھوٹی صنعتیں :

دیگر چھوٹی صنعتوں میں مونگے کا کام، ہاتھی دانت کا کام اور نقلی جواہرات کی تیاری وغیرہ شامل ہیں۔ اس حوالے سے بھی بنگال اور گجرات کا نام نمایاں ہے۔ (۳ـ)

v۔ کاغذ، شکر اور چمڑے کی صنعت :

کاغذ بنانے کی صنعت گجرات میں تھی تاہم بالکل اپنے ابتدائی مرحلے میں تھی اور اس حوالے سے کوئی نمایاں سرگرمی تاریخ میں موجود نہیں۔

ـ۱ ایضاً ص ۱۷۹ـ۱۷۷

ـ۲ ایضاً ص ۱۸۱ـ۱۸۰

ـ۳ ایضاً ص ۱۸۱

ہندوستان میں چونکہ گنا وسیع پیمانے پر پیدا ہوتا ہے اور شکر عام طور پر گنے سے پیدا کی جاتی تھی۔ یہ کام پورے ہندوستان میں پھیلا ہوا تھا۔ سلاطین دہلی کے عہد میں ایک خاصا بڑا طبقہ چمڑے کے کام پر گزر بسر کرتا تھا چمڑے کا استعمال تلواروں کی نیام، کتابوں کی جلد اور جفت سازی میں عام طور پر کیا جاتا تھا۔ اس کے علاوہ عام استعمال کی متعدد اشیاء بھی چمڑے کی بنی ہوئی ہوتی تھیں۔ برآمدات میں اس کا بھی ایک نمایاں حصہ ہوتا تھا۔ (۱-ب)

vi۔ صنعتی مزدوروں کی حیثیت :

صنعتی مزدوروں کی حالت دیہی کاریگروں سے زیادہ مختلف نہ تھی اور پیداواری طریقے اور آلات واوزار تقریباً یکساں تھے۔ ان کے حقوق کی کوئی مناسب حفاظت نہیں تھی۔ جو اشیاء یہ کاریگر بناتے تھے ان اشیاء کی صنعت کارانہ قیمت بہت زیادہ تھی اور ہندوستان کے کاریگر کی مہارت میں اس دور میں نمایاں اضافہ ہوا۔ (۲-ب)

۳۔ کاروبار اور تجارت :

"ہندوستان کی اندرون ملک اور بیرون ملک تجارتی روایات بہت قدیم تھیں۔ سامان ایک مقام سے دوسرے مقام تک لے جانے والوں اور تاجروں کے لئے مال پہنچانے اور لانے کا مسئلہ کافی حد تک حل ہو چکا تھا۔ اندرون ملک خبر رسانی کے لئے پورے ملک میں سڑکوں اور پیدل راستوں کا جال بچھا ہوا تھا ان راستوں کو حکومت اپنی انتظامی ضروریات کے پیش نظر اچھی حالت میں رکھتی تھی اس کی وجہ خصوصاً یہ بھی تھی کہ بھاری سازوسامان کے ساتھ بڑی افواج کی نقل وحرکت کے لئے یہ راستے ناگزیر تھے اور تاجروں کو اندرونِ ملک ان سہولیات سے استفادہ کرنے کی اجازت تھی۔" (۳-ب)

اس حوالے سے جہاں تک داخلی تجارت کا تعلق ہے چھوٹے پیمانے پر کاروبار عام بازاروں، منڈیوں وغیرہ کی شکل میں ہوتا تھا یا پھر میلے وغیرہ بھی اس حوالے سے اہمیت کے حامل تھے۔ تاہم بڑے

۱-ب ایضاً ص ص ۱۸۵۔۱۸۲

۲-ب ایضاً ص ۱۸۵

۳-ب ایضاً ص ۱۸۶

پیمانے کا تجارتی کاروبار ایک مخصوص طبقہ یا چند ذاتوں تک محدود تھا۔ قصبوں کے چھوٹے کاروبار، پیشہ ور تاجروں کے ہاتھ میں تھے۔ تجارت و کاروبار کے لئے حکومتی قواعد و ضوابط کے علاوہ کوئی اور اصول و ضوابط نہ تھے۔ ہندوستان کی اہم ترین تجارتی اقوام شمالی ہند میں ملتانی اور مغربی ساحل پر گجراتی بنیئے تھے۔ غیر ملکی مسلمان تاجروں کو عام طور پر خراسانی کے نام سے موسوم کیا جاتا تھا یہ لوگ پورے ملک میں پھیلے ہوئے تھے۔(۱-)

ساحلی علاقوں اور اندرون ملک میں عام طور پر تجارتی کاروبار دلالوں کے ایک منظم طبقے کے ذریعے ہوتا تھا اور دلالوں کے اس طبقے کی اہمیت فیروز شاہ تغلق کے عہد تک نمایاں بڑھ چکی تھی۔(۲-) آڑھت کا رواج تھا۔ مقامی ساہوکار آج کل کے بینکوں کی طرح فرائض انجام دیتے تھے وہ سود پر روپیہ دیتے تھے اور ہنڈی کے ذریعے رقم وصول کرتے تھے۔ اور ہنڈی کے ذریعے لین دین سے متعلق قوانین حکومت نافذ کرتی تھی۔(۳-)

شرح سود کے بارے میں یقین کے ساتھ کچھ نہیں کہا جا سکتا تاہم مختلف تقابلی مطالعات سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ یہ شرح بڑی رقوم پر ۱۰ فیصد سالانہ جبکہ چھوٹی رقوم پر ۲۰ فیصد سالانہ تھی۔ اس بلند شرح سود کی وجہ سے غریب طبقہ بری طرح قرض کے بوجھ میں دبا ہوا تھا۔(۴-)

جہاں تک تجارتی اخلاق کا تعلق ہے اس کی سطح زیادہ بلند نہ تھی لوگ بے ایمانی سے روپیہ کمانے کا کوئی موقعہ ہاتھ سے نہ جانے دیتے تھے، ملاوٹ اور ماپ تول میں کمی عام تھی۔ بعض اوقات حکومت کی غیر معمولی سختی کے نتیجے میں صورتِ حال بہتر ہو جاتی تاہم بعد میں پھر پرانی صورتِ حال واپس آجاتی۔(۵-)

تاہم ساحلی قصبات میں صورتِ حال بالکل الٹ تھی اور وہاں اس حوالے سے کاروباری اخلاقیات کی پابندی بہت سخت تھی۔(۶-)

بیرونی تجارت میں مسلمانوں کے آنے کے بعد کوئی فرق نہیں پڑا اور وہ حسبِ سابق پرانے انداز

۱- ایضاً ص ص ۱۸۹-۱۸۷

۲- ایضاً ص ۱۸۹

۳- ایضاً ص ص ۱۹۰-۱۸۹

۴- ایضاً ص ۱۹۱

۵- ایضاً

۶- ایضاً ص ۱۹۲

میں پرانی منڈیوں اور طریقوں سے جاری رہی۔

اس زمانے میں چونکہ درآمد و برآمد کے اعداد و شمار نہیں رکھے جاتے تھے اس لئے ہندوستان کی غیر ملکی تجارت کی صحیح مقدار کا تعین مشکل ہے۔(ا-)

۴۔ معیارِ زندگی :

جہاں تک اس عہد میں معاشرہ کے مختلف طبقات کے معیارِ زندگی کا تعلق ہے اس کا تجزیہ مندرجہ ذیل ہے۔

ا۔ سلاطین :

جہاں تک سلاطین کا تعلق ہے ان کا معیارِ زندگی غیر معمولی بلند ہوتا تھا سلطان فیروز شاہ تغلق کے زمانے میں چیدہ اور نایاب اشیاء سے بھرے ہوئے ۳۶ ذخیرے تھے اور ان ذخائر کے حکام کو ہدایت تھی کہ وہ نایاب اشیاء اور صناعی کے بہترین نمونوں کو جہاں بھی اور جس قیمت پر بھی ملیں خرید لیں۔ شاہی استعمال کی اکثر چیزوں پر سونے چاندی، قیمتی زردوزی اور جواہرات کا کام ہوتا تھا۔ صرف شاہی اصطبل کے چارے اور دیگر اشیاء خوردنی کا خرچ ۶۰ ہزار سے ایک لاکھ تنکے تک تھا اس میں وہ رقم شامل نہیں ہے جو اصطبل کے ملازمین کی تنخواہ اور دیگر اشیاء پر صرف ہوتی تھی۔ اسی طرح صرف موسم سرما کا شاہی توشہ خانے کا خرچہ چھ لاکھ تنکے ہوتا تھا اسی طرح شاہی علم اور نشان پر ۸ ہزار تنکے اور فرش اور آرائش پر دو لاکھ تنکے سالانہ خرچ تھا مستقل خرچ کی یہ چند اور ہلکی مدات تھیں۔(۲-)

جہاں تک غیر معمولی خرچ کی چند مدات کا تعلق ہے جن کی نوعیت سلطنت کے زمانے میں مستقل خرچ کی تھی ان میں شاہی عطیات سرفہرست ہیں جن پر رقم بے دریغ خرچ کی جاتی تھی یہ عطیات ہزاروں کی تعداد میں افراد کو دیئے جاتے تھے۔(۳-)

اس کے علاوہ نئے سلطان کی رسم تاجپوشی کے وقت ہی اس قسم کے عطیات بے دریغ دیئے

ا- ایضاً ص ۱۹۴۔۱۹۳

۲- ایضاً ص ۲۰۲

۳- ایضاً ص ۲۰۳

جاتے تھے۔ اگر کسی جگہ سلطان پہلی دفعہ جاتا تواس کے رونق فروز ہونے کے موقع پر عطیات دیئے جاتے، اس کے علاوہ مختلف تقاریب یا تہواروں کے موقع پر بھی غیر معمولی سخاوت کا مظاہرہ کیا جاتا تھا۔(۱ے)

ii۔ عمال اور سرکاری ملازمین :

جہاں تک درباری امراء کا تعلق تھا وہ بھی شاہی روایات پر عمل پیرا تھے تاہم فرق صرف درجات کا تھا۔ کفایت شعاری ان کے نزدیک بھی شجر ممنوعہ تھی۔ اس کی وجہ یہ بھی تھی کہ افسران کی تنخواہیں اور دیگر مالی منفعتیں ان کے عہدوں پر منحصر نہیں تھیں بلکہ ان کی حیثیت بالکل ذاتی تھی۔ اس لئے کسی یکساں اصول کے تحت ان کی آمدنی کا تعین مشکل ہے۔ محمد تغلق کے زمانے میں سلطان کے نائب کو عراق کے برابر ایک صوبے کی آمدنی ملتی تھی۔ وزیر کی بھی تقریباً اتنی ہی تنخواہ تھی۔ تقریباً ۳۰۰، افراد پر مشتمل سیکریٹریٹ کے عملے کو کم از کم ۱۰، ہزار تنکے سالانہ تنخواہ ملتی تھی ان میں سے چند کی تنخواہ ۵۰، ہزار تنکے تھی۔(۲ے)

iii۔ تاجر اور پیشہ ور ماہرین :

مجموعی طور پر یہ دونوں طبقات خوشحال طبقات میں شمار ہوتے تھے تاہم ان کے بارے میں زیادہ معلومات دستیاب نہیں ہیں۔(۳ے)

iv۔ اشیاء کی قیمتیں :

اس عہد میں جہاں تک اشیاء کی قیمتوں کا تعلق ہے اس حوالے سے صورتِ حال بہت حد تک غیر یقینی ہے کیونکہ اس دور میں معاشی اتار چڑھاؤ یعنی فصلوں کے بہتر یا خراب ہونے کے نتیجے میں قیمتوں میں نمایاں فرق پڑ جاتا تھا پھر ذرائع نقل و حمل کی وافر سہولتوں کی عدم دستیابی، بعض اضلاع کا دیگر

۱ے ایضاً ص ۲۰۶۔۲۰۴

۲ے ایضاً ص ۲۰۹۔۲۰۷

۳ے ایضاً ص ۲۱۳۔۲۱۲

اضلاع سے بالکل الگ اور کٹا ہوا ہونا وغیرہ ایسے عوامل ہیں جن کی وجہ سے اس بابت حتمی تعین سے کچھ نہیں کہا جاسکتا۔(۱ـ) مزید برآں اس حوالے سے مختلف سلاطین کے دور میں مختلف وجوہات سے فرق آتا رہا ہے اس کے علاوہ دیگر متعدد وجوہ کی بناء پر اس بابت حتمی طور پر کوئی اندازہ نہیں لگایا جاسکتا۔(۲ـ) تاہم مجموعی طور پر یہ بہر حال کہا جاسکتا ہے کہ عام اشیاء خورد و نوش کی قیمتیں خاصی کم تھیں اسی طرح آمد و رفت کے اخراجات بھی نہ ہونے کے برابر تھے۔(۳ـ) اس بنیاد پر یہ کہا جاسکتا ہے کہ ایک عام آدمی کا معیارِ زندگی نسبتاً بہتر تھا۔

سلطنت مغلیہ :

بر صغیر میں آخری سلطانِ دہلی ابراہیم خان لودھی کو ۱۵۲۶ء میں پانی پت کے میدان میں شکست دے کر بابر نے سلطنتِ مغلیہ کی بنیاد رکھی اور ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کے بعد اس کا مکمل خاتمہ ہو گیا۔

گذشتہ صدیوں کی طرح مغلیہ دور میں بھی جاگیرداری نظام کا غلبہ برقرار رہا۔ بادشاہ پورے نظام کا مرکز تھا۔ اس کے ماتحت منصب دار اور دیگر اعلیٰ عہدے دار ہوتے تھے۔ مغل بادشاہ اور امراء ایک پر تعیش زندگی بسر کرتے تھے۔ ان کے اخراجات غیر معمولی زیادہ ہوتے تھے۔ ان کے زیرِ استعمال زیادہ تر اشیاء غیر ملکی ہوتی تھیں جس کے نتیجے میں بیرونی تجارت میں بھی اضافہ ہوا۔ بادشاہوں اور امراء کے ذاتی حرم ہوتے تھے جس میں ہزاروں کی تعداد میں خواتین ہوتی تھیں۔ صرف اکبر کے حرم میں ۵۰۰۰، خواتین تھیں جن کی نگہبانی اور دیکھ بھال کے لئے خواتین اسٹاف الگ سے رکھا گیا تھا۔ یہی حال دیگر امراء کا تھا۔ اس کے علاوہ کھانے پینے اور لباس، اور دیگر سرگرمیوں مثلاً کھیل وغیرہ میں بدترین اسراف کا مظاہرہ کیا جاتا تھا۔(۴ـ)

تاہم جہاں تک عام آدمی کا تعلق تھا۔ اس کی زندگی اس نمود و نمائش سے پاک تھی ایک عام آدمی اپنی آمدنی اور اشیاء کی قیمتوں کے لحاظ سے بہر حال تنگی میں تھا۔ تجارتی طبقہ نسبتاً زیادہ خوشحال تھا ایسے

۱ـ ایضاً ص ۲۱۴

۲ـ ایضاً ص ۲۲۰۔۲۱۵

۳ـ Ishwari Prasad, A Short History of Muslim Rule in India, P. 241.

۴ـ ایضاً ص ۶۵۴

تاجر جو ساحلی علاقوں میں آباد تھے اور برآمدی تجارت سے وابستہ تھے وہ کہیں زیادہ خوشحال تھے اور ایک نمایاں برتر معیارِ زندگی کے حامل تھے۔(۱ے)

جہاں تک معاشی لحاظ سے کم زور یا پس ماندہ طبقات کا تعلق ہے ان کی زندگی متذکرہ بالا طبقات کی بہ نسبت بہت سخت تھی ان کا لباس اور غذا دونوں کا معیار کافی پست تھا۔ تاہم غذائی اجناس کی قلت نہیں تھی ماسوا ان حالات کے جب کسی بھی وجہ سے فصلیں خراب ہو گئی ہوں۔(۲ے)

مغلوں نے صنعت کی طرف توجہ دی اور اس مقصد کے لئے مختلف علوم و فنون کے ماہرین کی نمایاں سرپرستی کی۔ اس حوالے سے لاہور، فتح پور، آگرہ، احمد آباد وغیرہ مختلف اشیاء کی صناعی کے مراکز بن گئے۔ اس کے نتیجے میں پیداوار کی مقدار اور معیار دونوں میں اضافہ ہوا۔ پارچہ بافی کی صنعت کو اس عہد میں نمایاں فروغ ملا۔ اس حوالے سے ڈھاکہ کی ململ کو بین الاقوامی شہرت حاصل ہوئی۔ جس کی نفاست کا کوئی جواب نہ تھا۔(۳ے)

درآمدی اشیاء پر چونکہ درآمدی محصول بہت کم تھا لہٰذا اس کے نتیجے میں غیر ملکی تجارت کو خوب فروغ حاصل ہوا۔ سترہویں صدی کی ابتداء میں تمباکو کی کاشت برصغیر میں شروع ہوئی اور بتدریج اس کی پیداوار اور استعمال دونوں بڑھتا چلا گیا۔(۴ے)

مغل عظیم ماہرین تعمیرات تھے انہوں نے ہندوستان کے مختلف حصوں میں جابجا عظیم الشان عمارتیں اور باغات تعمیر کروائے جو بذاتِ خود فن تعمیر کے شاہکار ہیں ان میں تاج محل، لاہور کا شالامار باغ، لال قلعہ اور دیگر کئی عمارات شامل ہیں۔ مغلوں کے اس طرزِ عمل سے فن تعمیر اور اس سے متعلق صنعتوں کو نمایاں فروغ حاصل ہوا۔(۵ے)

مندرجہ بالا صفحات میں برصغیر میں زمانہ ماقبل تاریخ سے لے کر مغلیہ دور حکومت کے اختتام تک اس خطے میں معاشی سرگرمیوں کا ایک اجمالی جائزہ لیا گیا۔ تاہم اس پورے عرصے میں بدقسمتی سے مسلمانوں میں کوئی معاشی فکر پیدا نہیں ہو سکی۔ ایک ایسی فکر جو عملی زندگی کے اس اہم ترین شعبے میں

۱ے ایضاً ص ۶۵۵
۲ے ایضاً
۳ے ایضاً
۴ے ایضاً
۵ے ایضاً

مسلمانوں کی فکری رہنمائی کرسکتی۔

اس حوالے سے ایک انفرادی کاوش جو حکومتی سطح پر کی گئی وہ فتاویٰ عالمگیری کی شکل میں نظر آتی ہے۔ یہاں واضح رہے کہ یہ فتاویٰ بالخصوص معاشی حوالے سے مرتب نہیں کیئے گئے تھے۔ محی الدین اورنگ زیب عالمگیر کے زمانے تک فقہ حنفی کی بہت سی کتابیں تالیف ہو چکی تھیں اور معاشرے کو پیش آنے والے نو بنو مسائل کا فقہی جواب ان کثیر التعداد کتابوں میں بکھرا ہوا تھا۔ اورنگ زیب عالمگیر نے یہ محسوس کیا کہ ایک ایسی جامع کتاب کی ضرورت ہے جس میں فقہ حنفی کے تمام مسائل ایک انسب ترتیب کے ساتھ موجود ہوں۔ وقت کی اس ضرورت کے پیشِ نظر اورنگ زیب عالمگیر نے اس وقت کے چیدہ چیدہ اور جید علماء وفقہاء پر مشتمل ایک مجلس قائم کی۔ جس میں کابل اور بخارا سے لے کر ارکان تک اور کشمیر سے لے کر راس کماری تک اکیس صوبوں سے اہل علم وفقہ جمع کیئے گئے۔ اس جماعت کی آٹھ سال کی شبانہ روز محنت کے نتیجے میں یہ تالیف عمل میں آئی۔ یہ تالیف جو منجملہ باسٹھ (۶۲) مختلف موضوعات پر محیط ہے اس میں معاشی امور سے متعلق مختلف موضوعات پر بھی فتاویٰ مدون کیئے گئے ہیں۔ اہم معاشی موضوعات میں زکوٰۃ، مضاربت، مزارعت، اجارہ، احیاء الموات، لگان اور محصولات وغیرہ شامل ہیں۔

یہ تالیف آج بھی فقہ کی مستند کتابوں میں شمار ہوتی ہے اور روزمرہ زندگی کے معاملات بشمول معاشی معاملات میں فقہی احکام وضوابط کی بابت رہنمائی فراہم کرتی ہے۔

SECONDARY SOURCES

Ali, A New History of Indo- Pakistan upto 1526, Naeem Publishers, lu Bazar, Lahore, n.d.

A New History of Indo-Pakistan Since 1526, Naeem Publishers, Urdu Bazar, Lahore, 1989.

incherov, A. I., India: Economic Development in the 16th – 18th nturies, Peoples Publishing House, Lahore, 1976.

ılt, R. Palme, India To Day. Book Traders, Lahore, 1979.

ıider, Azimusshan, Economic History of the Region Constituting ıkistan from 1825 to 1974. Ferozsons, Karachi, 1975.

asad, Ishwari, A Short History of Muslim Rule in India, University ook Store, Lahore, 1986.

aychaudhari, Tapan, Habib, Irfan, The Cambridge Economic History India, Vol. 1., Orient Longman, Bombay, 1982.

pear, Percival, A History of India, Vol.1., Penguin Books, Victoria, 971.

pear, Percival, A History of India, Vol. 2., Penguin Books, Victoria, 971.

hapar, Romila, A History of India, Vol. 1., Peguin Books, Victoria, 973.

باب نمبر ۲

شاہ ولی اللہ کے معاشی افکار

۱۷۰۷ء میں مغل شہنشاہ اورنگ زیب عالمگیر کی وفات کے بعد برصغیر میں مسلمانوں کا سیاسی زوال تیزی سے شروع ہوا۔(۱-ب) اس کے ساتھ ہی وہ اقتصادی ڈھانچہ بھی جو مغلوں نے مرتب کیا تھا اور جس میں مسلمانوں کو ایک نمایاں برتری حاصل تھی۔(۲-ب) بتدریج ٹوٹنے لگا۔ چند ہی سالوں میں صوبوں کے گورنر خود مختار ہو گئے اور آپس میں لڑنے لگے۔ سکھوں، جاٹوں اور مرہٹوں نے مختلف علاقوں میں طاقت حاصل کر کے لوٹ مار شروع کر دی۔(۳-ب) اور جگہ جگہ مختلف چھوٹی بڑی ریاستیں وجود میں آگئیں۔

اقتصادی لحاظ سے اٹھارویں صدی کے آغاز میں برصغیر میں وہ مشینیں جن کی بنا پر انیسویں اور بیسویں صدی میں سرمایہ داری نے ایک خاص شکل اختیار کی اور وہ حالات جنہوں نے سوشلزم کو جنم دیا یقیناً نہیں تھے مگر جاگیر داری، خاص منصبوں اور وظیفوں کی اجارہ داری نے اقتصادی توازن درہم برہم کر دیا تھا۔ بادشاہ، امراء، بالا دست حکام اور جاگیر دار شاہانہ زندگی اور عیش پرستانہ رنگ رلیوں کیلئے کاشتکاروں کا استحصال کرتے تھے۔ دوسری طرف مذہبی سیادت خانقاہ نشینوں، سجادہ نشینوں اور علماء کے ہاتھ میں تھی، جنہوں نے گویا کلیسائی نظام کا چربہ ہندوستان میں اتار رکھا تھا۔ یہ دونوں طبقات محنت سے ناآشنا اور ھل من مزید کی لعنت میں گرفتار تھے۔(۴-ب)

یہ سیاسی زوال اور اقتصادی عدم توازن کا وہ عہد ہے جس میں قطب الدین شاہ ولی اللہ ۴ر شوال

۱-ب اشتیاق حسین قریشی، برصغیر پاک وہند کی ملتِ اسلامیہ، مترجم ہلال احمد زبیری، ص ۲۱۰

۲-ب Shireen Moosvi, The Economy of Mughal Empire, A Statistical Study, P.17.

۳-ب سید حسن ریاض، پاکستان ناگزیر تھا، ص ۱۶

۴-ب مولانا سید محمد میاں، علماء ہند کا شاندار ماضی، ص ۱۱

۱۱۱۴ھ بمطابق ۲۱؍ فروری ۱۷۰۳ء میں دھلی میں پیدا ہوئے۔(۱ے) شاہ صاحب نے مسلمانوں کی فکرو تمدن اور اپنے زمانے کے سیاسی حالات پر جو مثبت اثرات مرتب کئے مختلف اکابرینِ فکرو نظر نے انکا بجا طور پر اعتراف کیا ہے۔(۲ے) لیکن ان کی شخصیت کا یہ پہلو بھی خصوصی توجہ کا محتاج ہے کہ بر صغیر میں مسلم معاشی فکر کی بناء انہوں نے ہی ڈالی ہے۔ اس بنیاد پر انہیں بجا طور پر اس خطے کا پہلا مسلم معاشی مفکر کہا جاسکتا ہے۔

شاہ صاحب کے فلسفے کی سب سے نمایاں خصوصیت یہ ہے کہ "اس میں تصوریت پسندانہ نظریے کو مسترد کیا گیا ہے۔ قوموں کے عروج وزوال کو مذھب اور اخلاق کی پابندی یا ان سے گریز کا نتیجہ سمجھنے کی بجائے اس کے ٹھوس مادی اور معاشرتی اسباب تلاش کئے گئے ہیں۔ شاہ صاحب نے اس جدید سائنسی نقطۂ نظر کو اولین طور پر پیش کیا ہے کہ اخلاق وشعور کسی ماورائی وجدان کا ماحصل نہیں ہوتے بلکہ انکا تعین گردو پیش کے ماحول سے ہوتا ہے۔(۳ے) اسی طرح ماحول کی تشکیل میں معاشیات کو اساسی اہمیت حاصل ہے۔ لہذا سماجی اور تہذیبی ارتقاء کیلئے ایک متوازن اور منصفانہ معاشی نظام ناگزیر ہے۔ انسانی فکر کی نشوونما میں معاشیات، اخلاقیات، نفسیات اور عمرانیات میں ربط تلاش کرنا شاہ صاحب کا قابلِ قدر کارنامہ ہے۔(۴ے)

ان کے نزدیک انسان کی اخلاقی زندگی کا دارومدار بہت حد تک اس کی اقتصادی زندگی کے حسنِ انتظام پر ہوتا ہے۔(۵ے) اسی بناء پر مولانا عبید اللہ سندھی ان کے نظامِ فکر کو جامع، عالمگیر اور ہمہ گیر قرار دیتے ہیں کیونکہ یہ انسان کی ابتدائی ضروریات یعنی حیوانی زندگی کے لوازم سے لیکر انسانیت کی ترقی

۱ے A.J.Halepota, Philosophy of Shah Wali Ullah, P.1.

۲ے قاضی جاوید، افکار شاہ ولی اللہ، ص ص ۵۱۔۴۹

۳ے قاضی جاوید، ہندی مسلم تہذیب، ص ۲۵۷

۴ے ایضا

۵ے محمد سرور، ارمغان شاہ ولی اللہ، ص ۲۰۷

کی آخری اور ارفع ترین منزل تک تمام ارتقائی مراحل پر محیط ہے۔(۱ ۔)

شاہ صاحب کو اسلامی ہندوستان کا پہلا متکلم قرار دیا جاتا ہے۔ان کا کلام اسلامی تعلیمات کو انسانی دنیا کے بنیادی واقعات اور اصولوں سے ہم آہنگ ثابت کرنے کی کوشش پر مشتمل ہے۔اس کوشش کی نمایاں ترین مثال ان کی تصنیف "حجتہ اللہ البالغہ" ہے۔(۲ ۔) جسے ہندوستان کی اہم ترین مذہبی کتاب کہا جاسکتا ہے اس میں انہوں نے الہیات کو کلامی انداز میں پیش کیا ہے۔اس کتاب میں موجود ان کے انداز نظر کو "قبل جدیدی بنیادیت" کا نام دیا جاتا ہے۔(۳ ۔) شاہ صاحب کے معاشی افکار کے حوالے سے بھی اس کتاب کو اساسی اہمیت حاصل ہے۔

شاہ صاحب کی معاشی فکر کا تجزیہ مندرجہ ذیل عنوانات کے تحت کیا جاسکتا ہے۔

۱ شاہ صاحب کا تہذیبی وتمدنی ارتقاء کا تصور

۲ ایک صالح (معاشی) نظام کی مقتضیات

۳ حکومت کا کردار

ان نکات کا انفرادی تجزیہ مندرجہ ذیل ہے۔

۱ شاہ صاحب کا تہذیبی وتمدنی ارتقاء کا تصور :۔

شاہ ولی اللہ کی معاشی فکر کا تجزیہ ان کے سماجی ارتقاء کے نظریئے کے پس منظر میں ممکن ہے۔ انسان کے سماجی ارتقاء کا نظریہ جو انسانی تہذیب کے ارتقاء، اس کے مختلف مراحل،(۴ ۔) مراحل کے

۱۔ محمد سرور، ارمغان شاہ ولی اللہ، ص ۲۰۹

۲۔ شیخ محمد اکرام، رود کوثر، ص ۵۸۲

۳۔ Aziz Ahmed, An Intellectual History of Islam in India, (Islamic Surveys 7),P.70.

۴۔ یہ مراحل شاہ صاحب کی اصطلاح میں "ارتفاقات" کہلاتے ہیں۔اس سے ان کی مراد "انسانی ضروریات کو آسان طریقوں سے پورا کرنا ہے"۔ عبدالوحید صدیقی، شاہ ولی اللہ کی بعض عمرانی اصطلاحات، الرحیم، جلد ۳، شمارہ ۱، جون ۱۹۶۴، ص ۷۰

محرکات و مقتضیات، اسباب اور عروج و زوال کا ایک خالصتاً فلسفیانہ تجزیہ ہے انہیں برصغیر کی ثقافتی اور فکری تاریخ میں ایک نمایاں مقام دیتا ہے۔(۱۔ب)اس حوالے سے ان کی فکر کا سب سے اہم پہلو تہذیبی اور تمدنی ارتقاء میں معاشی قوتوں کے کردار کو تسلیم کرنا ہے۔ اپنے صوفیانہ اور الٰہیاتی پس منظر کے باوجود وہ تمدنی ارتقاء کے عوامل الٰہیاتی یا اخلاقی نہیں پاتے بلکہ انہیں معاشی قوتوں کے زیرِ اثر سمجھتے ہیں۔ (۲۔ب)

شاہ صاحب انسانی تہذیب کے ارتقاء کو چار مرحلوں میں تقسیم کرتے ہیں جنہیں وہ بالترتیب ارتفاقِ اول، ارتفاقِ ثانی، ارتفاقِ ثالث اور ارتفاقِ رابع کا نام دیتے ہیں۔

ارتفاقِ اول ان کے نزدیک تمدن کی بالکل ابتدائی سطح ہے جہاں معاشی شعور یا تو پیدا نہیں ہوا ہوتا یا موجودگی کی صورت میں نیم خوابیدہ ہوتا ہے۔ کیونکہ اس مرحلے میں لین دین کی بعض سادہ اور ابتدائی اقسام کا ہی وجود ہوتا ہے۔(۳۔ب) ارتفاقِ ثانی میں تمدن نسبتاً ترقی یافتہ شکل میں ہوتا ہے ارتفاقِ ثالث معاشرے میں حکومت کے قیام کا مرحلہ ہے۔ شاہ صاحب کے بیشتر معاشی افکار کا تعلق اسی تیسرے مرحلے سے ہے۔ ارتفاقِ رابع در حقیقت ایک بین الاقوامی مملکت کی ضرورت کا تصور ہے۔ بالفاظ دیگر ایک ایسا عظیم اور طاقتور نظام جو تمام مملکتوں کو پر امن رکھ سکے۔(۴۔ب)

اس مرحلے کے معاشی امور سے متعلق خود شاہ صاحب نے بحث کے معاشی امور سے متعلق خود شاہ صاحب نے بحث نہیں کی ہے۔ تاہم شاہ صاحب کے ارتفاقِ ثالث سے متعلق بالخصوص اور ارتفاقِ ثانی سے متعلق بالعموم معاشی تصورات کو سمجھنے کیلئے یہ ضروری ہے کہ ان مراحل کی تقسیم جس

۱۔ب قاضی جاوید، افکار شاہ ولی اللہ، ص ۱۷۹

۲۔ب ایضاً

۳۔ب شاہ ولی اللہ، حجۃ اللہ البالغہ، مترجم مولانا عبدالرحیم، ج ۱، ص ۱۶۷

۴۔ب شاہ ولی اللہ، البدور البازغہ، مترجم ڈاکٹر قاضی مجیب الرحمٰن، ص ۲۰۵

طرح شاہ صاحب نے کی ہے ان کا ایک مختصر پس منظر ہمارے پاس ہو۔

ارتفاقِ اوّل :

تہذیبی ارتقاء کا یہ سب سے پہلا مرحلہ ہے جو تمدن کی ابتدائی سطح کو ظاہر کرتا ہے۔ اس مرحلے میں ابلاغ کیلئے زبان کی تشکیل ہوئی۔(۱-) کاشت کاری اور اس سے متعلق بنیادی امور کا علم اور ظروف سازی کا آغاز ہوا۔ (۲-) انسان حیوانات کے منفعت بخش استعمالات سے واقف ہوا۔ (۳-) اس مرحلے کی ایک اور اہم شناخت خاندان کے تصور کا پیدا ہونا اور گھروں کی تعمیر ہے۔ (۴-) مختصراً یہ کہ اس مرحلے میں انسان نے اپنی حیوانی ضروریات کی تکمیل عقل و دانش کی روشنی میں شروع کر دی تھی۔ شاہ صاحب کے نزدیک ارتفاقِ اوّل کا آغاز حضرت آدم علیہ السلام سے ہوا تھا جنہیں اللہ تعالیٰ کی جانب سے کچھ امور کا الہام ہوا تھا ان امور میں کاشتکاری، تسخیرِ حیوانیات، کھانا پکانا اور زبان کا استنباط شامل ہے۔(۵-)

ارتفاقِ ثانی :

انسان تہذیبی اور تمدنی لحاظ سے ارتفاقِ ثانی میں اس وقت داخل ہوتا ہے جب تمدنی سطح نسبتاً بلند ہو جاتی ہے۔ صرف ضروریات کی تکمیل پر ہی زور نہیں دیا جاتا بلکہ اس میں جمالیاتی عنصر بھی پیدا کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ زندگی اور اشیاء کو بہتر بنانے کی خواہش مختلف علوم و فنون کو جنم دیتی ہے۔ نئی

۱- شاہ ولی اللہ، البدور البازغہ، ص ۱۱۳

۲- شاہ ولی اللہ، حجۃ، ص ۲۶۶

۳- ایضاً ص ۲۶۷

۴- شاہ ولی اللہ، البدور، ص۔ ۱۱۵

۵- شاہ ولی اللہ، تاویل الاحادیث، اردو ترجمہ، الرحیم، جلد۔ ۳، شمارہ ۱۳، مئی ۱۹۶۶ء، ص ۵

ضروریات نئے تجربات پر مبنی ہوتی ہیں اسی طرح یہ علوم وفنون کا دور ہوتا ہے۔(۱۔) اس مرحلے میر ارتقاء کے عوامل کی وضاحت شاہ صاحب تین عنوانات کے تحت کرتے ہیں جو یہ ہیں۔

(الف) فنِ آدابِ معاش، (ب) تدبیر منزل اور (ج) اقتصادیات یا فنِ معاملات (۲۔) ان کا مختصر تجزیہ درجِ ذیل ہے۔

(الف) فنِ آدابِ معاش :

فنِ آدابِ معاش سے مراد علم کی وہ شاخ ہے جس میں پہلی منزل کے طریقوں اور تجربات کے تنقیدی جائزے کے بعد اگلے مرحلے میں وہ طریقے منتخب کئے جاتے ہیں جن میں منفعت زیادہ اور ضرر کم ہو۔ زندگی کی رسوم و رواج، عادات و اطوار اور تہذیب، شائستگی ذوق کے آئینہ دار ہوتے ہیں۔(۳۔)

(ب) تدبیرِ منزل :

تدبیر منزل کے تحت خاندان کا بہ حیثیت ادارہ تجزیہ کیا جاتا ہے اور افرادِ خاندان کے باہمی تعلقات، حقوق و فرائض اور دائرۂ کار کا تعین کیا جاتا ہے۔(۴۔)

(ج) اقتصادیات یا فنِ معاملات :

ایک دوسرے کے ساتھ باہمی لین دین اور باہمی تعاون کیلئے جن اصول و ضوابط کی ضرورت

۱۔ پروفیسر رشید احمد، مسلمانوں کے سیاسی افکار، ص ۲۷۳

۲۔ شاہ ولی اللہ، حجۃ، ج ۱، ص ص ۲۸۴۔۲۶۹

۳۔ ایضاً، ص ۲۶۹

۴۔ ایضاً، ص ۲۷۳

ہوتی ہے ان کا مجموعہ فنِ معاملات کہلاتا ہے۔(۱ے)

اس مرحلے میں مختلف پیشے وجود میں آجاتے ہیں اور بتدریج ایک مربوط معاشرہ اور معیشت جنم لینے لگتی ہے۔ پیشوں کے تنوع اور افراطِ پیداوار کے نتیجے میں بتدریج بارٹر سسٹم (Barter System) کو ختم کر کے سونے چاندی کو بہ حیثیت آلۂ مبادلہ استعمال کرنے کی بنیاد ڈالی جاتی ہے۔(۲ے)

تمدن کی وسعت نے تجارت کو جنم دیا جو بہت جلد پیشے میں تبدیل ہوگئی۔(۳ے) پیداوار میں اضافے سے تقسیم محنت نے جنم لیا اور تقسیم محنت کا منطقی انجام طبقاتی تقسیم ہوتا ہے۔ یہ طبقاتی تقسیم دو طبقات کو جنم دیتی ہے۔ ابتدائی سطح پر یہ دو طبقات آقا اور غلام کی صورت میں پیدا ہوتے ہیں۔ بالادست طبقہ (آقا) چونکہ پیداواری وسائل پر قابض ہوتا ہے لہذا سیاسی اقتدار بھی حاصل کر لیتا ہے۔ ثانی الذکر طبقہ (غلام) چونکہ صرف اپنی محنت پر قادر ہوتا ہے لہذا بالادست طبقات کھل کر اس کا استحصال کرتے ہیں۔ تاہم شاہ صاحب اپنے مذہبی اور الہیاتی پس منظر کی وجہ سے اس امر پر زور دیتے ہیں کہ اس مرحلے میں جبکہ دونوں طبقات ایک دوسرے کے محتاج ہیں لہذا دونوں کے درمیان اخلاقی بنیادوں پر ایک بہتر تعلق قائم ہونا چاہیئے جس میں دونوں کے حقوق و فرائض متعین ہوں۔(۴ے)

ارتفاقِ ثالث :

تمدنی ارتقاء کا تیسرا مرحلہ ارتفاقِ ثالث کہلاتا ہے۔ یہ معاشرہ میں حکومت کے قیام کا مرحلہ ہے۔(۵ے) جس میں شہری اور قومی ریاست تعمیر ہوتی ہے۔ شاہ صاحب اس مرحلے کو خالصتاً معاشی

۱ے شاہ ولی اللہ، حجہ، ج۱، ص ۲۸۰

۲ے ایضاً، ص ۲۸۱

۳ے ایضاً، ص ص ۲۸۲-۲۸۱

۴ے ایضاً ص ۲۷۷

۵ے ایضاً، ص ۲۶۴

پھیلاؤاور ترقی کا نتیجہ متصور کرتے ہیں۔ان کے نزدیک معاشی معاملات کی وسعت، پیشوں کی وسعت پر منتج ہوتی ہے۔ پیشوں کی وسعت تجارت اور صنعت و حرفت سے متعلق مختلف طبقات اور تنظیموں کو جنم دیتی ہے۔ ان جماعتوں کے مابین ربطِ باہمی اور تعلق کا نام مدینہ (شہر) ہے۔ جو کسی خاص شہر، قلعے اور فصیل وغیرہ کا نام نہیں بلکہ ان مختلف طبقات اور تنظیموں کے مابین رابطے کا نام ہے۔ یہ ربط ہی اسے فردِ واحد کے مشابہ بناتا ہے اور تمدنی وحدت کی شکل دیتا ہے۔(ا؎)

حکومت کی تشکیل ریاست میں ہم آہنگی کے قیام کیلئے کی جاتی ہے۔ اس کے علاوہ قوانین کے عملی اطلاق کیلئے قوتِ نافذہ کی ضرورت نے بھی حکومت کو جنم دیا۔(۲؎)

ارتفاقِ رابع :

یہ تمدن کا آخری مرحلہ ہے۔ تیسرے مرحلے میں ریاست وجود میں آجاتی ہے جو ریاستی حدود میں افراد کے باہمی تنازعات کا فیصلہ تو کر سکتی ہے لیکن اگر دو ریاستوں میں کوئی تنازع پیدا ہو جائے تو ایک بالاتر قوت ہی اسے فیصل کروا سکتی ہے۔ جب کوئی ایسی ذات یا اتھارٹی وجود میں آجائے تو انسانی معاشرہ ارتقاء کے چوتھے اور آخری مرحلے میں داخل ہو جاتا ہے۔(۳؎) اگر دنیا میں ایک ایسا سیاسی نظام قائم ہو جائے جس کے تحت دنیا کے کسی حصے کی سیاسی وحدتیں آپس میں نہ ٹکرائیں تو یہ ارتفاقِ رابع کا مرحلہ ہوگا۔(۴؎) شاہ صاحب کے نزدیک یہ اسلامی ریاستوں کا وفاق ہے اور اس کے سربراہ کو وہ خلیفہ کا نام دیتے ہیں۔(۵؎) اس طرح یہ مراحل در حقیقت انسان کی تمدن کی ابتدائی سطح سے لے کر

ا؎ شاہ ولی اللہ، البدور ص ۱۶۱

۲؎ ایضاً، ص ۱۶۲

۳؎ شاہ ولی اللہ، حجۃ ج ا، ص ۲۶۴

۴؎ شمس الرحمن محسنی، شاہ ولی اللہ کے عمرانی نظریے، ص ۱۱۰

۵؎ Aziz Ahmed, Studies in Muslim Culure in the Indian Environment, P.207.

بین الاقوامی سیاست تک انسانی ارتقاء کے مختلف مراحل کا بیان ہیں۔(۱ــ)

۲۔ ایک صالح (معاشی) نظام کا قیام :

معاشی نقطۂ نگاہ سے شاہ صاحب کا مقصود ومنتہا ایک صالح معیشت کا قیام ہے۔ان کے نزدیک قرآن مجید کے نزول کا اصل مقصد سرمایہ دارانہ نظام کی اصلاح ، عادلانہ نظام کا قیام اور فاسد اجتماعیت کی جگہ صالح اجتماعیت کا قیام ہے۔(۲ــ) صالح اجتماعیت اخلاقی اقدار پر منحصر ہوتی ہے۔اسی طرح تمدن کی بقاء اور ترقی کا انحصار باہمی تعاون، امداد واعانت اور اشتراکِ عمل پر ہوتا ہے یہی وجہ ہے کہ شاہ صاحب کے نزدیک معاشی نقطۂ نظر سے :۔

(الف) معیشت میں فطری تفاوت درجات کے باوجود تمام مخلوق یکساں اور برابر ہے۔

(ب) کسی فرد کو دیگر افراد کے اموال مباح میں اسی قدر اور اسی طریق سے قبضہ وتصرف جائز ہے کہ بالرضا ہو اور دوسرے فرد کیلئے معاشی ضیق کے اسباب پیدا نہ ہو جائیں۔

(ج) معاشی معاملات میں باہمی تعاون واشتراک عمل واجب اور ضروری ہے۔

(د) یہ تعاون صحیح اور صالح طریقوں پر مبنی ہونا چاہئے تاکہ نظامِ تمدن ابتر نہ ہو۔

(ہ) یہ سب کچھ خدا کے حکم ومنشاء پر مبنی ''صالح معاشی نظام'' میں ہی ممکن ہے۔(۳ــ)

صالح (معاشی) نظام کی خصوصیات :

شاہ صاحب نے بالخصوص وباعنوان اپنی تحریروں میں اس نظام کی خصوصیات کو بیان نہیں کیا

۱ــ پروفیسر محمد سرور، ارمغان شاہ ولی اللہ، ص ۲۰

۲ــ غلام مصطفیٰ قاسمی، سماجی انصاف اور اجتماعیت، ص ۱۰

۳ــ مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاروی، اسلام کا اقتصادی نظام، ص ۵۸

ہے۔ تاہم ان کی تحریروں سے بعض مقامات پر بلاواسطہ اور قطعی واضح انداز میں اور بعض جگہوں پر بالواسطہ وہ خصوصیات اخذ کی جاسکتی ہیں جو وہ اس مجوزہ صالح معاشی نظام میں دیکھنا پسند کرتے ہیں۔ یہ خصوصیات مندرجہ ذیل ہیں۔

i) اخلاقی اقدار پر مبنی نظامِ معیشت :

شاہ صاحب کی تمام معاشی فکر اور معاشی نظام کے تانے بانے اخلاقی اقدار سے بنے گئے ہیں۔ وہ اپنے معاشی نظام کو محض معاشی نظام نہیں بلکہ جیسا کہ عرض کیا گیا ہے "صالح (معاشی) نظام" کا نام دیتے ہیں۔ (۱ے) جو ظاہر ہے صرف اخلاقیات پر ہی استوار ہو سکتا ہے۔ اس کے علاوہ بھی شاہ صاحب مختلف حوالوں سے تمام معاشی مباحث کی بنیاد مختلف اخلاقی اقدار پر رکھتے ہیں جو اس بات کا ثبوت ہے کہ اخلاقی اقدار ہی ان کے معاشی تجزیے کی بنیاد ہیں۔ یہ شاہ صاحب کی معاشی فکر سے بالواسطہ اخذ کردہ خصوصیت ہے جس کی عدم موجودگی میں شاید ان کے معاشی افکار کی تفہیم بھی ممکن نہ ہو سکے۔

ii) سماجی فلاح :

شاہ صاحب کے نزدیک انسان کی معاشی خوشحالی سب سے مقدم ہے ایک مالی لحاظ سے پرسکون شخص ہی مذہب و اخلاق کا متلاشی ہو سکتا ہے۔ یہ مرتبۂ انسانیت ہے کیونکہ شریعت و اخلاق کی ذمے داری انسانوں پر آتی ہے جانوروں پر نہیں۔ (۲ے)

۱ے شاہ ولی اللہ، حجۃ ج۱، ص ۲۶۱

۲ے غلام مصطفیٰ قاسمی، سماجی انصاف اور اجتماعیت ص ص ۱۷۔۱۶

(iii) انفرادی فلاح اور ترقی

جہاں تک فرد کی انفرادی ترقی اور فلاح و بہبود کا تعلق ہے شاہ صاحب فرد کی انفرادیت کا احترام کرتے ہیں اور اس کی قدر و قیمت تسلیم کرتے ہیں اور ارسطو کے اس نظریئے کو کہ فرد کی نشو و نما صرف سماج کے اندر رہ کر ہی ممکن ہے وہ تسلیم کرتے ہیں لیکن انفرادی نشو و نما اور نجات کو وہ دو زاویوں سے دیکھتے ہیں۔ پہلا زاویہ فرد اور خدا کا ذاتی اور انفرادی تعلق ہے دوسرا زاویہ فرد کا سماج کے ساتھ ہے۔ ان کے نزدیک فرد کی نشو و نما اور نجات کے تمام راستے سماج سے گذرتے ہیں۔ سماج کے حقوق کی ادائیگی ازحد لازمی ہے۔(۱ب)

دوسری طرف فرد کی ذات کی نشو و نما اور اس کی صلاحیتوں کا اظہار ایک منصفانہ معاشی نظام میں ہی ممکن ہے۔ باالفاظ دیگر ایک ایسی معیشت جو دولت کی منصفانہ تقسیم پر مبنی ہو۔ لہٰذا ان کے نزدیک ریاست ایک ایسا ادارہ ہے جو اجتماعی ترقی، فلاح و بہبود اور مسرتوں میں اضافہ کرے۔(۲ب)

(iv) اعتدال :

شاہ صاحب کے نزدیک اعتدال مناسب ترین راہ ہے یہی وجہ ہے کہ وہ معیشت میں بھی اعتدال کے خواہشمند ہیں یعنی معیشت میں نہ تو بہت زیادہ دولت ہو اور نہ بے پناہ غربت۔(۳ب) اسی بنیاد پر شاہ صاحب دولت کے (جو اللہ کی مختلف نعمتوں میں سے ایک نعمت ہے) دو رخ پاتے ہیں۔ دولت کو وہ بذاتِ خود ایک محمود شے تسلیم کرتے ہیں۔ (۴ب) لیکن اس وقت تک کہ وہ حدِ اعتدال میں ہو۔ دولت اگر حدِ اعتدال میں ہو تو اس سے انسان کی ذہنی صحت معتدل رہتی ہے اور وہ اخلاقی لحاظ سے بھی متوازن

۱ب شاہ ولی اللہ، حجۃ ج ۱، ص ۲۷۸

۲ب M.M.Sharif(ed), A History of Muslim Philosophy, Vol.II, P.1562.

۳ب شاہ ولی اللہ، البدور ص ۱۱۷

۴ب شاہ ولی اللہ، حجۃ ج ۲، ص ۴۰۵

رہتا ہے۔ لیکن جیسا کہ خود خالقِ کائنات نے اپنی پیدا کردہ ہر شے کے شر سے انسانوں کو پناہ مانگنے کی تلقین کی ہے۔

ومن شر ما خلق (۱۔) اور ہر خلق شدہ شے کے شر سے (پناہ مانگتا ہوں)

شر خدائے رحمان ورحیم سے منسوب نہیں ہو سکتا۔ شر اسوقت پیدا ہوتا ہے جب اس کی تخلیق شدہ کوئی بھی شے انسان کے ہاتھوں حدِ اعتدال سے گذر جائے۔ یہی صورت دولت کے ساتھ بھی ہے۔ ''نظام معیشت میں دولت وثروت بدترین شے ہے جبکہ وہ باہمی مناقشات اور بغض وحسد کا سبب بنتی اور خود اہلِ ثروت کے اطمینان کو حریصانہ کدوکاش کے زہر سے مسموم کرتی ہے اور قوموں کو استحصال بالجبر اور دوسروں پر معاشی دست برد کیلئے آمادہ کرتی ہو''۔ (۲۔) دولت کی افراط اور اس کی ہوس انفرادی اور اجتماعی دونوں سطحوں پر اخلاقی سطح میں گراوٹ پیدا کرتی ہے اور استحصال کے دروازے کھول دیتی ہے لہذا اعتدال ہی انسب راہ ہے یعنی معیشت، دولت کی افرط و تفریط دونوں سے محفوظ رہے۔ (۳۔)

۷) محنت۔ بہترین ذریعۂ معاش

شاہ صاحب کے نزدیک ''مملکت کی تباہی کے اسباب میں سے ایک بڑا سبب یہ بھی ہوتا ہے کہ افرادِ ملت ہاتھ کی کمائی اور ذاتی محنت کے ذریعے تحصیل معاش چھوڑ کر اپنا بوجھ صرف بیت المال پر ڈال دیں اور اسکے حقیقی مصارف کیلئے مصیبت بن جائیں''۔ (۴۔) شاہ صاحب کے اپنے الفاظ میں ''بہترین ذریعۂ معاش قوتِ بازو سے کمانا ہے نہ کہ اجتماعی مصالح کے قیام کی راہ سے صرف بیت المال کے روزینہ پر اکتفا کر بیٹھنا''۔ (۵۔) اگر قوم اجتماعی طور پر اس راہ پر چل نکلے تو لوگوں کے نفوس میں ادنیٰ وذلیل

۱۔ القرآن، سورۃ الفلق، آیت ۲

۲۔ بحوالہ مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاروی، اسلام کا اقتصادی نظام، ص ۲۹

۳۔ شاہ ولی اللہ، البدور، صفحہ ۱۱۹

۴۔ شاہ ولی اللہ، حجتہ، ج ۱، ص ۲۸۸

۵۔ بحوالہ مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاروی، اسلام کا اقتصادی نظام، ص ۵۸

افکار و خیالات رونما ہونے لگتے ہیں اور پست خیالی ان کو اخلاقِ صالحہ سے باز رکھتی ہے۔(۱ـ) گویا شاہ صاحب کے نزدیک ہر ایسی آمدنی جو انسان کے قوتِ بازو کا نتیجہ نہ ہو انسان کو اخلاقی پس ماندگی کی راہ پر لے جاتی ہے۔

vi) مسئلہ ملکیت زمین :

معاشی ظلم واستحصال جس کے خاتمے کے شاہ صاحب مدعی ہیں اس کی ایک اور شکل زمین کی نجی ملکیت کا تصور ہے جو معیشت میں تقسیمِ دولت میں عدم مساوات کا ایک بڑا ذریعہ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ شاہ صاحب کے نزدیک زمین کی نجی ملکیت کا کوئی تصور نہیں زمین کا مالک صرف اللہ ہے اور انسان اس سے استفادہ حاصل کر سکتا ہے ملکیت کا دعویٰ نہیں کر سکتا۔ ''زمین کا حقیقی مالک اللہ ہے، باشندگانِ ملک کی حیثیت مسافر خانے میں ٹھہرنے والوں کی سی ہے''۔(۲ـ) جس طرح مسافر خانے کی اشیاء مسافر کی ملکیت نہیں ہوتیں بلکہ وہ ان سے صرف استفادہ کا حق رکھتا ہے عینہ یہی صورت حال زمین کے ساتھ بھی ہے انسان زمین سے فائدہ حاصل کر سکتا ہے لیکن یہ اس کی ملکیت میں نہیں ہو سکتی۔ بنجر زمین پہلی دفعہ زیر کاشت لانے والے شخص کا حق اس زمین پر شاہ صاحب تسلیم کرتے ہیں تاہم یہ حق مطلق نہیں اور اجتماعی مفاد کی خاطر اس کی نفی سے انہیں عار نہیں ہے۔(۳ـ)

اسی استدلال کی بنیاد پر آپ کانوں کو اجتماعی ملکیت تصور کرتے ہیں۔(۴ـ) اور قدرتی وسائل کے عطیے کو درست تسلیم نہیں کرتے۔(۵ـ) اس حوالے سے ان کا موقف علماء اسلام کے

۱ـ بحوالہ مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاروی، اسلام کا اقتصادی نظام، ص ۱۶۰

۲ـ شاہ ولی اللہ، حجۃ، ج ۲، ص ۴۶۵

۳ـ شاہ ولی اللہ، حجۃ، ج ۲، ص ص ۴۶۷-۴۶۶

۴ـ ایضاً، ص ۴۶۶

۵ـ ایضاً، ص ۴۶۷

تقریباً متفقہ موقف کی مطابقت میں ہے جس کے تحت یہ تسلیم کیا جاتا ہے کہ معدنیات ظاہرہ، مفاد عامہ کیلئے ہیں اسی لئے وہ کسی کو بطور اجارہ دی جاسکتی ہیں اور نہ بطور عطیہ کے بلکہ حکومت کے ہاتھوں میں رہیں گی اور ہر شخص کو اس کی ضرورت کے مطابق اس سے استفادہ کا حق ہوگا۔ (ا-ب) یہی وجہ ہے کہ ایک عمومی کلیہ کے طور پر وہ وسائل کو چند لوگوں تک محدود کرنے کو ناجائز گردانتے ہیں۔ (۲-ب) اور اپنے اس موقف کی بنیاد وہ آنحضرت ﷺ کی جانب سے "حمی" (۳-ب) کی سختی سے ممانعت کے حکم پر رکھتے ہیں۔ ان کے خیال میں "حمی" کا دستور لوگوں کی ضروریات میں دشواری کا باعث اور مفادِ عامہ پر ظلم تھا اور باعثِ نقصان تو رسول اللہ ﷺ نے اس کو ناجائز فرمایا۔ (۴-ب)

vii) امتناعِ سود

استحصال یا جبر کی کسی بھی شکل کے مخالف ہونے کی وجہ سے امتناعِ سود کے حق میں بھی وہ یہ دلیل دیتے ہیں کہ اس معاملے میں مقروض چونکہ اپنی مجبوری کی وجہ سے اضافی رقم کی ادائیگی کی ذمے داری قبول کرتا ہے اور یہ کسی صورت میں بھی حقیقی رضا نہیں ہوتی لہذا ربوا ایک ناپسندیدہ امر ہے اور اس کی ہر قسم اور ہر معاملہ باطل ہے۔ (۵-ب) اور اس میں کمی / بیشی کا بھی کوئی تصور نہیں۔ (۶-ب)

سود کے ساتھ قمار یا اس نوع کی دیگر تمام آمدنیوں کے معاملات کو ناجائز اور حرام اس بنیاد پر قرار

ا-ب بحوالہ مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاروی، اسلام کا اقتصادی نظام، ص ۳۱۸

۲-ب شاہ ولی اللہ، حجۃ، ج ۲، ص ۴۶۷

۳-ب دورِ اسلام سے قبل اور دورِ حاضر دونوں میں یہ دستور رہا ہے کہ حکومت، زمینداروں کو یہ اجازت دے دیتی ہے کہ سرکاری دور افتادہ مگر سرسبز و شاداب زمینوں کو معمولی ٹیکس کے ذریعے یا مفت "حمی" چراگاہیں بنالیں اور ان کی حدبندی کر کے ان سے فائدہ اٹھائیں اور جانوروں کی افزائش نسل کیلئے اسے استعمال کریں۔ آنحضرت ﷺ نے اس ظالمانہ طریقے کو روک دیا تھا۔ بحوالہ مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاروی، اسلام کا اقتصادی نظام، ص ص ۲۰۸-۲۰۷

۴-ب شاہ ولی اللہ، حجۃ، ج ۲، ص ۴۶۵

۵-ب شاہ ولی اللہ، البدور، ص ۱۵۷

۶-ب شاہ ولی اللہ، حجۃ، ج ۲، ص ۴۷۴

دیتے ہیں کیونکہ ان معاملات میں اوّل تو صحیح بدل موجود نہیں ہوتا، دوم باہمی تعاون نہیں ہوتا، سوم دوسرے کو نقصان پہنچا کر نفع حاصل کرنا مقصود ہوتا ہے او. چہارم یہ کہ فریقین کی صحیح رضامندی موجود نہیں ہوتی۔(۱۔) اس کے علاوہ دیگر وجوہ میں سود چونکہ غریبوں کے استحصال کا ذریعہ ہوتا ہے، یہ لین دین میں باہمی فساد پیدا کرتا ہے اور صنعت و حرفت، زراعت و تجارت کی صحیح راہیں بند کر دیتا ہے، یہ ظاہری نفع ہے لیکن در حقیقت یہ تباہی ہے لہذا اسلام نے اسے حرام قرار دیا ہے۔ اس قسم کی آمدنی ایک نشہ ہے جو خدائی احکام و قوانین کی خلاف ورزی پر انسان کو اکساتا ہے لہذا سود اور اس قبیل کی تمام آمدنیاں ظلم ہیں اور باطل ذرائع آمدنی ہیں۔ اس ضمن میں وہ ربا الفضل اور ربا القرآن دونوں کو یکساں حرام قرار دیتے ہیں۔(۲۔)

viii) ناپسندیدہ کاروباری مسالبقت

شاہ صاحب اخلاقی اقدار، باہمی امداد و تعاون اور ہم آہنگی پر چونکہ خاص زور دیتے ہیں لہذا اس بنیاد پر سرمایہ دارانہ نظام کے ایک بنیادی اصول کاروباری مسالبقت کو بھی قبول نہیں کرتے کیونکہ یہ عامل سماجی ہم آہنگی کی راہ میں ایک رکاوٹ بن جاتا ہے۔ جو سماجی رشتوں کو کمزور کرتا اور باہمی نفرت کا سبب بن جاتا ہے جبکہ معاشی نظام کی اساس امداد باہمی اور اخوت و تعاون پر ہونا چاہیئے(۳۔)

ix) دولت کی منصفانہ تقسیم

شاہ صاحب ایک ایسی معیشت کے خواہشمند ہیں جسمیں دولت کی تقسیم میں ناہمواری نہ ہو یعنی

۱۔ شاہ ولی اللہ، البدور ص ۱۵۶

۲۔ شاہ ولی اللہ، حجۃ ج ۲، ص ص ۵۷۴۔۷۴

۳۔ قاضی جاوید، افکار شاہ ولی اللہ، ص ۱۸۶

دولت کی تقسیم ممکنہ حد تک منصفانہ ہو۔ کیونکہ اسی سے معیشت، افراط و تفریط سے محفوظ رہتی ہے۔ لیکن اگر یہ اعتدال برقرار نہ رہے اور معیشت میں دولت غیر منصفانہ انداز میں منقسم ہو اور معیشت میں بالا دست طبقات، زیردست طبقات کے استحصال میں مصروف ہو جائیں تو اس قسم کی معیشت میں انسان، انسان نہیں رہتا بلکہ حیوانی سطح پر اتر آتا ہے۔ اور صرف معاشرے کے زیریں طبقات ہی انسانی سطح سے نیچے نہیں اترتے بلکہ بالائی طبقات بھی انسانی سطح پر نہیں رہتے۔ زیریں طبقات جسم و جاں کا رشتہ برقرار رکھنے کیلئے اتنی شدید محنت کرنے پر مجبور ہوتے ہیں کہ ان کے پاس حیوانی سطح سے انسانی سطح تک آنے، فکر و تدبر کرنے یا اپنی صلاحیتوں کو جِلا دینے کا وقت ہی نہیں ہوتا اور وہ غمِ روزگار کی سطح سے ہی بلند نہیں ہو پاتے۔ دوسری طرف اہلِ زر کو ہوسِ زر کسی کام کا نہیں چھوڑتی۔ اس طرح پوری قوم شاہ صاحب کے بقول مجرموں اور ذہنی مریضوں کو جنم دیتی ہے۔ (۱)

ملک کے بالائی طبقات اگر ہوسِ زر میں مبتلا ہو جائیں تو یہ رجحان صرف انہی طبقات تک محدود نہیں رہتا بلکہ بتدریج قوم کے دیگر طبقات بھی اس کی لپیٹ میں آجاتے ہیں جس سے پوری قوم راہِ اعتدال سے ہٹ جاتی ہے اور تخلیقی قوتوں کے سوتے خشک ہو جاتے ہیں۔ بالائی طبقات اپنی شیطانی ہوسِ زر کو پورا کرنے کیلئے محاصل میں اضافہ کرتے چلے جاتے ہیں جس سے عام آدمی پر بوجھ میں اضافہ ہوتا چلا جاتا ہے۔ دوسری طرف طبقۂ امراء کو اپنی عیش پرستی اور خود نمائی کی تسکین کیلئے ہنر مندوں اور فنکاروں کی ایک کھیپ بھی چاہیئے ہوتی ہے جو اپنی تخلیقی پیداواری سرگرمیوں سے کٹ کر ان کی سفلی خواہشات کی تکمیل میں لگ جاتی ہے۔ اس سے بے کاروں کا ایک گروہ پیدا ہوتا ہے جو معیشت پر مزید بوجھ بنتا ہے۔ ایسی صورتِ حال میں کہ جب انسانیت پر ایسی مصیبت نازل ہوتی ہے تو خدا تعالیٰ انسانیت کو ان سے نجات دلانے کیلئے کوئی راستہ ضرور الہام کرتا ہے یعنی ضروری ہے کہ قدرت الٰہیہ انقلاب کے سامان پیدا کر کے قوم کے سر سے اس ناجائز حکومت کا بوجھ اتار دے۔ (۲)

۱۔ شاہ ولی اللہ، حجۃ، ج ۱، ص ص ۵۲۶۔۵۲۵

۲۔ شاہ ولی اللہ، حجۃ، ج ۱، ص ص ۵۲۷۔۵۲۵

اپنے اس نظریئے کی تصدیق کیلئے شاہ صاحب روم اور ایران کے زوال کی مثال پیش کرتے ہیں جہاں ایک طویل عرصے تک مستحکم حکومت رہی تاہم بتدریج ان کا رخ عیش پرستی، استحصال اور لوٹ مار کی طرف مڑ گیا اور ایک بے مقصد نمود و نمائش کی دوڑ نے پوری سلطنت کے عمائدین کو اپنی لپیٹ میں لے لیا جس سے عوام الناس کی حالت بد سے بدتر ہوتی چلی گئی۔ تا آنکہ بعثت محمدی ﷺ نے بصورتِ انقلاب اس صورتِ حال کا خاتمہ کیا۔(۱ـ)

اس بنیاد پر یہ کہا جاسکتا ہے کہ شاہ صاحب طبقۂ مترفین کو قطعی پسند نہیں کرتے کیونکہ یہ طبقہ جونک کی طرح ملکی وسائل کو چوس لیتا ہے جبکہ خود کسی پیداواری عمل میں حصہ نہیں لیتا۔ اگر یہ صورتِ حال جاری رہے یعنی محنت کرنے والوں کی کمائی پر نہ کمانے والوں کا قبضہ برقرار رہے تو یہ صورتِ حال لازمی طور پر انقلاب کا پیش خیمہ ہوتی ہے۔ بالائی بالادست طبقات کا اپنے مفادات میں مست ہو جانا صرف سماج کیلئے ہی مہلک ثابت نہیں ہوتا بلکہ یہ طبقہ داریت اسلام کی روح کے بھی خلاف ہے۔ قرآن میں ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ دولت تم میں سے صرف بالائی طبقات میں ہی نہ گردش کرتی رہے

لا یکون دولة بین الاغنیاء منکم (۲ـ) دولت تم میں سے بالائی طبقات میں نہ گردش کرتی رہے۔

۳۔ حکومت کا کردار :

جہاں تک حکومت کے معاشی پہلو کا تعلق ہے شاہ صاحب کے نزدیک حکومت کی پہلی ترجیح زراعت کی ترقی ہونی چاہیئے اور صنعت و حرف و تجارت حکومت کی ترجیحات میں دوسرے نمبر پر ہونا چاہیئے۔ شاہ صاحب حکومت کے سماجی اخراجات (Social Expenditures) پر بھی بہت زور دیتے ہیں اور توقع رکھتے ہیں کہ حکومت فلاح عامہ پر خاطر خواہ توجہ دے گی ان اخراجات میں تعلیم،

۱ـ شاہ ولی اللہ، حجۃ، ج ۱، ص ص ۵۲۷ـ۵۲۵

۲ـ القرآن، سورۃ الحشر، آیت ۷

صحت، امن وامان اور ریاست کے تحفظ پر اخراجات شامل ہیں۔ (۱۔)

اس کے علاوہ ایسے اخراجات بھی لازمی ہیں جو ملک میں بالواسطہ یا بلاواسطہ صنعت و تجارت کو فروغ دیں اور معیشت میں توسیع کا باعث ہوں مثلاً رفاہِ عامہ کی تعمیرات، سڑکوں اور پلوں کی تعمیر وغیرہ۔ اس کے علاوہ حکومت کو چاہیئے کہ وہ تاجروں کی حوصلہ افزائی کرے، انہیں مناسب سہولیات فراہم کرے تاکہ تاجر معیشت کے فروغ میں مثبت کردار ادا کر سکیں۔ (۲۔)

حکومت کا یہ تصور عہدِ حاضر کی ایک فلاحی ریاست سے ملتا جلتا ہے تاہم شاہ صاحب کے نزدیک ریاست بذاتِ خود کوئی مقصد نہیں بلکہ اعلیٰ ترین مقاصد کے حصول کا ذریعہ ہے۔ (۳۔)

یہ اعلیٰ ترین مقاصد اصطلاح شاہ ولی اللہی میں ''اقتراب'' اور ''ارتفاق'' ہیں۔ ان اصطلاحات سے مراد بالترتیب انسان کی انفرادی اور اجتماعی ترقی اور فلاح بہبود ہیں۔ اس حوالے سے شاہ صاحب معیشت کو حدِ اعتدال میں رکھنے اور دولت کی منصفانہ تقسیم کیلئے چند اقدامات تجویز کرتے ہیں جو مندرجہ ذیل ہیں۔

(الف) بادشاہ اور اعمالِ حکومت چونکہ عوام الناس کے فائدے کیلئے اپنا وقت صرف کرتے ہیں لہٰذا ان کی کفالت کا بوجھ بیت المال کو اٹھانا چاہیئے۔ (۴۔)

(ب) بادشاہِ وقت یا حکومت کو مالیہ اور ٹیکس عائد کرنے میں عادلانہ قوانین کا اتباع کرنا چاہیئے اور انہیں اس طرح سے عائد کیا جانا چاہیئے کہ رعیت کی آمدنی پر غیر معمولی بوجھ نہ پڑے اور دوسری طرف حکومت کی ضروریات بھی پوری ہوتی رہیں۔ چنانچہ ہر شخص اور ہر آمدنی پر ٹیکس نہ لگایا جائے بلکہ ان لوگوں پر عائد کئے جائیں جو صاحب دولت و ثروت ہوں یا ایسے اثاثہ جات کے

۱۔ شاہ ولی اللہ، حجۃ، ج ۱، ص ۲۸۷

۲۔ ایضاً

۳۔ ایضاً، ص ۱۷۰

۴۔ ایضاً، ص ۲۹۴

مالک ہوں جن کی مالیت بڑھتی رہتی ہو مثلاً مال مویشی، اموالِ تجارت اور وہ زمین جو زیر کاشت ہو۔ اگر ان مدات سے حاصل ہونے والی آمدنی کافی نہ ہو تو پھر ان اہلِ صنعت و حرفت پر بھی محاصل عائد کیئے جاسکتے ہیں جن کی آمدنی ان کی ضروریات سے زائد ہو۔(۱ـ) تاہم اگر حکومت کی جانب سے عائد کیئے جانے والے محاصل بہت زیادہ ہوں جو لوگ برداشت نہ کر سکیں تو یہ صورتِ حال لازمی طور پر تمدن میں اختلال پیدا کرتی ہے۔(۲ـ)

(ج) اس ضمن میں سب سے اہم تجویز شریعت کا نفاذ ہے ان کے نقطۂ نگاہ سے فرد کے مادی اور روحانی ارتقاء کیلئے ریاست کی کوششیں اس وقت تک بار آور نہیں ہو سکتیں جب تک اسلامی قوانین کا نفاذ عمل میں نہ آجائے اور معاشرہ صحیح معنوں میں اسلامی اقدار پر استوار نہ ہو جائے۔(۳ـ)

تجزیہ

شاہ صاحب کا یہ سماجی و معاشی فلسفہ ان کے اپنے عہد میں طبقۂ اشرافیہ اور کسانوں اور دستکاروں کے مابین طبقاتی کشمکش کے گہرے شعور کا نتیجہ ہے جس کے تانے بانے اس عہد کے سیاسی اور سماجی پس منظر میں بنے گئے ہیں۔(۴ـ)

اس امر میں کوئی شبہ نہیں کہ شاہ صاحب کی معاشی فکر میں بعض ایسے بصیرت افروز نکات موجود ہیں جو آج کے مسائل کے حل کے سلسلے میں مددگار ہو سکتے ہیں۔ تاہم یہ فکر اس لحاظ سے خام ہے کہ اس میں واقعات اور اخلاقی فیصلوں کو باہم خلط ملط کر دیا گیا ہے اس طرح سے یہ فکر ایک ملغوبہ بن گئی ہے۔

۱ـ شاہ ولی اللہ، حجۃ، ج ۱، ص ۲۹۵

۲ـ ایضاً ص ۲۸۸

۳ـ قاضی جاوید، افکار شاہ ولی اللہ، ص ۱۹۱

۴ـ مرزا محمد علی بیگ، شاہ ولی اللہ کی تعلیم کے اقتصادی پہلو، الرحیم، جلد ۰، شمارہ ۱، جون ۱۹۶۸، ص ص ۲۴-۲۳

تاہم اس کے باوجود شاہ صاحب کی فکر کے چند پہلو ایسے ہیں جو آج بھی توجہ طلب ہیں مثلاً:۔

۱) شاہ صاحب زمین کی ملکیت کا حق مطلق متصور نہیں کرتے۔ زمین پر اس شخص کا حق تسلیم کرتے ہیں جو اسے اولین طور پر کاشت میں لائے گا۔ اجتماعی مفادات کے تقاضے کے پیشِ نظر اس کی نفی ممکن ہے۔ شاہ صاحب کی فکر کا یہ ایک ایسا پہلو ہے جو آج کے حالات کے لحاظ سے خصوصی توجہ کا محتاج ہے۔

۲) شاہ صاحب سود کی ہر قسم اور ہر معاملات کے مخالف ہیں تاہم دلچسپ امر یہ ہے کہ امتناع سود کے حق میں ان کے دلائل الہیاتی نہیں بلکہ انہوں نے سود کے نتیجے میں پیدا ہونے والے منفی نفسیاتی، سماجی، معاشی اور اخلاقی اثرات کی جانب توجہ دلوائی ہے۔ یہ اسلامی معاشیات کا ایک ایسا پہلو ہے جو شاہ صاحب سے لیکر آج تک تشنہ ہے۔ امتناع سود کی وجوہات اخلاقی ہونے کے ساتھ سماجی، اقتصادی اور نفسیاتی بھی ہیں۔ امتناع سود کے اس پہلو کی جانب آج تک توجہ نہیں دی جا سکی ہے۔ ضرورت اس مر کی ہے کہ سود کے ان منفی اطلاقی پہلوؤں کی جانب توجہ دی جائے اور ان پر باقاعدہ سائنسی انداز میں تحقیق کی جائے تا کہ سود کے منفی اثرات کو انفرادی اور اجتماعی سطح پر خالصتاً سائنسی انداز میں سامنے لایا جا سکے۔

۳) شاہ صاحب نے پیداواری عمل میں محنت کش کے بنیادی حق یعنی آزاد انتخاب اور رضامندی پر بہت زور دیا ہے اور اس حق کی عدم موجودگی کو اجتماعی زندگی کیلئے ''باطل اور گناہ'' قرار دیا ہے۔ یہ بھی شاہ صاحب کی فکر کا ایک منفرد پہلو ہے جس پر متاخرین نے کوئی توجہ نہیں دی۔ اس کی وجہ غالباً یہ بھی ہو سکتی ہے کہ ایک سرمایہ دارانہ معیشت میں محنت کش کے اس ''حق'' کا کوئی تصور ممکن نہیں ہوتا۔ لہذا شاہ صاحب کے بعد اس پہلو پر اسلامی ماہرین معاشیات کے یہاں ہمیں کوئی بحث نہیں ملتی۔

۴) شاہ صاحب نے ریاست کے کردار پر بھی بحث کی ہے اور اسے ان کے فلسفہ میں نمایاں مقام حاصل ہے۔ وہ ریاست کے استحکام کے اس بنیادی نقطہ کی طرف توجہ دلاتے ہیں کہ ریاست مختلف لسانی، مذہبی، جغرافیائی اور ثقافتی گروہوں کا مجموعہ ہوتی ہے اور ریاست کے استحکام کے لئے یہ لازمی ہے کہ ان مختلف گروہوں کے مابین ابلاغ موجود ہو۔ یہ ابلاغ ان کے مابین یک جہتی پیدا کرتا ہے۔ اگر ان مختلف گروہوں کے مابین بہتر تعلقات موجود ہوں تو یہ بہتر تعلقات ہی ریاست کو مستحکم کرتے ہیں۔ اس ضمن میں حکومت ان تعلقات کار کو بہتر بنانے اور مزید بڑھانے کے لئے اہم کردار ادا کرتی ہے۔ اسی مقصد کے لئے وہ سربراہِ حکومت کو وسیع تر اختیارات دینے کے قائل ہیں تاکہ وہ اپنے فرائض زیادہ بہتر طریقے سے انجام دے سکے۔ یہ کہا جاسکتا ہے کہ انہوں نے یہ تصور اپنے عہد میں دہلی کے حکمرانوں کی بے چارگی اور اس سے پیدا ہونے والے سیاسی اور تہذیبی اثرات کی بناء پر قبول کیا ہے۔

تاہم یہاں یہ امر ملحوظِ خاطر رہے کہ قوت و اقتدار مقصود و بالذات نہیں ہے۔ ان کے نزدیک ریاست بذاتِ خود کوئی مقصد نہیں ہے بلکہ اعلیٰ ترین مقاصد کے حصول کا ذریعہ ہے۔ ان مقاصد میں سب سے اہم مقصد اجتماعی ترقی اور خوشحالی ہے۔ یہ مقصد ظاہر ہے ایک منصفانہ معاشی اور سماجی نظام کے قیام کے بغیر حاصل نہیں ہوسکتا ہے۔

۵) منصفانہ سماجی اور معاشی نظام کے ساتھ ساتھ وہ اسلامی ریاست کا بنیادی فرض شرعی قوانین کا نفاذ گردانتے ہیں۔

٦) ان کے نزدیک ایک منصفانہ معاشی نظام کی بنیادی خصوصیت یہ ہے کہ وہ معاشرے میں دولت کی منصفانہ تقسیم کی ضمانت دے۔ ان کی فکر کی ایک اور نمایاں خصوصیت یہ بھی ہے کہ انہوں نے نہایت واضح انداز میں دولت کی عدم مساوات کے نتیجے مین پیدا ہونے والے نفسیاتی، معاشی

اور سماجی اثرات سے بحث کی ہے اور اس کے نتیجے میں معاشرے کے نچلے اور بالائی دونوں طبقات کا ایک ٹھوس تجزیہ کیا ہے اور یہ ثابت کیا ہے کہ دولت کی غیر منصفانہ تقسیم کے نتیجے میں انسانوں کی بہت بڑی اکثریت مجرموں اور ذہنی مریضوں کو جنم دیتی ہے۔

اپنے اس استدلال کے حق میں وہ روم اور ایران کی بادشاہتوں کی مثال دیتے ہوئے یہ ثابت کرتے ہیں کہ دولت کی تقسیم میں بڑھتی ہوئی عدم مساوات منطقی طور پر ایسے حالات پیدا کر دیتی ہے جو انقلاب پر منتج ہوتے ہیں۔

خالصتاً معاشی نقطہ نگاہ سے خشت اولین ہونے کے باوجود یہ معاشی فکر اتنی توانا اور مضبوط تھی کہ متاخرین کے لئے اساس بن گئی۔ شاہ صاحب دولت کی بنیاد صرف محنت تسلیم کرتے ہیں، زمین کی نجی ملکیت تسلیم نہیں کرتے اور طبقۂ مترفین کے جس انداز میں ناقد ہیں اس سے یہ نتیجہ اخذ کیا جا سکتا ہے کہ وہ بڑی حد تک غیر مکتب آمدنی (Unearned Income) کو تسلیم نہیں کرتے۔ یہ فکر اگرچہ عمومی سطح پر قبولیت حاصل نہیں کر سکی۔ تاہم فکری سطح پر بہر حال آج بھی کسی نہ کسی درجے موجود ہے۔ اس کے پہلے شارح برصغیر کی حد تک بہر حال شاہ ولی اللہ ہی ہیں۔

باب نمبر ۳

سود مند تحریک

برصغیر میں مسلمانوں کے جس سیاسی اور معاشی زوال کا آغاز انھارویں صدی کے آغاز سے ہوا تھا وہ ایک مسلسل رفتار سے جاری رہا تاآنکہ ۱۸۵۷ء کی جنگ زادی کے بعد اس خطے میں مسلمانوں کے سیاسی اقتدار کا سورج مکمل طور پر ڈوب گیا۔

یہ عرصہ سیاسی زوال کے ساتھ ساتھ فکری پسماندگی سے بھی عبارت ہے۔ شاہ ولی اللہ سے لیکر ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی تک کوئی نمایاں شخصیت یا فکر / تحریک سامنے نہیں آئی جس سے اسلامی معاشی فکر مزید چلایا سکتی۔

۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کے بعد انگریزوں نے جو نیا سماجی و معاشی ڈھانچہ مرتب کیا وہ تمام تر انگریزی زبان، نئی تعلیم اور نئے خیالات پر مبنی تھا۔ نتیجے کے طور پر مسلمانوں کا وہ متوسط طبقہ جو شاعروں، تاریخ دانوں، علماء و فضلاء، مصوروں اساتذہ، خطاط، اطباء، منشیوں، محاسبوں، موسیقاروں، جلد سازوں، اسلحہ سازوں، قاری حضرات اور دیگر فنون لطیفہ کے ماہرین پر مشتمل تھا نئے ڈھانچے میں کوئی جگہ نہیں پاسکا۔ ا؎

نئے برطانوی نظام کے تحت وسیع پیمانے پر سیاسی اور انتظامی عہدے خالی تھے۔ برطانیہ کیلئے اپنے ملک سے بڑے پیمانے پر افرادی طاقت بھیجنا ممکن نہ تھا جبکہ مقامی افراد کم لاگت پر دستیاب تھے لہذا ہندوستان میں مقامی طور پر اسکول اور کالج کھولے گئے تاکہ مقامی لوگوں کو تربیت دے کر ان عہدوں پر لگایا جاسکے۔ ہندو زعماء نے اس صورتِ حال کا صحیح اور بروقت اندازہ لگا کر ہندو قوم کو انیسویں صدی کی

۱۔ Aslam Syed, Muslim Response to the West: Muslim Historiography in India: 1857 - 1914, P18.

ابتداء سے ہی انگریزی تعلیم پر لگادیا۔(۱ے) جبکہ مسلمانوں نے اسے مسترد کردیا اس کی بنیادی وجہ یہ تھی کہ انگریزی دورِ حکومت کی ابتداء ہی سے بااثر مسلمانوں اور عام مسلمانوں کا رویہ عدم تعاون اور مزاحمت کا تھا بالخصوص علماء کا نتیجتاً مسلمانوں نے خود اپنے آپ کو ان فوائد سے محروم کرلیا تھا جو خوشدلی سے تعاون کے نتیجے میں حاصل ہو سکتے تھے۔

نئے نظام میں چونکہ عربی، فارسی اور مذہبی تعلیم کے لئے کوئی گنجائش نہیں تھی لہذا مسلمانوں کے پاس آگے آنے کے کوئی مواقع نہیں تھے۔(۲ے) لہذا وہ ابتداء ہی میں حکومتی عہدے حاصل کرنے میں ناکام ہو گئے جبکہ ہندوؤں نے اس سے بھرپور فائدہ اٹھایا۔ اپنی انگریزی دانی سے فائدہ اٹھاتے ہوئے انہوں نے ابتداء میں معمولی حیثیتوں میں کام کیا پھر بتدریج دولتمند ہوتے چلے گئے۔ نتیجے کے طور پر انہوں نے وسیع پیمانے پر بالخصوص بنگال میں اراضی خریدنی شروع کی۔ یہاں تک کہ اٹھارویں صدی کے اختتام اور انیسویں صدی کے اوائل میں تمام تاجر، بینکار، اور قرض دینے والے غیر مسلم تھے۔(۳ے) بنگال، ممبئی، مدراس، اودھ، مرکزی حکومت اور مختلف راجدھانیوں (Presidencies) کی حکومتوں میں مسلمان عہدیداروں کا تناسب بالترتیب ان علاقوں میں مسلمانوں کی آبادیوں سے کم تھا۔(۴ے)

سرکاری ملازمتوں کی محدودیت ہی مسلمانوں کی اقتصادی پس ماندگی کا واحد سبب نہ تھا بلکہ برطانوی نظام نے پوری معاشرتی ڈھانچے کو جوہری طور پر تبدیل کردیا تھا۔ ان تبدیلیوں میں سب سے

۱ے Syed Nurullah & J.P Nasik, History of Education in India, Vol.,1, PP 192-202.

۲ے Anis Ansari, Educational Backwardness of Mulsims, Economic & Political Weekly, Vol., XXVII, No. 42, Oct.1992, P.18.

۳ے Naureen Talha, Economic Factors in the Making of Pakistan, P.37.

۴ے Anil Seal, The Emergence of Indian Nationalism, PP. 361-363.

اہم ترین تبدیلی زمین کی ملکیت کے تصور میں تبدیلی کر کے اسے پرائیویٹ پراپرٹی کی حیثیت دینا تھی۔ اس کے علاوہ سول اور انتظامی نظام سے مسلمانوں کی بے دخلی وغیرہ نے بھی مسلمانوں کو اقتصادی لحاظ سے تباہ کر دیا۔(۱)

در حقیقت ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کی ناکامی نے مسلمانوں کو اپنی حالت اور اپنے مذہب کے بارے میں سوچنے پر مجبور کیا۔ وہ عوامل جنہوں نے اس ضمن میں بنیادی کردار ادا کیا ان میں ہندوستان میں مسلمانوں کی ہزار سالہ حکمرانی کا خاتمہ، مسلمانوں کی سماجی، سیاسی، ثقافتی اور مذہبی پسپائی اور انگریز، ہندو اتحاد کے نتیجے میں ہندومت کے بڑھتے ہوئے اثرات نمایاں تھے۔ دوسری طرف برتر مغربی تہذیب، فلسفے، علوم، افکار اور طرزِ بود و باش نے ہندوؤں کے ساتھ ساتھ مسلمانوں کو بھی اپنا گرویدہ بنا لیا تھا اور یہ حقیقی خطرہ پیدا ہو گیا تھا کہ کہیں مسلمان اپنی شناخت ہی نہ کھو بیٹھیں۔(۲)

برصغیر میں مسلمان قوم اس وقت "آزمائش کے سنگین ترین وقت سے گذر رہی تھی، اس کو اپنے تابناک ماضی کا بھی ہوش نہیں تھا، اس کے نزدیک اسلاف کے کارنامے قصہ پارینہ تھے جو اس کی سیاسی پسپائی اور اقتصادی بد حالی کا مداوا نہیں بن سکتے تھے اور اس ذہنی پسپائی کے نتیجے میں خود دین اسلام کی صداقت و حقانیت پر یقین میں کمزوری بلکہ کھوکھلا پن آچکا تھا۔"(۳)

بظاہر یہ صورتِ حال دوسری اور تیسری صدی ہجری میں یونانی فکر و فلسفہ کی یورش سے مماثل تھی تاہم اب صرف عقل و نقل کی ہی کشمکش نہیں تھی بلکہ مسلمانوں کو مذہب کے دفاع کے ساتھ

۱۔ N. Ahmed, Muslim Separatism in Britsh India, PP. 7-13.

۲۔ خلیل احمد، مولانا محمد قاسم نانوتوی اور سر سید احمد خان: منہاجیات کا تقابلی مطالعہ، Ph.D کا مقالہ، غیر مطبوعہ، ص ۶۱

۳۔ سید ابو الحسن ندوی، مولانا رحمت اللہ کیرانوی، اظہار الحق، مولفین، اردو ترجمہ عبداللہ عباس ندوی، مشمولہ عالم اسلام اور عیسائیت، اسلام آباد، جولائی ۱۹۹۳ء، ص ۶

ساتھ اپنے تشخص اور وجود کا بھی دفاع کرنا تھا۔ (۱ـ) یہ صورتِ حال اس لحاظ سے بھی جوہری فرق کی حامل تھی کہ اول الذکر یورش کے وقت مسلمان حکمران اپنے عہد کی سب سے بڑی طاقت تھے جبکہ اس وقت وہ محکوم اور کمزور تھے۔

مغرب کیساتھ اس کشمکش کے نتیجے میں برصغیر کے مسلمانوں میں متعدد ردِ عمل پیدا ہوئے جنہوں نے مختلف رجحانات کو پیدا کیا۔ ان میں سے دو (۲) ردِ عمل نمایاں طور پر سامنے آئے۔ ایک نے روایت پسندی کی شکل اختیار کی جو مذہب کی اصل شکل پر لوٹ جانے کا علمبردار تھا۔ دوسرا رویہ جدت پسندی کا تھا۔ اول الذکر کی نمائندگی دیوبند نے کی جبکہ ثانی الذکر کا علم علی گڑھ یونیورسٹی نے تھاما۔

جدت پسندی کا رویہ اس امر کا متقاضی تھا کہ "مسلمانوں کے لئے دفتروں اور ملازمتوں میں کچھ رعایت لیکر مغربی فکر و نظر سے سمجھوتہ کر لینا چاہئے اور مسلمانوں کو دنیوی تعلیم میں اتنا آگے نکل جانا چاہیئے کہ غلام ہندوستان میں وہ کسی قوم سے پیچھے نہ رہیں۔ یہ راستہ ابتداء میں بالکل بے ضرر تھا لیکن مغربی فکر و نظر سے سمجھوتہ کرتے ہوئے انجام کار اپنے ماضی سے کٹنا لازمی تھا چنانچہ جلد ہی اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ عقائد افکار میں ڈھلنے لگے اور اعمال وسعتِ قلب کی بھینٹ چڑھنے لگے۔" (۲ـ) "سود مند" تحریک درحقیقت اسی صورتِ حال کا ایک منطقی نتیجہ تھی۔

اس تحریک کی ابتداء مولانا طفیل احمد نے ۱۹۲۰ء میں علی گڑھ سے کی۔ (۳ـ) ابتداء میں انہوں نے چند رسالے وقتاً فوقتاً شائع کروائے اور ۱۹۲۵ء میں اسے باقاعدہ منظم کیا، اور اس تحریک کے پلیٹ فارم سے ماہنامہ رسالہ "سود مند" کا اجراء کیا۔ اس کے علاوہ بھی مختلف مطبوعات شائع کیں۔ (۴ـ)

۱ـ ڈاکٹر اسرار احمد، اسلام کی تاریخ میں عقل اور نقل کی کشمکش کے دو اہم دور۔ اور برصغیر میں علی گڑھ اور دیوبند کے دو متضاد مکاتبِ فکر کا قیام، مشمولہ، ماہنامہ حکمتِ قرآن لاہور، ستمبر ۱۹۸۷ء، ص ص ۱۶۔۷

۲ـ عبدالرشید ارشد، بیس بڑے مسلمان، پیش لفظ از علامہ خالد محمود

۳ـ مولوی محمد اکرام، مسئلہ ربوٰا اور تجارتی سود کی بحث، ص ۴

۴ـ اس تحریک کی جانب سے شائع ہونے والی بعض مطبوعات یہ ہیں۔ مسئلہ سود اور مسلمانوں کا مستقبل، جواز سود مع فتاویٰ، مسئلہ ربوٰا اور تجارتی سود کی بحث، سود سے متعلق سید ابواسحاق حنفی کے عربی رسالہ کا اردو ترجمہ وغیرہ۔

اس تحریک کے بنیادی مقاصد میں مسلمانوں کی اقتصادی حالت کو بہتر بنانا، انہیں صنعت و تجارت کی جانب راغب کرنا اور ان کی عمومی فلاح و بہبود تھے۔(۱ے)

اس مقصد کیلئے مسلمانوں کو ترغیب دی گئی کہ وہ زیادہ سے زیادہ بچت کریں اور اپنی بچتیں خطرہ میں نہ ڈالیں۔ یہ تجویز پیش کی گئی کہ "روپیہ کو خطرہ میں ڈالنے سے، بچنے کا بہترین اور محفوظ طریقہ یہ ہے کہ پس انداز روپیہ بنکوں، کوآپریٹو سوسائٹیوں، بیمہ اور سرکاری تمسکات کی خرید میں لگایا جائے۔"(۲ے) اس تحریک کے پلیٹ فارم سے مسلمانوں کی اقتصادی اصلاح کیلئے پیش کی جانے والی مجملہ تجاویز میں سے ایک تجویز یہ بھی تھی کہ مسلمان نہ صرف آپس میں بلکہ دیگر اقوام کے ساتھ بھی سودی لین دین کا آغاز کریں۔(۳ے)

یہ تجویز بدیہی طور پر اسلام کے ایک بین اصول (حرمت سود) کے لئے ایک چیلنج کی حیثیت رکھتی تھی۔لہذا خود اس تحریک کیلئے لازم ٹھہرا کہ وہ اپنے دعویٰ کا اثبات کرے۔اس تناظر میں اس تحریک نے علمی اور فکری لحاظ سے متعدد سوالات کو از سر نو بحث کیلئے پیش کیا مثلاً :

۱۔ ربوٰا کی تعریف کیا ہے ؟

۲۔ کیا ربوٰا کی حدود مقرر کی جاسکتی ہیں ؟

۳۔ ربوٰا کس مصلحت کے تحت حرام قرار دیا گیا تھا اور اس مصلحت کا اب کیا تقاضا ہے ؟

۴۔ ربوٰا مطلقاً ممنوع ہے یا کسی استثنٰی کی گنجائش ہے ؟

۵۔ کیا ربوٰا صرف بین المسلمین ممنوع ہے یا اس کا اطلاق غیر مسلموں پر بھی ہوتا ہے ؟(۴ے)

۱ے مولوی محمد اکرام، مسئلہ ربوٰا اور تجارتی سود کی بحث، ص ص ۲۰۔۱۸

۲ے سید طفیل احمد، مسلمانوں کے افلاس کا صحیح علاج، ماہنامہ سود مند، جلد ۴، نمبر ۱۱، نومبر ۱۹۲۸، ص ۴

۳ے سید طفیل احمد، جواز سود مع فتاویٰ، ص ۲۲

۴ے مولوی محمد اکرام، مسئلہ ربوٰا اور تجارتی سود کی بحث، ص ۸

وغیرہ وغیرہ۔

یہ تحریک نہ صرف اپنے عہد میں حرمتِ سود کے متعلق ایک منفرد نقطۂ نظر کی موئید بنی بلکہ ایک مخصوص مکتبۂ فکر کی بنیاد بھی بن گئی۔(۱ـ) جس کے تحت ربا کی حرمت کا اطلاق محض سود مرکب (Compound Interest) پر ہوتا ہے سود مفرد (Simple Interest) پر نہیں اور امتناعِ سود ایک عمومی اصول نہیں بلکہ محض استحصال کی ایک انتہائی شکل کی حرمت کا نام ہے۔(۲ـ)

برصغیر میں یہ نقطۂ نظر پہلے مولانا اقبال احمد کی تحریروں میں سامنے آیا جنہوں نے ربا کو مطلق اضافہ / زیادتی تسلیم کرنے سے انکار کیا کیونکہ ان کے نقطۂ نظر کے مطابق قرآن مجید کی حرمتِ ربا سے متعلق آیات میں تمام مقامات پر ربا کا لفظ الف لام کے ساتھ ہے اور یہ الف لام استغراق کا نہیں ہے ورنہ ہر قسم کا منافع جس میں تجارتی منافع بھی شامل ہے حرام ہو جاتا اس لئے یہ کوئی خاص قسم کا اضافہ ہے اور قرآن مجید اور احادیث دونوں میں اس اضافے کی صراحت نہیں ہے۔(۳ـ) یہ حقیقت اس وقت مزید واضح ہو جاتی ہے جب حضرت عمرؓ سے منسوب یہ قول سامنے آتا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے اس لفظ (ربا) کی تفسیر سے قبل رحلت کی اس واسطے جس چیز کے بارے میں تم کو شک ہو اسے چھوڑ دو۔ یہ قول انہیں اس نتیجے پر لے جاتا ہے کہ اس بابت آنحضرت ﷺ کا بھی کوئی ارشاد پاک نہیں ہے(۴ـ) بلکہ اس بابت صحابۂ کرام سے لیکر ائمہ تک اس حوالے سے کوئی اتفاقی رائے نہیں ہے۔(۵ـ)

آنحضرت ﷺ کے دور میں کرنسی کا استعمال نسبتاً کم تھا اور اشیاء کے باہمی تبادلے کا عنصر زیادہ تھا لہذا بیشتر احادیث ربا کے حوالے سے ربا الفضل کے متعلق ہیں اور چونکہ ائمہ کرام کے ادوار تک بھی

۱ـ اس مخصوص فکر کے حامل افراد میں مولانا محمد جعفر شاہ، سید یعقوب شاہ اور ڈاکٹر فضل الرحمن وغیرہ شامل ہیں۔

۲ـ مولانا اقبال احمد، حقیقۃ الربا، ص ۱۵

۳ـ ایضاً، ص ۱۲

۴ـ ایضاً، ص ۱۳

۵ـ ایضاً

معاشی صورتِ حال میں کوئی جوہری تبدیلی نہیں آئی تھی لہذا ائمہ اور فقہانے بھی اسی تناظر میں اپنی رائے کا اظہار کیا ہے اور غالباً بطور احتیاط انہوں نے بعض ایسے تجارتی معاملات میں بھی ربوٰ کا اطلاق کر دیا ہے جس میں ربوٰ کا یا تو سرے سے امکان ہی نہیں یا پھر بہت محدود حد تک ہے۔(۱ــ)

وہ ربا الفضل کو اس بنیاد پر تسلیم نہیں کرتے کہ ان کے نزدیک آنحضرت ﷺ کی ہدایات محض بیع مراطلت (Barter Trasaction) سے متعلق ہیں وران کا بنیادی مقصد اشیاء اور سکوں کے باہمی تبادلے کو روکنا یا بہ امر مجبوری معاملت کی صورت میں فریقین کو نقصان سے بچانا تھا۔ لہذا ان احادیث کا تعلق اشیاء وسکوں کے باہمی تبادلے سے ہے ربوٰ سے نہیں۔(۲ــ)

مبادلہ زر (Exchange of Money) میں بھی ربوٰ کا عنصر اس بنیاد پر نہیں کیونکہ آنحضرت ﷺ کی اس حوالے سے ہدایات کا مقصد سکوں کے باہمی تبادلے سے پیدا ہونے والی مشکلات کے خاتمے کیلئے تھا۔ اسی وجہ سے احادیث میں معاملت کے دست بدست ہونے اور سکوں کے تبادلے میں وزن اور مالیت کے مساوی ہونے پر زور دیا گیا ہے۔(۳ــ)

ربا النسیئہ یار با القرآن پر در حقیقت ربوٰ کی بحث منطبق ہوتی ہے کیونکہ ربوٰ کا تصور صرف ادھار میں ممکن ہے۔ تاہم ہر ادھار معاملت لازمی نہیں کہ ربوٰ پر ہی منتج ہو۔(۴ــ) ان کے نزدیک ربوٰ کا اطلاق صرف قدیم عرب کے قرض کے رواج بیع سلف (Deferred Sale) پر ہوتا ہے۔ جس کے تحت خریدار فروخت کنندہ کو مستقبل میں خریدی جانے والی فصل یا مال کی پیشگی ادائیگی کر کے ایک مخصوص مدت کے بعد ایک مخصوص مقدار میں فصل یا مال کی وصولی کا معاہدہ کرتا تھا۔ اگر خرید شدہ فصل یا مال بروقت مل جاتا تھا تو دائن اسی پر اکتفا کرتا تھا لیکن اگر وقت معینہ پر مال فراہم کرنے والا پورا مال فراہم نہ

۱ــ مولانا اقبال احمد، حقیقۃ الربا، ص ۱۵

۲ــ ایضاً، ص ص ۶۱۔۶۰

۳ــ ایضاً، ص ۶۴

۴ــ ایضاً، ص ۷۶

کر سکے تو خریدار مال یا پیداوار حاصل کرنے کی مدت میں اضافے کے ساتھ اصل مال کی مقدار میں اضافہ کر دیا کرتا تھا یہ اضافی مال یا پیداوار ربا کہلاتی تھی۔(ا-) واضح رہے کہ یہ زیادتی ابتداً مشروط نہیں ہوتی تھی اور بعد میں بصورت وعدہ خلافی دائن کی مرضی پر منحصر ہوتی تھی۔

مختلف احادیث کے تجزیئے سے مولانا اقبال یہ نتیجہ اخذ کرتے ہیں کہ صرف بچوں کی پرورش کیلئے لیا جانے والا قرض یا ایک ایسی صورتِ حال جس میں مقروض کی جانب سے قرض کی ادائیگی کے بعد دیوالیہ ہو جانے کا اندیشہ ہو۔ صرف ان حالات میں ربو حرام ہے اور ان دو شرائط سے ماسوا کسی بھی صورت میں اگر اضافی مال / رقم دائن وصول کرتا ہے تو وہ جائز ہے۔(۲-)

قرآن مجید کا ربا کے بالمقابل صدقہ اور خیرات کو لانا اور اول الذکر کو انتہائی ناپسندیدہ اور ثانی الذکر کی برتری کا بیان ان کے نزدیک اس استدلال کے حق بن جاتا ہے کہ ربا محض استحصال کا ایک ذریعہ ہے۔ ایسے لوگ جو صدقات اور زکوٰۃ کے حقدار ہوں ان سے ربا کی وصولیابی ان کا بدترین استحصال ہے لہذا صرف مستحقین زکوٰۃ وصدقات سے ربا کی وصولیابی حرام ہے دیگر سے نہیں۔(۳-)

اس ضمن میں انہیں اضافی مدد تورات سے حاصل ہوتی ہے جس میں بقول ان کے اسی نوع کا ربا حرام قرار دیا گیا ہے۔(۴-)

تاہم یہ اضافی وصولیابی دارالسلام میں بین المسلمین یا مسلمانوں اور ذمیوں دونوں کے مابین معاہدے کی صورت میں جائز نہیں ہوگی۔ حتمی تجزیئے میں وہ ربا کا مفہوم ان الفاظ میں متعین کرتے

ا- مولانا اقبال احمد، حقیقۃ الربا، ص ۸۸
۲- ایضاً، ص ۱۰۵
۳- ایضاً، ص ۱۱۳
۴- ایضاً، ص ۱۱۴

ہیں۔ ”اگر ایک ایسا محتاج شخص جو مستحق صدقہ ہو اپنے عیال کی پرورش کیلئے قرض لے یا ایک ایسا مدیون جو دین کی واپسی پر قادر نہ ہو اور بصورتِ ادائے دین اس کے پاس اتنا نہ بچ رہے جس سے اس کے بال بچے پل سکیں اگر اصل دین یا قرض پر اضافہ کا معاہدہ کرتا ہے تو یہ معاہدہ ربٰو ہے جو ناجائز ہے مگر یہ حکم عدم جواز دو (۲) شرائط کے ساتھ مشروط ہے۔

(الف) جہاں یہ معاہدہ کیا جائے وہ دار السلام ہو۔

(ب) معاملہ یا تو بین المسلمین ہو یا اگر فریقین میں سے کوئی مسلم نہ ہو تو کم از کم مسلم کے برابر حقوق رکھتا ہو یعنی ذمی ہو۔(۱ے)

جس طرح مولانا اقبال احمد نے ربوا کو جائز ثابت کرنے کیلئے مذہبی دلائل کو بنیاد بنایا اسی طرح مولانا سید طفیل احمد منگلوری نے معاشی دلائل کا سہارا لیا ہے اس ضمن میں ان کے دلائل مندرجہ ذیل ہیں۔

i- سود روپے کا تجارتی منافع ہے جو ربا سے الگ ہے لہذا ہر قسم کے سود کو ربا قرار دینا صحیح نہیں ہے۔(۲ے)

ii- روپیہ کے دو (۲) مصارف ہوتے ہیں ایک نفع آور اور ایک غیر نفع آور۔ عہد قدیم میں روپیہ کے نفع آور استعمالات انسان کے علم میں نہ تھے اس لئے اس کی بابت تصور کیا جاتا تھا کہ وہ استعمال سے بڑھتا نہیں ہے بلکہ محض آلہ مبادلہ ہے ایسی صورت میں اس پر اضافہ ظلم متصور ہوتا تھا بالخصوص یہ صورت مزید شرمناک ہو جاتی تھی جب امیر غریبوں کو قرض دے کر انہیں سود کے چنگل میں پھانس لیتے تھے لہذا مذہبی نقطۂ نگاہ سے بھی اسی بنیاد پر اس کی ممانعت کی گئی ہے۔ یہودیت، عیسائیت، ہندومت اور قرآن کا تجزیہ انہیں اس نتیجے پر پہنچاتا ہے کہ ”ان زمانوں میں روپیہ محض ضروریات پوری کرنے کیلئے لیا جاتا تھا خواہ سود پر ملے یا بلا سود ملے یا بطور صدقہ و زکوٰۃ حاصل ہو۔“(۳ے) اسی وجہ سے قرآن مجید میں سود کو صدقہ کے مقابل لا کر

۱ے اقبال احمد، حقیقۃ الربا، ص ص ۱۴۲-۱۴۱

۲ے مولانا طفیل احمد، جواز سود مع فتاویٰ، ص ۱

۳ے ایضاً، ص ۶

سود کی مذمت اور صدقہ کی تعریف کی گئی ہے۔ یہ موازنہ ظاہر کرتا ہے کہ تجار مستحقِ صدقہ نہیں ہو سکتے جو قرض سے اصل رقم میں اضافہ کرتے ہیں یہ صرف غربا کا حق ہے کہ انہیں قرض سود پر ملنے کی بجائے بطور صدقہ ملے۔(۱-ب)

iii- تجارتی سرگرمیوں کیلئے قرض لینا اور اس پر سود کی ادائیگی ایک علیحدہ امر ہے جن میں دونوں فریق نفع حاصل کرتے ہیں۔(۲-ب) اسی وجہ سے دنیا بھر میں کاروبار میں وسعت پیدا ہوئی ہے جس سے ایک طرف طبقہ تجار کو فائدہ ہوا ہے تو دوسری طرف غریب غربا بھی اپنی معمولی معمولی بچتوں پر اضافی رقم حاصل کر کے اپنی مالی پوزیشن بہتر بنا سکتے ہیں۔ اس کے نتیجے میں سرمائے کے پیداواری استعمال میں بڑے پیمانے پر اضافہ ہوا ہے۔(۳-ب)

iv- مسلمان چونکہ مذہبی پابندیوں کی وجہ سے سود نہیں لیتے لہذا وہ دو طرف سے نقصان اٹھاتے ہیں ایک طرف وہ اپنا سرمایہ گھروں میں دفینوں کی شکل میں گاڑے رکھتے ہیں اس کا کوئی پیداواری استعمال نہیں ہوتا دوسری طرف وہ سود پر قرض نہیں لیتے جس سے انکا کام محدود ہوتا چلا جارہا ہے۔(۴-ب)

v- اسلامی سلطنتوں کے زوال کی بھی ایک بڑی وجہ یہ ہے کہ انہوں نے تجارتی سود اختیار نہیں کیا مسلمان سلطنتیں اپنی رعایا سے چونکہ سودی قرض نہیں لے سکتی تھیں لہذا انہوں نے دوسری مملکتوں سے قرض لیا اور بتدریج ان کے زیر اثر آکر اپنی آزادی وخود مختاری کھو بیٹھیں۔(۵-ب)

vi- جب قرض کی وجہ سے مسلم سلطنتیں ہاتھ سے جاتی رہیں تو عام زمینداروں اور جاگیرداروں کی کیا حیثیت تھی۔ ٹھیک اسی وجہ سے مسلمانوں کے ہاتھوں سے زمین اور جاگیریں جارہی ہیں۔(۶-ب)

۱-ب طفیل احمد، جواز سود مع فتاویٰ، ص ۷
۲-ب ایضاً
۳-ب ایضاً، ص ۹
۴-ب ایضاً ص ۱۰
۵-ب ایضاً، ص ص ۱۱-۱۲
۶-ب ایضاً، ص ۱۲

vii- بعینہ یہی صورتِ حال تجارتی شعبے میں بھی ہے اس شعبے میں مسلمانوں کے زوال کی وجہ بھی یہی ہے کہ تجارت کا پھیلاؤ قرض کا مرہون منت ہوتا ہے اور قرض سود پر دستیاب ہوتا ہے جو مسلمان تاجر نہیں لینا چاہتا لہذا اس کے پاس کاروبار کی وسعت کا کوئی ذریعہ نہیں رہتا۔ اس کے علاوہ کاروباری اصولوں سے عدم واقفیت بھی اس کی ایک اہم وجہ ہے۔ (۱ء)

viii- صنعت و حرفت میں مسلمانوں کے زوال کے پیچھے بھی سادہ طور پر یہی وجہ ہے۔ (۲ء)

ix- ان مجملہ وجوہ کی بناء پر مسلمانوں میں غربت بہت زیادہ ہے اور اسی غربت کی وجہ سے اعلیٰ تعلیم میں جو نسبتاً مہنگی ہے مسلمانوں کا تناسب کم ہے۔ (۳ء)

x- یہ غربت مسلمانوں کو ارتداد کی طرف لے جا رہی ہے۔ (۴ء)

اس صورتِ حال میں وہ تین ممکنہ صورتیں تجویز کرتے ہیں اول یہ کہ مسلمان سود کو صفحۂ ہستی سے مٹا دیں اور پورے ملک میں سود کے لین دین پر قانونی پابندی عائد کر دیں جو اس زمانے کے تناظر میں ممکن نہیں تھا۔ دوم مسلمان من حیث القوم سود کے لین دین سے سختی سے مجتنب ہو جائیں لیکن یہ صورت اوّل تو ممکن نہیں دوم اس کے منفی نتائج سے مسلمان اس پستی تک آ پہنچے ہیں۔ سوم مسلمان خود سودی لین دین کا آغاز کریں اور اپنے بنک قائم کریں۔ (۵ء) اس حوالے سے ان کے پاس سودی لین دین کے حق میں دیئے جانے والے مسلم اکابرین علماء کرام کے فتوے بطور جواز ہیں۔ یعنی ایسے فتاویٰ جن میں مشروط طور پر سودی لین دین کی اجازت دی گئی ہے۔ اس ضمن میں شاہ عبدالعزیز دہلویؒ کا فتویٰ سب سے اہم ہے جس میں ہندوستان میں دالحرب کی شرائط پوری ہونے پر کفار سے سود لینا اور انہیں دینا جائز قرار دیا گیا ہے۔ (۶ء)

۱ء طفیل احمد، جواز سود مع فتاویٰ، ص ص ۱۵۔۱۴

۲ء ایضاً، ص ۱۵

۳ء ایضاً، ص ۱۷

۴ء ایضاً، ص ص ۲۲۔۲۱

۵ء ایضاً، ص ۲۴

۶ء ایضاً، ص ۲۴

اس کے علاوہ اس ضمن میں دوسرا اہم فتویٰ مولوی عبدالحئ فرنگی محلیؒ کا ہے جس میں انہوں نے اشیاء کے لین دین سے مشروط اس کی اجازت دی ہے۔(۱ـ) اس حوالے سے علامہ سید ابو اسحاق حنفی نے بھی مختلف دلائل و براہین کی مدد سے یہ رائے ظاہر کی ہے ۔ "جہاں غیر مسلم حکومت ہو وہاں سود مطلقاً جائز ہے خواہ وہ ان دو اشخاص کے درمیان ہو جو غیر مسلم حکومت سے امن حاصل کر کے وہاں داخل ہوئے ہوں یا ان دو اشخاص کے علاوہ اور لوگوں کے درمیان ہو۔ غیر مسلم حکومت میں سود کے جائز ہونے کا جواز یہ ہے کہ وہاں مسلمان معاملات شرعیہ کرنے پر قادر نہیں ہوتے پس ان کو سود دینے سے چارہ نہیں ورنہ ان کو تنگی پیش آئے گی اور اگر سود دینے پر قناعت کریں اور لینے سے پرہیز کریں تو صریح خسارہ اٹھائیں گے اور تنگی میں پڑ جائیں گے۔"(۲ـ)

ان علماء کرام کے علاوہ دیگر علماء کرام مثلاً مولانا سید نصر حسین اور سید نجم الحسن لکھنوی وغیر کے سود کے جواز میں فتوے بطور دلیل استعمال کئے گئے ہیں۔

تاہم اس ضمن میں ان کے خیال کے مطابق ایسی رقم: و مسلمان سود کی شکل میں وصول کریں یا اس کے جواز کے تحت آنے والی تمام آمدنیوں کو سود، قمار یا جوا کہنے کی بجائے انہیں خالص اسلامی اصطلاح "مال فے" کے تحت لیا جائے۔ یعنی ایسا مال جو مسلمانوں کو بغیر کسی جنگ و جدل کے دوسری اقوام سے امن پسندانہ طور پر قانون وقت کی اطاعت کے ساتھ ملا ہو۔(۳ـ) یہ اس وجہ سے تجویز کرتے ہیں کہ ایسا نہ ہو کہ مستقبل میں مسلمان یہی بھول جائیں کہ سود، قمار در جوا ان کی شریعت میں حرام تھے بھی یا نہیں۔ مال فے کی شرعی اصطلاح ان کا ان کے ماضی سے ربط برقرار رکھے گی۔(۴ـ)

اس سوال کے جواب میں کہ اگر سود جائز ہے تو قرآن میں حرام قرار دیا جانے والا ربا پھر کون سا

۱ـ طفیل احمد، جواز سود مع فتاویٰ، ص ۲۷

۲ـ علامہ سید ابو اسحاق حنفی، کشف الغطاء عن وجہ الربا، اردو ترجمہ مولانا طفیل احمد، ص ۲۳

۳ـ طفیل احمد، جواز سود مع فتاویٰ، ص ۴۲

۴ـ ایضاً، ص ۴۳

ہے؟اس کا جواب وہ مصر کے مشہور عالم و مفتی محمد عبدہٗ کے الفاظ میں یہ دیتے ہیں کہ صرف وہ ربا حرام ہے جس میں کوئی دولت مند کسی غریب کو قرض دے کر مکمل جکڑ لے یا اس کا استحصال کرے۔ اس صورت کے علاوہ بقیہ دیگر تمام صورتوں میں روپیہ پر نفع لینا خواہ وہ کسی صورت میں ہو جائز ہے۔(۱ـ)

تاہم اس پلیٹ فارم سے صرف امتناعِ سود کے خلاف ہی علمی جدوجہد نہیں ہوئی بلکہ انہوں نے مسلمانوں کی اقتصادی بہتری کیلئے دیگر متعدد تجاویز بھی پیش کیں مثلاً:۔

۱۔ مسلمانوں پر زور دیا گیا کہ وہ آپس میں اقتصادی اتحاد کیلئے زیادہ سے زیادہ امدادِ باہمی کی انجمنیں قائم کریں۔

۲۔ مسلمانوں پر زور دیا گیا کہ وہ بنکوں میں اپنی امانتیں رکھیں، اور جہاں تک ممکن ہو بنکوں کے حصص خریدیں اور اپنے اپنے علاقوں میں ان کی شاخیں قائم کرنے کی کوششیں کریں۔

۳۔ تجارتی مقاصد کیلئے نفع / نقصان میں شرکت کی بنیاد پر مسلمان اہل ثروت اپنے کم حیثیت بھائیوں کو قرض دیں تاکہ انہیں دیگر اقوام کی غلامی سے نجات ملے۔

۴۔ بیمۂ زندگی کی زیادہ سے زیادہ ترویج کریں اور اس طرح کسی بھی اچانک حادثے سے اپنے جان و مال کی حفاظت کی تدبیر کریں۔

۵۔ زیورات کم سے کم بنائیں اور زیادہ سے زیادہ پیسہ تجارت، صنعت و حرفت اور دیگر نفع آور کاموں میں لگائیں۔(۲ـ)

رسالہ سود مند کے مختلف شماروں میں مسلمانوں کے افلاس و غربت کی وجوہ سے بحث کی گئی اور انہیں اسراف و تبذیر سے اجتناب کرنے کی تلقین کی گئی۔ مسلمانوں کی مختلف سماجی رسوم مثلاً شادی، عقیقہ، ختنہ اور غمی وغیرہ میں جو غیر اسلامی اور فضول عناصر داخل ہو گئے تھے ان کی نشاندہی کی گئی اور مسلمانوں کو انہیں ختم کرنے کی ترغیب دی گئی۔ محنت کی عظمت کے تصور کو اجاگر کرنے کی کوشش کی

۱ـ مولانا طفیل احمد، مرتب سود مند کانفرنس، ۲۶، ۲۷، ۱۹۲۹ء کی منظور شدہ تجاویز، ص ص ۱۲ـ۱

۲ـ طفیل احمد، جواز سود مع فتاویٰ، ص ۴۷

گئی۔ایک عمومی رویئے کے تحت مسلمان صنعت و تجارت اور دیگر معاشی سرگرمیوں سے دور رہتے تھے اسی رجحان کے خاتمے کے لئے مختلف شماروں میں مختلف تحریروں کے ذریعے مسلمانوں کو صنعت و تجارت سے قریب لانے کا رجحان پیدا کیا گیا۔اس کے علاوہ بھی دیگر حوالوں سے مسلمانانِ ہند کو معاشی سرگرمیوں میں زیادہ سے زیادہ حصہ لینے پر آمادہ کرنے کی سعی کی گئی۔

مختلف رسائل کے ذریعے مسلمانوں کی اقتصادی حالت سنوارنے کیلئے مختلف تجاویز پیش کی گئیں مثلاً رسالہ ''مسلمانوں کی مالی اصلاح''''بچوں کی تعلیم اور شادی کا بیمہ ''اور ''سرمایہ دار کی غلامی اور مسلمان'' جو مولانا طفیل احمد کے تحریر کردہ تھے اس حوالے سے متعدد تجاویز کے حامل تھے۔معاشی حوالے سے اس دورانئے میں یعنی بیسویں صدی کی تیسری دہائی تک کے عرصے میں معاشی فکر کا ایک اہم حصہ مختلف علمائے کرام کے ان فتاویٰ کا بھی ہے جو مختلف معاشی حوالوں سے عام مسلمانوں کے معاشی مسائل کے سلسلے میں دیئے گئے۔یہ فتوے مختلف موضوعات مثلاً، جوا، تجارت، زکوٰۃ وصدقات اور بیع وشراء کے معاملات پر دیئے گئے۔یہ سلسلہ اگرچہ اب بھی جاری ہے تاہم اس دور کے حوالے سے جب معاشی معاملات میں عام مسلمانوں کا شعور اتنا بیدار نہیں تھا ان فتوؤں کی اہمیت نمایاں طور پر بڑھ جاتی ہے۔یہ فتاویٰ مختلف معاشی معاملات میں علماء کرام کی وسعت نظر کے بھی مظہر ہیں۔اس حوالے سے ایک اہم نام مولانا سید محمد نذیر حسین کا ہے جن کے فتاویٰ کا مجموعہ ''فتاویٰ نذیریہ'' کے نام سے ۱۹۱۳ء دو جلدوں میں شائع ہوا۔

مولانا کے نزدیک ''سود اس زیادتی کا نام ہے جو معاوضہ مال میں بلا عوض مشروط ہو۔''(۱ے)ان کے نزدیک سود تمام جگہوں پر دارلحرب یا دارالسلام میں حرام ہے۔(۲ے) ہر وہ قرض جس سے فائدہ حاصل ہو وہ سود ہے۔(۳ے)ان کے نزدیک مقروض اپنی رضا سے قارض کو کچھ زائد رقم دے دے تو

۱ے سید محمد نذیر حسین، فتاویٰ نذیریہ، ص ۱۷۸

۲ے ایضاً، ص ۱۹۱

۳ے ایضاً، ص ۱۸۸

جائز ہے۔(۱-)

اس حوالے سے ایک اور اہم نام مولوی محمد رکن الدین کا ہے جن کے فتاویٰ "فتاویٰ نظامیہ" کے عنوان سے حیدر آباد دکن سے شائع ہوئے۔

ان کے نزدیک سود مطلق حرام ہے یہاں تک کہ ضروریات زندگی کو مجبوراً پورا نہ کرسکنے والا بھی سود پر قرض نہیں لے سکتا تاوقتیکہ وہ بالکل جاں بلب نہ ہو جائے۔(۲-) ان کے نزدیک کرایہ جائز ہے اور مکانات کے کرائے پر زکوٰۃ واجب نہیں چاہے مقصد صرف کرایہ وصول کرنا ہی کیوں نہ ہو۔(۳-)

اسی طرح "فتاویٰ دارالعلوم دیوبند" از مولانا عزیز الرحمٰن بھی اس حوالے سے اہمیت کا حامل ہے۔ ان کے نزدیک نوٹ پر زکوٰۃ واجب ہے۔(۴-) زکوٰۃ کی ادائیگی میں تاریخ و ماہ کی کوئی تخصیص نہیں اسے قسطوں میں بھی ادا کیا جاسکتا ہے۔(۵-) بنک کا منافع سود ہے اور اسے صدقہ کر دینا چاہیے۔(۶-) سود مطلقاً حرام ہے اور دارالحرب یا دارالسلام کی اسمیں کوئی تخصیص نہیں ہے۔(۷-)

اسی طرح دیگر علماء کرام نے بھی اس ضمن میں مختلف معاملات میں اپنی آراء کا اظہار کیا۔ تاہم بیشتر حالات میں یہ آراء انفرادی مسائل تک محدود ہیں اور اجتماعی معاشی مسائل اور ان کے حل کے سلسلے میں کوئی پیش رفت نہیں ہو سکی۔

۱- سید محمد نذیر حسین، فتاویٰ نذیریہ، ص ۲۰۰

۲- مولوی محمد رکن الدین، فتاویٰ نظامیہ، ص ۳۱۸

۳- ایضاً، ص ۱۰۸

۴- مولوی عزیز الرحمٰن، فتاویٰ دارالعلوم دیوبند، ص ۷۳

۵- ایضاً، ص ۷۵

۶- ایضاً، ص ۱۵۰

۷- ایضاً، ص ۱۵۱

باب نمبر ۴

اقبال کے معاشی تصورات

اقبال کا عہد۔ معاشی تناظر میں :

اقبال کا عہد (۱۸۷۷ء تا ۱۹۳۸ء) معاشی تناظر میں بہت اہمیت کا حامل ہے۔ اس عہد میں یورپ اور بالخصوص برطانیہ میں برپا ہونے والے صنعتی انقلاب کی بنیادیں مضبوط ہو چکی تھیں۔ مغربی ممالک کی معیشت کو سرمایہ دارانہ نظام اپنی گرفت میں لے چکا تھا۔

صنعتی انقلاب کے نتیجے میں اشیاء کی پیداوار نمایاں حد تک بڑھ چکی تھی اور ان کی فروخت کیلئے منڈیوں کے حصول میں متعدد مغربی ممالک میں کشمکش جاری تھی اور اس کشمکش نے باقاعدہ نو آبادیاتی نظام کی شکل اختیار کرلی تھی۔ صنعتی انقلاب کے نتیجے میں چونکہ سرمایہ دار طبقہ کو سیاست اور معیشت دونوں میں بالاتر پوزیشن حاصل ہوگئی تھی لہذا اس طبقے نے اپنے معاشی مفادات کیلئے محنت کا بے دریغ استحصال کیا۔ محنت کے اس استحصال نے ردِ عمل کے طور پر اشتراکی تحریک کو جنم دیا۔ اس تحریک نے ابتدائی چند ناکامیوں کے بعد ۱۹۱۷ء میں سابقہ سویت یونین میں ایک کامیاب انقلاب کے ذریعے حکومت قائم کرلی اور اشتراکیت سرمایہ دارانہ نظام کے متبادل کی حیثیت سے سامنے آئی۔

جہاں تک معاشی نظریات کا تعلق ہے اقبال کا عہد معاشیات کے کلاسیکل دور کے خاتمے اور جدید دور کی ابتدا کا عہد ہے۔ یہی وجہ ہے کہ معاشیات پر اقبال کی واحد کتاب "علم الاقتصاد" پر کلاسیکی نظریات کی گہری چھاپ موجود ہے (۱)

برصغیر کے تناظر میں یہ وہ عہد ہے بالخصوص ۱۹۲۰ء کے بعد جب تجارت، صنعت اور حکومتی ملازمتوں میں ہندوؤں کے بڑھتے ہوئے غلبے کے خلاف مسلمان بہ حیثیت قوم متحد ہونا شروع ہوئے اور

۱۔ ڈاکٹر مرزا امجد علی بیگ، اقبال اور اقتصادیات، نقوش اقبال نمبر، شمارہ ۱۲۱، ستمبر ۱۹۷۷ء، ص ۳۶۰

مسلمانوں میں معاشی قومیت (Economic Nationalism) کا احساس پیدا ہونا شروع ہوا، اور اس ضمن میں مختلف النوع کوششیں بیک وقت مختلف سمتوں میں شروع ہوئیں۔ (۱۔) تاہم من حیث القوم مسلمانوں کی مجموعی اقتصادی پس ماندگی میں اس وقت تک کوئی نمایاں تبدیلی نہیں آئی تھی۔

اقبال کی کثیر الجہت شخصیت کا ایک پہلو ان کے معاشی افکار و خیالات بھی ہیں۔ معاشی مسائل و نظریات پر ان کی گرفت ابتداء ہی میں اتنی مضبوط تھی کہ رائج الوقت نظریات پر ناقدانہ نگاہ ڈال سکیں۔ (۲۔) "علم الاقتصاد" ان کی جواں سالی کی کوششوں کا پہلا علمی تجربہ تھی۔ اس ابتدائی کتاب میں بھی ان کی ذاتی رائے وسعتِ نظر، پختگی اور عالی دماغی کی غماض ہے۔ (۳۔) یہ ایک الگ بات ہے کہ "اپنی اس تصنیف کو اقبال نے خود کبھی کوئی اہمیت نہیں دی۔" (۴۔) اقبال نے اپنی نظم و نثر دونوں میں مختلف معاشی حوالوں سے اظہار خیال کیا ہے۔ ان جستہ جستہ افکار و خیالات سے کوئی منظم و مربوط شکل تو ترتیب نہیں پاسکتی تاہم جن پہلوؤں کے بارے میں انہوں نے اظہارِ خیال کیا ہے ان میں سے بعض میں ان کی فکر روایتی اسلامی معاشی فکر سے خاصی جدا ہے اور بعض صورتوں میں اس کے ڈانڈے شاہ ولی اللہ کی معاشی فکر سے جا ملتے ہیں اور اس کی ایک مزید نکھری ہوئی شکل ترتیب دیتے ہیں۔

اقبال اپنی نظم و نثر میں جن معاشی موضوعات کو زیرِ بحث لائے ہیں انہیں حسبِ ذیل موضوعات کے تحت تقسیم کیا جاسکتا ہے۔

۱۔ مسلۂ غربت، (اہل ہند بالخصوص مسلمانوں کی معاشی پس ماندگی اور اس کا حل)

۲۔ تصور فقر

۳۔ مسلۂ ملکیتِ زمین

۱۔ Nureen Talha, Economic Factors in the Making of Pakistan PP. 90-91.

۲۔ علامہ سر محمد اقبال، علم الاقتصاد، دیباچہ از انور اقبال قریشی

۳۔ ایضاً

۴۔ قاضی احمد میاں اختر جوناگڑھی، اقبالیات کا تنقیدی جائزہ ص ۲۱

۴۔ سرمایہ داری اور اشتراکیت

ان نکات کا انفرادی تجزیہ مندرجہ ذیل ہے۔

ا۔ مسلۂ غربت (اہل ہند بالخصوص مسلمانوں کی معاشی پس ماندگی اور اس کا حل)

ہندوستان کے طول و عرض میں پھیلی ہوئی غربت اقبال کی معاشی فکر کا ایک اہم پہلو ہے۔ اس کا کرب ابتداء ہی سے اس قلب درد آگیں میں جاگزیں تھا۔ "کیا غربت اس دنیا میں کوئی لازمی شے ہے اور کیا اس کا خاتمہ ممکن نہیں۔" (۱۔) یوں تو غربت ہندوستان کی ایک عمومی پہچان ہے تاہم مسلمانوں کی عمومی اقتصادی حالت زیادہ خراب اور ناگفتہ بہ ہے شہروں کے عام غریب مسلمان انتہائی قلیل اجرت کے ساتھ انتہائی غلیظ اور ناقابلِ بیان حالات میں زندگی گذارنے پر مجبور ہیں جو بھوک سے جان تو دے دیتے ہیں لیکن کسی کے آگے ہاتھ نہیں پھیلاتے۔ قوم کی پس ماندگی کی وجہ فروعی اور ثانوی مسائل نہیں بلکہ یہ غربت ہے جو قوم کو دیمک کی طرح چاٹ رہی ہے۔ (۲۔)۔

لہذا یہی وہ ام الخبائث ہے جس کی طرف قوم کے مصلحین کو سب سے پہلے توجہ دینے کی ضرورت ہے اور ان اسباب و علل پر بھی جن کی وجہ سے قوم اقتصادی لحاظ سے تباہ ہو گئی۔ (۳۔) اس تباہی کے پیچھے بین الاقوامی اقتصادی قوتوں کا کتنا ہاتھ ہے اور کس حد تک اہل ملک کی اپنی خامیاں اور کوتاہیاں اس کی ذمے دار ہیں اس حوالے سے خود حکومت کا کیا کردار ہے؟ (۴۔) ان تمام امور پر گہرے غور و تدبر کی ضرورت ہے تاکہ اس تباہی کے اسباب کا تعین کیا جا سکے۔

برصغیر کے مسلمانوں میں معاشی پس ماندگی کا آغاز مغلیہ دور کے خاتمے کے بعد سے شروع ہوا اور اس میں بتدریج اضافہ ہوتا چلا گیا۔ ایک عمومی سوچ یہ تھی کہ اس کی وجہ ہندو سود خور اور سرمایہ دار

۱۔ علامہ اقبال، علم الاقتصاد، ص ۲۴

۲۔ سید عبدالواحد معینی، محمد عبداللہ قریشی، مقالات اقبال، مرتبین، ص ۱۸۰

۳۔ ایضاً ص ص ۱۸۲۔۱۸۱

۴۔ ایضاً ص ص ۱۸۱۔۱۸۰

ہے۔ یہ عمومی فکر اس بلندی کو نہیں چھو سکی کہ اس تباہی میں بیرونی استعمار کا بھی ہاتھ تھا تاہم یہ مسئلہ بہر حال سنگین سے سنگین تر ہو رہا تھا یہاں تک کہ ان کے خیال میں مسلم لیگ کے مستقبل کا انحصار بھی اس مسئلے کے حل سے مشروط تھا۔(۱ے)

لہذا یہ ضروری تھا کہ مسلمانوں کی اقتصادی حالت بہتر بنائی جائے اور خود مسلمانوں میں موجود معاشی تفاوت کو ختم کیا جائے۔(۲ے) اقتصادی حالت بہتر بنانے میں سرکاری ملازمتوں میں مسلمانوں کے حصے میں اضافہ یقیناً ایک قابلِ تحسین کوشش ہے اکابرینِ ملت کو اس کے لئے ضرور کوشش کرنی چاہئے۔ تاہم یہ حقیقت بھی مدِ نظر رہنی چاہئے کہ سرکاری ملازمتیں آمدنی کا ایک محدود ذریعہ ہیں جس سے چند افراد تو مستفید ہو سکتے ہیں لیکن اجتماعی خوش حالی اسی وقت ممکن ہے جب اقتصادی آزادی نصیب ہو۔(۳ے)

اس اقتصادی آزادی کا واحد ذریعہ تعلیم کا فروغ ہے۔"حال کا زمانہ ایک عجیب زمانہ ہے جس میں قوموں کی بقاء ان کے افراد کی تعداد کے زورِ بازو اور ان کے فولادی ہتھیاروں پر انحصار نہیں رکھتی بلکہ ان کی زندگی کا دار و مدار اس کاٹھ کی تلوار پر ہے جو قلم کے نام سے موسوم کی جاتی ہے۔"(۴ے) اس نئی صورتِ حال میں اقبال نے اپنے ہم وطنوں کیلئے ایک نئی راہ تجویز کی جو ڈارون کے بقائے اصلح کے تصور پر مبنی ہے۔(۵ے) واقعاتِ عالم اس امر کے شاہد ہیں کہ انسانوں، حیوانوں اور پودوں میں ایک عالمگیر جنگ جاری رہتی ہے جس میں ہر کوئی فتح کیلئے جدوجہد کرتا ہے لیکن فتح صرف اس طبقے کو ملتی ہے جس میں زندہ رہنے کی قابلیت ہو یعنی جس نے زندگی کے متغیر حالات کے ساتھ موافقت پیدا کر لی ہو۔(۶ے)

۱ے سید مظفر حسین برنی، کلیات مکاتیب اقبال، مرتب، ص ۲۱۸
۲ے معینی، قریشی، مقالات اقبال، ص ۱۸۰
۳ے ایضاً ص ۱۸۰
۴ے ایضاً ص ۱۶۴
۵ے قاضی جاوید، سرسید سے اقبال تک، ص ۲۱۴
۶ے معینی، قریشی، مقالاتِ اقبال، ص ص ۱۷۰۔۱۶۹

تاہم انسانی زندگی اندھی اور بے مقصد جدو جہد نہیں انسان اپنی عقل کی مدد سے قوانینِ فطرت دریافت کر کے اپنے ارتقاء کے خدوخال متعین کر سکتا ہے۔(۱-) یوں انسانی زندگی، انسانی آدرشوں کے تابع ہو جاتی ہے اور فطری سطح سے ماوراء ہو کر انسانی سطح پر پہنچ جاتی ہے البتہ ترقی کرنے اور آگے بڑھنے کے لئے صحیح اور قابل عمل آدرشوں کا انتخاب ضروری ہے۔

یہ مقصد ظاہر ہے صرف تعلیم کے فروغ سے حاصل ہو سکتا ہے۔ معاشی زبوں حالی کی وجہ تعلیم کی کمی ہے۔ تعلیم اور اقتصادی ترقی لازم و ملزوم ہیں۔(۲-) اصل غربت جدید صنعتی اثاثوں کی نہیں بلکہ ذہنی قوتوں کی قلت ہے۔(۳-) تعلیم، تجربہ، تیکنیکی مہارت، دلیل اور مشاہدے کا استعمال اور فرائض کو صحیح طور پر انجام دینے کا جذبہ ایسے عوامل ہیں جو بغیر کسی خارجی سہارے کے معاشرے کو خود بخود سیدھی راہ پر لے جاتے ہیں۔(۴-) تعلیم سے محنت کی کارکردگی اور استعدادِ کار بہتر ہوتی ہے اور نئی ایجادات و اختراعات کی راہ کھلتی ہے۔(۵-) یہی وہ ذریعہ ہے جس سے قدرتی وسائل سے بھرپور استفادہ کیا جاسکتا ہے وسائل کی موجودگی بھی اسوقت بے معنی ہو جاتی ہے جب تک ان سے فائدہ اٹھانے کیلئے مطلوبہ تعلیمی اور تیکنیکی مہارت نہ ہو۔(۶-) ان وجوہ کی بناء پر وہ تعلیم کو جبری حد تک دینے کے حق میں ہیں۔(۷-) کیونکہ انسانوں کی ذہنی اصلاح پر صرف ہونے والے ہر ڈالر سے قومی آمدنی میں اکثر اتنا اضافہ ہوتا ہے کہ ریلوں، مشینی آلات یا دوسرے سرمایۓ پر اٹھنے والے کسی ڈالر سے بھی نہیں ہوتا۔(۸-) تاہم یہ تعلیم بے مقصد نہیں ہونی چاہیئے بلکہ اس کا بنیادی مقصد انفرادی سطح پر اپنی ذات کا

۱- معینی، قریشی، مقالات اقبال، ص ص ۱۷۹۔۱۷۸۔

۲- علامہ اقبال، علم الاقتصاد، پیش لفظ از ممتاز حسن

۳- A.K.Kern Kross, Determinants of Economic Development. PP.17-18.

۴- A.P. Thirlwall, Growth & Development, P.45.

۵- علامہ اقبال، علم الاقتصاد، ص ۱۵۸

۶- ایضاً ص ۵۹

۷- لطیف احمد خان شروانی، حرف اقبال، ص ۷۶

۸- جان کینتھ گالبریتھ، اقتصادی ترقی، مترجم حنیف رائے، ص ۱۲۱

شعور پیدا کرنا اور اجتماعی سطح پر قومی شعور کی بیداری ہے تاکہ قومی مقاصد حاصل کئے جاسکیں۔(۱ ۔)اس ضمن میں وہ جاپانی قوم کی مثال دیتے ہیں جس نے ایک قلیل عرصے میں غیر معمولی ترقی کی اور یہ ترقی صرف اور صرف تعلیم کی وجہ سے تھی جس نے پوری قوم کو یکسر تبدیل کر کے رکھ دیا۔(۲ ۔)

اس ضمن میں انہوں نے ایک اسلامی یونیورسٹی کے قیام کے ضرورت پر زور دیا جو تمام بکھری ہوئی تعلیمی قوتوں مثلاً الندوہ، علی گڑھ، دیوبند اور اسی قسم کے دیگر مدارس کی شیرازہ بند ہو۔ جہاں نہ صرف افراد کی صلاحیتوں کے نشوونما کے پورے پورے موقع مہیا ہوں بلکہ اس کے طالب علم اس تہذیب و تمدن کے نمائندہ ہوں جسے اسلامی تہذیب کہا جائے اور یہ ادارہ قدیم و جدید کا بہترین سنگم ہو۔(۳ ۔)

اقبال کے نزدیک تعلیم کے ساتھ ساتھ صنعت و حرفت کی مساوی ترقی بھی لازمی ہے اس کے بغیر ترقی اور خود انحصاری ناممکن ہے۔ کیونکہ یہ ایک تسلیم شدہ حقیقت ہے کہ صنعت و حرفت ہی اقتصادی ترقی کو مؤثر اور معنی خیز بناتی ہے۔(۴ ۔) یہ ایک تسلیم شدہ امر ہے کہ صنعت کاری ہی وہ عمل ہے جس کا ملک کی دولت اور معیارِ زندگی میں اضافے سے بہت گہرا تعلق ہے۔(۵ ۔) صنعت کاری کے بغیر ترقی کا تصور بھی ممکن نہیں۔(۶ ۔) اقوامِ متحدہ کے مختلف مطالعات سے یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچتی ہے کہ صنعت کاری کا نہایت گہرا تعلق معاشی ترقی سے ہوتا ہے۔(۷ ۔)

---

۱ ۔ معینی، قریشی، مقالاتِ اقبال، ص ص ۱۷۲۔۱۷۱

۲ ۔ ایضاً ص ص ۸۶۔۸۵

۳ ۔ ایضاً، ص ۱۷۶

۴ ۔ Meier, Baldwin, Economic Development: Theory, History & Policy, P.12.

۵ ۔ Jozeef Bogbar, Economic Ploicy & Planning in Developing Countries P. 295.

۶ ۔ Murray D. Bryce, Industrial Development: A Guide for Accelerating Economic Growth, P.20.

۷ ۔ UNIDO Monographs on Industrial Development No.17, Industrial Planning U.N. New York, 1969, P.1.

اقبال نے اپنے عہد میں جبکہ صنعت و حرفت نے وہ غیر معمولی ترقی نہیں کی تھی جو آج ہو چکی ہے اندازہ لگا لیا تھا کہ آنے والا وقت اسلحے کی مقدار میں کمی یا زیادتی کا نہیں بلکہ کارخانوں کی تعداد میں اضافے کا ہو گا۔ وہی قوم دیگر اقوام سے آگے یا برتر ہو گی جو اعلیٰ ٹیکنالوجی کی حامل ہو گی اور ٹیکنیکی لحاظ سے پست اقوام مٹ جائیں گی۔ (۱ـ) اس بنیاد پر وہ ہندوستان کے بارے میں اس وقت تک پر امیدی کا جواز نہیں پاتے جب تک وہ صنعتی لحاظ سے ترقی یافتہ نہ ہو اور جاپان کی طرح خود اپنے پیروں پر نہ کھڑا ہو جائے۔ (۲ـ)

معاشی آزادی پر زور دینے کی وجہ یہ تھی کہ علامہ اقبال کے نزدیک اقتصادی اور صنعتی ترقی ہی دراصل سیاسی آزادی کی راہ پر لے جاتی ہے۔ (۳ـ) یہی وجہ ہے کہ ہندوستانی مسلمانوں کیلئے بالخصوص انہوں نے تجویز کیا کہ انہیں ادب اور فلسفے کی نہیں ٹیکنیکی علم کی ضرورت ہے۔ (۴ـ)

بدست او اگر دادی ہنر را　　　ید بیضا است اندر آستینش (۵ـ)

لیکن معاشی ترقی محض سرمایہ (Assests) میں اضافے کا نام نہیں ہے اور نہ ہی یہ محض چند جزوی اور نامکمل تبدیلیوں کا نام ہے اصل کام یہ ہے کہ پورے نظام کی ہیئت بدل دی جائے اس بارے میں ہمارا رویہ حقیقت پسندانہ، انقلابی اور تخلیقی ہونا چاہئے اور اسے معاشرے کے طبعی ماحول، سیاسی، ڈھانچے، ترغیبات، تعلیمی نظام اور قانونی نظام پر محیط ہونا چاہئے۔ (۶ـ) اس حوالے سے اسلام کا کردار خصوصی اہمیت کا حامل ہے۔ اسی وجہ سے اقبال نے کہا "تم اپنے اندر جو اعتقاد رکھتے ہو وہ فرد کی اہمیت کا

۱ـ　معینی، قریشی، مقالاتِ اقبال، ص ص ۹۹ـ۹۸

۲ـ　ایضاً ص ۸۷

۳ـ　سید مظفر حسین برنی، کلیات مکاتیب اقبال، ج ۱، ص ۱۱۰

۴ـ　ایضاً ص ص ۱۵۰ـ۱۴۹

۵ـ　علامہ اقبال، کلیات اقبال فارسی (ارمغان حجاز) ص (۹۸۲) ۱۰۰

۶ـ　E.D.Domar, Economic Growth: An Economic Approch, American Economic Review, Vol. XVII, No.2, May, 1952, P.481.

قائل ہے اور اس چیز کیلئے کوشاں ہے کہ تم خدا اور انسان کی خدمت کر سکو اسکے امکانات ابھی پوری طرح وجود میں نہیں آئے وہ اب بھی ایک نئی دنیا پیدا کر سکتا ہے جہاں ذات، رنگ یا دولت کے پیمانے سے اس کی عظمت کو ناپا نہیں جاتا بلکہ اس طرز زندگی سے، جہاں غریب امیروں پر ٹیکس عائد کرتے ہوں جہاں انسانی سوسائٹی شکم کی مساوات پر نہیں بلکہ روحوں کی مساوات پر قائم ہو۔" (۱ـ)

غربت کے خلاف ان کی جدوجہد کا ایک نمایاں پہلو انکی شاعری ہے انہوں نے اپنی نظم کے ذریعے برصغیر کے مسلمانوں میں اقتصادی جدوجہد کا جذبہ پیدا کرنے کی کوشش کی اور اس روایتی تصور کو منہدم کر دیا جسکی رو سے فقر وافلاس کو تقدیر کا نوشتہ سمجھا جاتا ہے۔ اقبال نے تقدیر کے جداگانہ تصور کی مدد سے یہ پیغام دیا کہ "ہم زمانے کی حرکت کا تصور ایک پہلے سے کھینچے ہوئے خط کی شکل میں نہیں کریں گے کیونکہ یہ خط ابھی کھینچ رہا ہے اور اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ امکانات جو ہو سکتا ہے وقوع میں آئیں اور ہو سکتا ہے کہ نہ آئیں"۔ (۲ـ) لہذا کوئی تقدیر طے شدہ نہیں جسے تبدیل نہ کیا جا سکتا ہو۔

گرز یک تقدیر خوں گردد جگر   خواہ از حق حکم تقدیر دگر
تو اگر تقدیرِ نو خواہی رواست   زانکہ تقدیرات حق لا انتہا است (۳ـ)

اس بنیاد پر وہ اس عام غلط عقیدے کو تسلیم نہیں کرتے جس کے تحت امارت اور غربت کو بالعموم طے شدہ امر تسلیم کیا جاتا ہے۔ ان کے نزدیک یہ دین کی ایک غلط تعبیر ہے۔

رنج بے گنج است، تقدیر ایں چنیں   گنج بے رنج است، تقدیر ایں چنیں!
اصلِ دیں ایں است اگر اے بے خبر   می شود محتاج از و محتاج تر!

۱ـ   شروانی، حرفِ اقبال، ص ص ۶۶۔۶۵

۲ـ   علامہ اقبال Reconstruction of Religious Thought in Islam، اردو ترجمہ سید نذیر نیازی، تشکیل جدید الٰہیات اسلامیہ، ص ۸۴

۳ـ   علامہ اقبال، کلیات اقبال فارسی (جاوید نامہ) ص (۶۹۵) ۱۰۷

وائے آں دینے کہ خواب آرد ترا — باز در خواب گراں دارد ترا
سحر و افسوں است یا دین است ایں؟ — حبِ افیون است یا دیں است این (۱ـ)

انسان لامحدود تقدیرات میں سے اللہ سے جو چاہے طلب کر سکتا ہے۔

تو اپنی سرنوشت اب اپنے قلم سے لکھ — خالی رکھی ہے خامۂ حق نے تیری جبیں (۲ـ)

یا

جرأت ہو نمو کی تو فضا تنگ نہیں ہے — اے مردِ خدا ملکِ خدا تنگ نہیں ہے (۳ـ)

لیکن اس کیلئے بنیادی شرط یہ ہے کہ انسان پہلے خود بدلے جب انسان خود بدلتا ہے تو اس کی تقدیر بھی بدل جاتی ہے۔

رمز باریکش بحرفے مضمر است — تو اگر دیگر شوی، او دیگر است (۴ـ)

مختصراً یہ کہ اقبال کے نزدیک غربت کوئی متعین شے نہیں ہے۔ انسان اگر خود تبدیل ہو جائے تو وہ اپنی دنیا تبدیل کر سکتا ہے۔

۲۔ تصورِ فقر

فقر کے لغوی معنی معاشی تنگ دستی، پریشان حالی اور معاشی لحاظ سے بے دست و پا ہو جانے کے ہیں۔ تاہم ''اقبال کے ہاں فقر اور استغناء ہم معنی الفاظ ہیں اور استغناء سے مراد وہ اجتناب اور بے رغبتی ہے جو ارادی ہے، اضطراری نہیں اسے باہر سے عائد نہیں کیا جا سکتا۔'' (۵ـ)

۱ـ علامہ اقبال، کلیاتِ اقبال فارسی (جاوید نامہ) ص (۶۹۶) ۱۰۸
۲ـ علامہ اقبال، کلیاتِ اقبال اردو (ضربِ کلیم) ص (۶۳۸) ۱۷۶
۳ـ ایضاً ص (۵۱۵) ۵۳
۴ـ علامہ اقبال، کلیاتِ اقبال فارسی (جاوید نامہ) ص (۶۹۵) ۱۰۷
۵ـ پروفیسر اسلوب احمد انصاری، مطالعہ اقبال کے چند پہلو، ص ۶۳

اقبال کا نقرہ وہ ہے جسے آدمی جملہ مال و اسباب مہیا ہونے کے باوجود بھی اپنی خوشی اور رضا سے منتخب کرے اور جملہ مال و اسباب اور مال و دولت سے بے نیاز اور مستغنی ہو جائے۔ اول الذکر آدمی کا اپنا انتخاب نہیں ہوتا نہ ہی ہو سکتا ہے۔ تاہم ثانی الذکر انسان کا اپنا انتخاب ہوتا ہے جو انسان کو ایک قسم کا تسخیر کا شعور عطا کرتا ہے اور تسخیر کا یہ احساس ایک خاص قسم کی مسرت اور شادمانی کے احساس پر منتج ہوتا ہے۔(۱ـ) لیکن یہ عالمِ آزادی و بے نیازی آسانی کے ساتھ لائقِ حصول نہیں یہ منزل فقط اہلِ عزم و ہمت ہی طے کر سکتے ہیں۔

ہمت ہو اگر تو ڈھونڈ وہ فقر　　جس فقر کی اصل ہے حجازی
اس فقر سے آدمی میں پیدا　　اللہ کی شانِ بے نیازی
یہ فقر غیور جس نے پایا　　بے تیغ و سناں ہے مردِ غازی
اللہ کی شانِ بے نیازی　　بے تیغ و سناں ہے مردِ غازی!
مومن کی اسی میں ہے امیری　　اللہ سے مانگ یہ فقیری (۲ـ)

"اس فقیری میں امیری اور امیری میں فقیری کے نظریئے کی محکم اساس یہ اعتقاد ہے کہ در حقیقت آدمی کس شے کا بھی مالک نہیں، جو کچھ ہے خدا کا ہے اور آدمی کی جملہ متاع محض اللہ کی امانت ہے جو اس کے حکم کے مطابق لوٹائی جانے والی ہے اور یہ احکام قرآن میں بالوضاحت بیان کر دیئے گئے ہیں جہاں کہا گیا ہے کہ تمہاری دولت اور کمائی پر جملہ اہلِ حاجت کے حقوق ہیں۔"(۳ـ)

قرآن مجید میں اہلِ ایمان کی منجملہ دیگر خصوصیات میں سے ایک خصوصیت یہ بھی بیان کی گئی ہے کہ وہ اپنے اموال کو اللہ کی راہ میں کھلے رکھتے ہیں خواہ اس کے لئے انہیں خود اپنی ضروریات کی قربانی کیوں نہ دینی پڑے۔(۴ـ)

۱ـ　فاروق عزیز، اقبال کے معاشی افکار، ص ۲۸
۲ـ　علامہ اقبال، کلیات اقبال اردو (ضرب کلیم)، ص (۵۵۱ـ۵۵۰)۸۹ـ۸۸
۳ـ　پروفیسر محمد منور، ایقان اقبال، ص ص ۲۱۲ـ۲۱۱
۴ـ　القرآن، سورۃ الحشر، آیت ۹

چیست فقر اے بندگان آب و گل　　یک نگاہ راہ بین، یک زندہ دل

فقر ذوق و شوق و تسلیم و رضا ست　　ما امینیم ایں متاع مصطفیٰ است (۱-ب)

اقبال کے تصورِ فقر کے علمبردار حریصِ دنیا نہیں ہوتے وہ حبِ دنیا سے ماوراء حب اللہ کے متلاشی ہوتے ہیں وہ دنیا میں کشمکشِ روزگار میں مقدور بھر حصہ لیتے ہیں لیکن مال و دولت کو ہتانِ وہم و گماں سے زیادہ حیثیت دینے کو تیار نہیں ہوتے۔ یہ چیز سکون قلب پیدا کرتی ہے جو سرمایہ دارانہ نظام میں ناپید ہوتی ہے۔

اگرچہ سرمایہ دارانہ نظام اور اشتراکیت دونوں اخلاقی اقدار سے محروم ہیں لیکن اخلاقی اقدار سے یہ محرومی سرمایہ دارانہ نظام میں کہیں زیادہ خطرناک ثابت ہوتی ہے کیونکہ اخلاقی اقدار کی عدم موجودگی میں اعلیٰ مقاصد نظروں سے اوجھل ہو جاتے ہیں اور ادنیٰ اور پست مقاصد بالخصوص مال و دولت کی ہوس اور انتہائی تسکین کا حصول وغیرہ ان کی جگہ لے لیتے ہیں اور زندگی کا مقصد سوائے حصول زر کے کچھ نہیں رہ جاتا اور اس مقصد کیلئے پھر برے بھلے کی تمیز ختم ہو جاتی ہے۔ نتیجے کے طور پر لوگوں کی سوچ صرف فوری مقاصد "آج" تک محدود ہو جاتی ہے اور طویل المعیاد مقاصد "کل" نظر انداز ہو جاتا ہے۔ کلام اقبال میں فقر کا تصور ایک ایسا تصور ہے جو معاشرے کو اس معاشی انارکی سے بچانے میں مدد دیتا ہے بلکہ اگر اس تصور پر اس کی روح کے مطابق عمل کیا جائے تو معاشرے سے دولت کی اندھی ہوس اور اس کیلئے بے مقصد دوڑ کا خاتمہ ہو سکتا ہے۔ اور معاشرہ بہت سی معاشی اور معاشرتی برائیوں سے محفوظ ہو سکتا ہے۔(۲-ب)

فقر استغناء کی دولت جب کسی فرد یا معاشرے کو حاصل ہو جاتی ہے تو وہ فرد یا قوم اپنی معاشی سرگرمیوں میں یکسوئی سے مشغول تو ہوگی لیکن دولت کے پیچھے ہوسناک انداز میں بھاگ نہیں رہی

۱-ب　علامہ اقبال، کلیات اقبال فارسی (پس چہ باید کرد)، ص (۸۱۶) ۲۰

۲-ب　فاروق عزیز، اقبال کے معاشی افکار، ص ۲۸

ہوگی کیونکہ دولت اس صورت میں بذات خود مقصد نہیں ہوتی بلکہ اعلیٰ ترین مقاصد کے حصول کا ذریعہ ہوتی ہے۔

زر فزاید الفت زر کم کند ۔ دل زحتی تنفقوا محکم کند (۱ے)

فقر کا مقصد رہبانیت ہرگز نہیں یہ کشمکشِ روزگار میں پڑ کر اس کے شیریں ثمرات سے بے نیازی ہے۔

تیری نگاہ میں ہے ایک فقر و رہبانی ۔ کچھ اور چیز ہے شاید تیری مسلمانی

فقیر کا ہے سفینہ ہمیشہ طوفانی ۔ سکوں پرستیٔ راہب سے فقر ہے بیزار

رہی نہ دولت سلمانی و سلیمانی ۔ یہ فقر مردِ مسلماں نے کھو دیا جب سے (۲ے)

اقبال کے نزدیک افلاس سے مراد دل و نگاہ کی ہوس اور بھوک ہے جبکہ فقر دل کی بادشاہی ہے۔

آں مسلماناں کہ میری کردہ اند ۔ در شہنشاہی فقیری کردہ اند

در امارات فقر را افزودہ اند ۔ مثل سلمانؓ در مدائن بودہ اند

حکمرانے بود و سامانے نداشت ۔ دست او جز تیغ و قرآنے نداشت (۳ے)

"خدا نے حضرت ایوبؑ کو ان کی انتہائی بے بسی کے عالم میں 'نعم العبد' قرار دیا اور حضرت سلیمان علیہ السلام کو ان کی انتہائی شوکت و اقتدار کے باوجود "نعم العبد" کہا، جب خدا کی رضائے کامل میسر ہو تو پھر حضرت سلمانؓ کی غربت اور حضرت سلیمانؑ کی امیری میں کوئی فرق نہیں رہتا۔" (۴ے) وہ لوگ جنہیں فقر کی دولت نصیب ہوئی "وہ اس عالم اسباب میں نیابت خداوندی کے منصب جلیل پر فائز ہوئے اور اس کی اعلیٰ اور ادنیٰ بخششوں کو اسی کی راہ میں صرف کر کے منشائے ربانی کی تکمیل کا باعث بنے اولیك هم المفلحون و اولئك هم الفائزون."۔(۵ے)

۱ے علامہ اقبال، کلیات اقبال فارسی (اسرار و رموز)، ص (۴۳)

۲ے علامہ اقبال، کلیات اقبال اردو (ضرب کلیم)، ص (۵۱۳۔۵۱۲) ۵۱۔۵۰

۳ے علامہ اقبال، کلیات اقبال فارسی (پیام مشرق)، ص (۱۹۰) ۲۰

۴ے پروفیسر محمد منور، ایقان اقبال، ص ص ۲۱۰۔۲۰۹

۵ے ایضاً، ص ۴۵

اکتسابِ رزق کی صلاحیتوں کا فرق ایک بدیہی حقیقت ہے، تاہم اصل خرابی وہاں سے شروع ہوتی ہے جہاں وہ لوگ جنہیں اللہ نے یہ صلاحیت زیادہ دی ہو یا جنہیں دولت کے حصول کے مواقع زیادہ ملے ہوں وہ اسے اپنے پاس روک کر بیٹھ جاتے ہیں اور معاشی نظام اس طرح ترتیب دیتے ہیں کہ دولت صرف بالائی طبقات میں ہی گردش کرنے لگتی ہے اور پورا معاشرہ دو طبقات میں تقسیم ہو جاتا ہے ایک وہ جو دولتمند ہوتے ہیں (Which They Haves) اور دوسرا وہ طبقہ جو کچھ نہیں رکھتے (Which They Donot Have) یہیں سے نہ صرف طبقاتی کشمکش بلکہ دیگر تمام خرابیوں کا بھی آغاز ہوتا ہے، لیکن اگر فقر کا تصور عام ہو اور اہلِ دولت اپنی دولت کو راہِ خدا میں کھلا رکھیں تو اس سے معیشت میں دولت کی تقسیم مساوی کرنے میں بہت مدد ملے گی اور کئی معاشی برائیوں کی جڑ کٹ جائے گی۔

صرف یہی نہیں بلکہ یہ ایک ایسی دولت ہے جو بذاتِ خود کئی مسائل کا حل ہے۔

اگرچہ زر بھی جہاں میں ہے قاضی الحاجات ۔۔۔ جو فقر سے ہے میسر تونگری سے نہیں(۱)

محرم خودی سے جس دم ہوا فقر ۔۔۔ تو بھی شہنشاہ، میں بھی شہنشاہ(۲)

خدا کے پاک بندوں کو حکومت میں، غلامی میں ۔۔۔ زرہ اگر کوئی محفوظ رکھتی ہے تو استغنا(۳)

یہی وہ شے ہے جو اگر نہ ہو تو شکوہِ خسروی بھی رذائل آلودہ ہو جاتا ہے۔

امارت کیا، شکوہِ خسروی بھی ہو تو کیا حاصل؟ ۔۔۔ نہ زورِ حیدری تجھ میں نہ استغنائے سلمانی(۴)

درحقیقت یہی اصل قوت ہے۔

فقر کے ہیں معجزات تاج و سریر و سپاہ ۔۔۔ فقر ہے میروں کا میر، فقر ہے شاہوں کا شاہ

چڑھتی ہے جب فقر کی سان پہ تیغِ خودی ۔۔۔ اک سپاہی کی ضرب کرتی ہے کارِ سپاہ(۵)

۱۔ علامہ اقبال، کلیاتِ اقبال اردو (ضربِ کلیم) ص (۴۸۳) ۲۰

۲۔ ایضاً، ص (۶۲۸) ۱۶۶

۳۔ ایضاً، (بالِ جبریل) ص (۳۱۵) ۲۳

۴۔ ایضاً، ص (۴۱۲) ۱۲۰

۵۔ ایضاً، ص (۳۶۹) ۷۷

۶۔ ایضاً، (ضرب کلیم) ص (۴۹۲) ۳۰

۴۔ مسئلہ ملکیتِ زمین

جہاں تک زمین کی نجی ملکیت کا تعلق ہے قرآن مجید سے ہمیں اس امر کے حق میں ٹھوس شواہد نہیں ملتے۔ جہاں تک اس حوالے سے برصغیر کا تعلق ہے متعدد علماء کرام نے مغل بادشاہوں کے دور میں اور برطانوی حکومت کے ابتدائی دور میں بھی یہ فتوے دیئے ہیں کہ اراضیٔ ہند اشخاص وافراد کی ملکیت نہیں ہے بلکہ وقف للمسلمین کی حیثیت میں حکومت (بیت المال) کی ملکیت ہیں۔ ایسی زمین کو فقہی اصطلاح میں "ارض المملکتہ" یا "ارض الحوزہ" کہا جاتا ہے۔ جیسا کہ حضرت عمرؓ نے ارضِ عراق کے متعلق فیصلہ کیا۔ اس حوالے سے شیخ جلال الدین تھانیسری نے اپنے رسالہ "تحقیق اراضی ہند" میں اراضی ہند کو بیت المال کی ملکیت قرار دیا۔ اسی طرح مشہور محقق عالم محمد اعلیٰ تھانوی نے اپنے رسالہ میں اراضی ہند کے متعلق یہی فیصلہ دیا کہ یہ اراضی نجی ملکیت میں نہیں بلکہ ارض بیت المال ہیں۔ برطانوی دورِ حکومت میں شاہ عبدالعزیز نے اپنے مشہور فتاویٰ اس وقت بھی یہی فیصلہ دیا کہ اراضی ہند بیت المال کی ملکیت ہیں۔ (۱ے)

"علماء اسلام کے ان فتاویٰ کے علاوہ مغل بادشاہوں نے اراضی ہند پر جو تصرفات قائم رکھے نیز شاہ عالم نے سر طامس رو کو دیوانی احکام سپرد کرتے ہوئے زمینداروں کے متعلق جو معاہدہ کیا اور سراج الدولہ نے ایسٹ انڈیا کمپنی کو بنگال میں دیوانی اختیارات حوالہ کرتے ہوئے بنگال کی زمینوں سے متعلق جو معاہدہ کیا وہ بھی اس کی تائید کرتے ہیں کہ یہ بادشاہ اور ابتدائی دور میں خود انگریزی حکومت اراضی ہند کو زمیندار اور تعلقہ دار کی ذاتی و شخصی ملکیت نہیں سمجھتے تھے اور حکومت کی ملک شمار کرتے ہوئے ان کو نگران اور "قیم" کی حیثیت دیتے تھے۔" (۲ے)

اقبال اس حوالے سے شیخ جلال الدین، محمد اعلیٰ تھانوی، شاہ عبدالعزیز اور شاہ ولی اللہ کی فکر کے امین ہیں جو زمین کی نجی ملکیت کے تصور کو تسلیم نہیں کرتے۔ "اسلام کے نزدیک زمین امانت ہے۔

۱ے مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاروی، اسلام کا اقتصادی نظام، ص ص ۴۱۴۔ ۴۱۱

۲ے ایضاً، ص ۴۱۶

ملکیت مطلقہ جس کو قدیم و جدید قانون تسلیم کرتے ہیں میری ناقص رائے میں اسلام نہیں ہے۔"(۱۔ب)
دہ خدایا! یہ زمیں تیری نہیں، تیری نہیں! تیرے آبا کی نہیں، تیری نہیں، میری نہیں(۲۔ب)

اقبال کی نظم و نثر دونوں میں متعدد مقامات پر اس امر کے واضح اشارات ملتے ہیں جن سے ان کے اس تصور کی وضاحت ہوتی ہے۔ "......رہی زمین تواللہ کا مال ہے اس پر کسی کو حق ملکیت نہیں۔" (۳۔ب) زمین اللہ کا عطیہ ہے لہذا اسے خلق خدا کے لئے کھلا رہنا چاہیے۔ "زمین کی ملکیت کے بارے میں شریعت کے احکام واضح ہیں قرآن پاک نے صاف اور صریح الفاظ میں کہہ دیا ہے الارض للہ۔"(۴۔ب)

باطن الارض للہ ظاہر است   ہر کہ ایں ظاہر نہ بیند کافر است(۵۔ب)

انسان کا حق زمین سے حصولِ رزق اور قبر کے لئے جگہ سے زائد نہیں یہ قدرت کا مفت عطیہ Free Gift of Nature) ہے لہذا اسے سب کے لئے کھلا رہنا چاہیے۔

حق زمیں را جز متاع ما نگفت   ایں متاع بے بہا مفت است مفت
دہِ خدایا! نکتۂ از من پذیر   رزق و گور از وے بگیر او را مگیر(۶۔ب)

اسی بنیاد پر اقبال لگان کو جاگیر دار یا زمیندار کا حق تسلیم نہیں کرتے بلکہ اس پر حکومت یا قوم کا حق تسلیم کرتے ہیں۔(۷۔ب) "زمین حکومت کی ہے لیکن ملکیت کا کلی دعویٰ نہ تو قدیم ہندوستان میں کیا گیا اور نہ شاہان مغلیہ کے دور میں۔"(۸۔ب) اقبال کی نظر میں "زمین حکومت کی ملکیت ہے۔"(۹۔ب)

۱۔ب بشیر احمد ڈار، مولف، انوار اقبال، ص ۲۴۵
۲۔ب علامہ اقبال، کلیات اقبال اردو (بال جبریل)، ص(۴۱۱) ۱۱۹
۳۔ب سید نذیر نیازی، اقبال کے حضور، ج ا، ص ۲۹
۴۔ب ایضاً ص ۷۵
۵۔ب علامہ اقبال، اقبال فارسی (جاوید نامہ) ص(۶۶۱) ۷۳
۶۔ب ایضاً
۷۔ب علامہ اقبال، علم الاقتصاد، ص ص ۱۵۳۔۱۵۲
۸۔ب پروفیسر حق نواز، اقبال ایوان اسمبلی میں، ص ۲۹
۹۔ب Abdullah Anwer Baig, The Poet of the East P.408.

اقبال زمین کی نجی ملکیت تسلیم نہیں کرتے اور اس کی جگہ اس حوالے سے "امانت" اور "متاع" کے تصور پر زور دیتے ہیں۔

رزق خودرا از زمیں بردن رواست　　　ایں متاع، بندہ و ملک خداست
بندہ مومن امیں حق مالک است　　　غیرِ حق ہر شے کہ بینی ہالک است(۱)
اے کہ می گوئی متاع مازما ست　　　مردِ ناداں ایں ہمہ ملک خدا ست
ارض حق را ارض خود دانی بگو　　　چیست شرحِ آیہ لا تفسد وا؟
کس امانت رابکار خود نبرد　　　اے خوش آں کو ملکِ حق باحق سپرد(۲)

"ملکیت کے قانونی پہلوؤں سے قطع نظر اقبال زمین کے ساتھ ان غلط ذہنی اور جذباتی رشتوں کی اصلاح چاہتے ہیں جن کی وجہ سے ملکیت کا تصور زمین پہ ندی (Earth Rootedness) کی صورت میں حریمِ دل میں جگہ پالیتا ہے اور انسان یہ بھول جاتا ہے کہ متاع الی حین کے مصداق زمین سے اس کا تعلق بالکل عارضی اور ناپائیدار ہے۔ غرض اقبال کا مقصد مسئلہ زمین کے بارے میں قرآن کے آفاقی نقطہِ نظر کو پیش کرنا ہے۔ قرآن زمین کو متاع قرار دیتا ہے جس کی رو سے انسان کو اس پر معاشی تصرف کا حق دیا گیا ہے۔"(۳)

متاع کے لغوی معنی سامان ضرورت، پونجی، اسباب خانہ اور فائدہ کے ہوتے ہیں۔(۴)
قرآن مجید نے گھروں، جانوروں، سامان ضرورت (۵) اور زمین کو بھی متاع قرار دیا ہے۔(۶)

۱۔ علامہ اقبال، کلیات اقبال فارسی (جاوید نامہ) ص (۶۶۸) ۸۰
۲۔ ایضاً ص (۶۹۷) ۱۰۹
۳۔ چوہدری مظفر حسین، اقبال کے زرعی افکار، ص ۱۶
۴۔ ڈاکٹر محمد میاں صدیقی، قرآن مجید کا عربی اردو لغت، ص ۴۶۴
۵۔ القرآن، سورۃ النحل، آیت ۸۰
۶۔ القرآن، سورۃ البقرہ، آیت ۳۶

"اقبال کا مدعا سمجھنے کے لئے ملکیت اور متاع میں فرق جاننا بہت ضروری ہے۔ ملکیت کے معنی کسی چیز کو اپنے قبضہ یا اختیار میں لینے کے ہیں اور متاع کے معنی سامان اور پونجی کے ہیں۔ لیکن قرآن جب متاع کا لفظ بطور اصطلاح استعمال کرتا ہے تو اس کا مطلب زندگی گزارنے کے لئے سامانِ ضرورت ہوتا ہے لیکن جب ان اشیاء ضرورت کی ملکیت کا تصور حب دنیا کی شکل اختیار کر لیتا ہے تو انسان اعلیٰ اخلاقی اقدار سے غافل ہو جاتا ہے۔ نفس انسانی کی اس کجروی کی اصلاح کے لئے قرآن سامانِ حیات کو متاع قرار دیتا ہے اور مقابلے پر خدا کی خوشنودی اور ابدی انعامات کی ترغیب دیتا ہے۔" (۱ــ) ملکیت کا تصور "پائیداری اور استقلال کا حامل ہے جب کہ متاع میں ناپائیداری اور عارضی استفادہ کے معنی مستور ہیں۔ ملکیت کہ اس غلط تصور پر کاری ضرب لگانے کے لئے قرآن نے متاع غرور کا لفظ استعمال کیا ہے۔" (۲ــ) تصورِ ملکیت سے دنیوی اور خالص مادی طرز فکر پیدا ہوتا ہے جس سے وطنیت کے غیر اسلامی تصور کو فروغ ملتا ہے جب کہ دوسری طرف متاع کے تصور سے انسان کے مادی تقاضے آخرت کے حیات آفریں تصور سے مربوط ہو کر معاشرہ کو عدل اور امن کی نعمتوں سے معمور کر دیتے ہیں اس طرح متاع ایک متحرک جب کہ ملکیت ایک جامد تصور ہے۔" (۳ــ)

اقبال نے جاوید نامہ میں اپنی نظم "ارض ملک خدا است" میں اس تصور کی بہت خوبی سے وضاحت کی ہے جس میں وہ کہتے ہیں کہ ہوا، خاک، ابر، کھیتی، باغ، محل، مکان اور سنگ و خشت جنہیں انسان اپنی ملکیت سمجھتا ہے ان سب کا مالک خدا ہے زمین صرف اللہ کی ہے اور اس سے انسان محض تمتع کا حق رکھتا ہے۔ یہ ایک امانت ہے اور سب سے بہتر وہ شخص ہے جو اللہ کی امانت کو اللہ کے سپرد رکھتا ہے اگر یہ زمین انسان کی ہوتی تو بھی کوئی بات تھی لیکن ایک امانت کو اپنی ملکیت گردانا صحیح نہیں یہ محض ابلیسیت

۱ــ رحیم بخش شاہین، اقبال کے معاشی نظریات، ص ۸۵

۲ــ ایضاً

۳ــ ایضاً، ص ص ۸۶۔۸۵

ہے اور ابلیسیت سوائے فساد کے اور کچھ نہیں۔

ہمچناں ایں بادو خاک و ابرو کشت — باغ و راغ و کاخ و کوے و سنگ و خشت
اے کہ می گوئی متاع مازما ست — مردِ ناداں ایں ہمہ ملک خدا ست
ارض حق را ارض خود دانی بگو — چیست شرح آئیہ لا تفسدوا؟
ابن آدم دل بابلیسی نہاد — من با بلیسی ندیدم جز فساد!
کس امانت را بکار خود نبرد — اے خوش آں کو ملک حق با حق سپرد (۱-)

سرمایہ داری اور اشتراکیت

اقبال کے نظام فکر میں ان دونوں نظام ہائے معیشت کا بہت گہرا اور فلسفیانہ تجزیہ ملتا ہے یہ دونوں نظام چونکہ بالکل متضاد اساس اور مقاصد کے حامل ہیں لہزا تجزیاتی مقاصد کے لئے انہیں الگ الگ زیر بحث لایا جارہا ہے۔

سرمایہ دارانہ نظام

سرمایہ دارانہ معیشت کی بنیاد لا محدود نجی ملکیت اور منافع کے حق، کھلی منڈی کے تحت مقابلے اور حکومت کی کم سے کم مداخلت کے اصولوں پر رکھی گئی ہے۔. یہ نظام ہر قسم کی اخلاقی اقدار سے ماوراء صرف جہد للبقا (Survival of the Fittest) کے اصول پر استوار ہے جس کا بنیادی مقصد انفرادی اور اجتماعی دونوں سطح پر زیادہ سے زیادہ مفاد عاجلہ کا حصول ہے۔

اقبال کی نظم و نثر دونوں اس امر کی شاہد ہیں کہ انہیں یہ نظام پسند نہیں اس کی بنیادی وجہ وہ غلط جذبۂ محرکہ ہے جو یہ نظام کام کے لئے پیش کرتا ہے۔ اگر صرف، اور صرف ذاتی مفاد کو سامنے رکھا جائے

۱- علامہ اقبال، کلیات اقبال فارسی (جاوید نامہ) ص (۶۹۷)۱۰۹

تو اس بنیاد پر مرتب ہونے والے تمام اصول و ضوابط درست نہیں ہوں گے۔ کیونکہ ان میں انسانی فطرت کے صرف ایک منفی پہلو کو سامنے رکھا گیا ہوگا جس سے نتیجے میں اس نقطۂ نظر کی حامل قوم جلد یا بدیر تباہ ہو جائے گی۔(۱)

جہد للبقا کے اصول کے نتیجے میں ایسے لوگ جو اکتساب رزق کی بہتر صلاحیتوں کے حامل ہوتے ہیں یا جنہیں بہتر مواقع دستیاب ہوتے ہیں وہ اپنے اپنے شعبوں میں اجارہ داریاں قائم کر لیتے ہیں اور باقی افراد حصولِ رزق کے لئے ان کے غلام بن جاتے ہیں۔ اس میں کسی قسم کی کوئی تخصیص نہیں ہوتی ہر شعبے کے بالادست افراد دیگر لوگوں کا استحصال کرتے ہیں جاگیر دار، دہقان کو ذاتی شے سمجھتا ہے مزدور، سرمایہ دار کے ہاتھوں پستا ہے علیٰ ھذا القیاس۔ نتیجے کے طور پر افراد کی تمام تر صلاحیتیں صرف معاش کی نذر ہو جاتی ہیں زندگی کے اعلیٰ اور ارفع مقاصد پس پشت چلے جاتے ہیں اور زندگی محض تن کی خاطر جدو جہد کا نام رہ جاتی ہے۔

عصر حاضر ملک الموت ہے تیرا جس نے قبض کی روح تیری دے کے تجھے فکر معاش (۲)

یہ نظام جس قسم کے حالات پیدا کرتا ہے وہ اقبال کے الفاظ میں یہ ہیں۔

حکمت ارباب لیں مکر است و فن مکر و فن؟ تخریبِ جان تعمیرِ تن!

حکمتے از بندِ دیں آزادۂ از مقام شوق دور افتادۂ

مکتب از تدبیر او گیرد نظام تابکامِ خواجہ اندیشہ غلام!

ملتے خاکستر او بے شرر صبحِ اواز شامِ او تاریک تر

ہر زماں اندر تلاش ساز و برگ کارِ او فکرِ معاش و ترسِ مرگ (۳)

۱۔ علامہ اقبال، علم الاقتصاد ص ص ۱۷۔۱۶

۲۔ علامہ اقبال، کلیات اقبال اردو (ضرب کلیم) ص (۵۴۵) ۸۳

۳۔ علامہ اقبال، کلیات اقبال فارسی (پس چہ باید کرد) ص (۸۱۲۔۸۱۱) ۱۰۔۱۵

اس نظام میں بنیادی اہمیت صرف آج کی ہوتی ہے اور کل کا کوئی تصور نہیں ہوتا۔

از حد امروز خود بیروں نجست　　　　روزگارش نقش یک فردا نہ بست (۱ے)

جہد للبقا کی جدوجہد میں سب سے آگے نکل جانے کی ہوس اور زیادہ سے زیادہ مال و دولت حاصل کرنے کا لالچ انسانوں کو ایک دوسرے کا دشمن بنا دیتا ہے۔

رازدانِ جزو و کل از خویش نامحرم شد است　　　　آدم از سرمایہ داری قاتلِ آدم شد است (۲ے)

اس نظام کی مثال شہد کی مکھی کی طرح ہے جو پھول سے اس کا رس چوس لیتی ہے جس کے نتیجے میں پھول کی شاخ، رنگ، پتے وغیرہ تو اسی طرح رہتے ہیں لیکن اس کی روح ختم ہو جاتی ہے۔ یہ پھول کی پوشیدہ موت ہے جو بظاہر نظر نہیں آتی لیکن در حقیقت پھول بے روح ہو جاتا ہے محض مٹی۔

ہم ملوکیت بدن را فربہی است　　　　سینۂ بے نور او از دل تہی است!

مثل زنبورے کہ بر گل می چرد　　　　برگ را بگذارد و شہدش برد

مرگِ باطن گرچہ دیدن مشکل است　　　　گل مخواں او را کہ در معنی گل است (۳ے)

لہٰذا ایک ایسا نظام جو محض آج کی خاطر زندہ رہنا سکھائے کسی صورت محکم نہیں ہو سکتا

تدبر کی فسوں کاری سے محکم ہو نہیں سکتا　　　　جہاں میں جس تمدن کی بنا سرمایہ داری ہے (۴ے)

اسی بنیاد پر وہ اس نظام کے روزِ مکافات کے شدت سے منتظر تھے اسی لئے اپنی نظم "لینن خدا کے حضور میں" میں لینن کی زبانی کہلواتے ہیں۔

کب ڈوبے گا سرمایہ پرستی کا سفینہ ؟　　　　دنیا ہے تیری منتظرِ روزِ مکافات (۵ے)

۱ے　علامہ اقبال، کلیات اقبال فارسی، (پیام مشرق) ص (۳۶۶) ۱۹۶

۲ے　ایضاً (جاوید نامہ) ص (۶۵۲) ۶۴

۳ے　علامہ اقبال، کلیات اقبال اردو (بانگ درا) ص (۲۷۴) ۲۷۴

۴ے　علامہ اقبال، کلیات اقبال اردو (بال جبریل) ص (۴۰۰) ۱۰۸

۵ے　علامہ اقبال، کلیات اقبال اردو (بال جبریل)، ص (۴۰۲) ۱۱۰

تاہم یہ حقیقت اپنی جگہ نا قابل تردید ہے کہ سرمایہ کے استحصال کی پشت پناہی ہمیشہ سے مذہبی پیشوائیت اور اربابِ حکومت کرتے آئے ہیں یہ فرعون ھامان اور قارون کی تثلیث ہوتی ہے جو ایک پورا استحصالی نظام ترتیب دیتی ہے یہی وجہ ہے کہ وہ سرمایہ دارانہ نظام کے خاتمے ہی کے نہیں بلکہ وہ اس عمومی صورت حال میں تبدیلی کے خواہش مند ہیں۔

اٹھو میری دنیا کے غریبوں کو جگا دو ۔۔۔ کاخِ امراء کے درودیوار ہلا دو
گرماؤ غلاموں کا لہو سوزِ یقین سے ۔۔۔ کنجشکِ فرو مایہ کو شاہیں سے لڑا دو
سلطانیٔ جمہور کا آتا ہے زمانہ ۔۔۔ جو نقشِ کہن تم کو نظر آئے مٹا دو
کیوں خالق و مخلوق میں حائل رہیں پردے ۔۔۔ پیرانِ کلیسا کو کلیسا سے اٹھا دو(۱ـ)

تاہم اس انقلاب کا طریقہ گھیراؤ جلاؤ نہیں بلکہ ان خطوط پر ہوگا جو اسلام کے تجویز کردہ ہیں اور جن کی تشریح اقبال نے اپنی مثنوی اسرار خودی اور رموزِ بے خودی میں کی ہے۔(۲ـ) اسی طرح سے وہ نیا معاشرہ اور نئی معیشت جو اقبال کی نظر میں ہے اس کی وضاحت انہوں نے جاوید نامہ میں شہر مرغدین کی خصوصیات بیان کرتے ہوئے کردی ہے۔ اس شہر میں علم کا مقصد روحانی واخلاقی معراج کا حصول ہے اس شہر میں سرمایہ پرستی، خود غرضی اور انسانی محنت کا استحصال نہیں ہے۔ مزدور، سرمایہ دار کے استحصال سے آزاد ہیں کاشت کار، زمینداروں کی چیرہ دستیوں سے محفوظ ہیں۔ سائنسی ترقی کا مقصد انسانیت کی فلاح وبہبود ہے، مکمل امن وامان ہے اور ہر شخص کو فکر و عمل کی آزادی ہے۔ اس شہر میں فرد اور معاشرے کے حقوق و فرائض میں بے مثل ہم آہنگی ہے اخوت وبھائی چارہ معاشرے کی پہچان ہے یہ خصوصیات صرف اور صرف اسلامی بنیادوں پر قائم ہونے والے معاشرے اور معیشت میں ہی ممکن ہیں۔(۳ـ)

۱ـ علامہ اقبال، کلیات اقبال اردو (بال جبریل)، ص (۴۰۲) ۱۱۰

۲ـ رحیم بخش شاہین، اقبال کے معاشی نظریات، ص ۷۶

۳ـ ایضاً ص ۷۶

اشتراکیت

انقلاب کی یہ خواہش اقبال کی اشتراکی تحریک میں دلچسپی کا ایک سبب ہو سکتی ہے کیونکہ یہ ایک ایسی تحریک تھی جس میں ان کے انقلاب کی خواہش پایہ تکمیل تک پہنچ سکتی تھی مزید برآں ایک محدود تناظر میں یہ تحریک اقبال کے افکار و خیالات سے بھی ہم آہنگ تھی لہذا اس کی طرف اقبال کا جھکاؤ بڑی حد تک فطری تھا دونوں کے فکری نقاطِ اتصال مندرجہ ذیل ہیں۔

۱۔ دونوں اندازِ کہن سے بے زار اور نئی دنیا کی تعمیر چاہتے ہیں (تاہم یہاں مجوزہ نئی دنیا کی تعمیر کا مقصد، نقوش، تعمیر کے لئے لائحہ عمل اور طریق کار کا فرق بہر حال ملحوظ رکھنا ضروری ہے)۔

۲۔ دونوں رنگ، نسل، زبان یا علاقائی بنیادوں کی بجائے بین الاقوامیت کے علمبردار ہیں اشتراکیت تمام دنیا کے مزدوروں کی یکجہتی کے نعرے پر اٹھی تھی تو اقبال بھی بنی آدم کی یکجائی کے علمبردار ہیں۔

آب و نانِ ماست از یک مائدہ   دودۂ آدم "کنفس واحدہ" (۱-)

۳۔ دونوں معاشرے کے پسے ہوئے طبقات کے حقوق کی بحالی چاہتے ہیں

۴۔ دونوں سود کے خلاف ہیں اور اس کا خاتمہ چاہتے ہیں تاہم یہاں ان بنیادوں کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا جو اس کی اساس بنتی ہیں اقبال ظاہر ہے احکامِ قرآنی کی بنیاد پر ایسا چاہتے ہیں جب کہ سوشلزم سرمایے اور نجی ملکیت کی نفی کی وجہ سے ایسا کرتا ہے۔

۵۔ سوشلزم کے تحت معاوضہ صرف محنت کا ہے ایک محدود تناظر میں اقبال بھی اس کے موئید ہیں۔

۶۔ دونوں زمین کی نجی ملکیت کے خلاف ہیں لیکن سوشلزم اس وجہ سے ایسا کرتا ہے کہ وہ وسائل پیداوار کی ملکیت کے ادارے کو سرے سے تسلیم ہی نہیں کرتا اس کے برعکس اقبال اس کی بنیاد

۱- علامہ اقبال، کلیات اقبال فارسی (جاوید نامہ) ص (۶۶۹) ۸۱

قرآن مجید سے لاتے ہیں جس میں انسان کی محنت سے حاصل شدہ سرمایہ پر اس کا حق تسلیم کیا جاتا ہے۔

۷۔ سوشلزم محض نظریہ ہی نہیں عمل بھی ہے اقبال بھی حرکت و عمل کے داعی ہیں۔

۸۔ دونوں مغربی جمہوریت کے مخالف ہیں۔

۹۔ اقبال بھی زندگی کو ایک مخصوص پس منظر میں ہیگل کے نقطۂ نگاہ سے دیکھتے ہیں اور ہیگل کی طرح اقبال کا تصور زندگی بھی ارتقاء پذیر ہے۔

سمجھتے ہیں ناداں اسے بے ثبات ابھرتا ہے مٹ مٹ کے نقش حیات
بڑی تیز جولاں بڑی زودرس ازل سے ابد تک رمِ یک نفس
زمانہ کہ زنجیر ایام ہے دموں کے الٹ پھیر کا نام ہے (۱ے)

اسے بآسانی ہیگل کے دعویٰ (Thesis) جواب دعویٰ (Antithesis) اور مرکب (Syn-thesis) کے تناظر میں دیکھا جا سکتا ہے۔ اقبال کی نظم ''مسجد قرطبہ'' اس نقطۂ نظر کی ترجمان کہی جاتی ہے (۲ے) تاہم ایک بنیادی فرق یہ بہر حال مدِ نظر رکھنا چاہیے کہ ہیگل کے نزدیک تاریخ عالم روح مطلق کی نمائش گاہ ہے اور تمام انسان اور ان کی صلاحیتیں سب کی سب اس روح مطلق کی آلہ کار ہیں جو بد ترین جبریت ہے۔ مزید یہ کہ ہیگل کے نزدیک اس کشمکش کا نتیجہ بقائے اصلح ہے جب کہ اقبال کے نزدیک کشمکش کی اصل بنیاد حق و باطل کی کشمکش ہے۔

ستیزہ کار رہا ہے ازل سے تا امروز چراغِ مصطفویؐ سے شرارِ بولہبی (۳ے)

۱۰۔ ایک محدود حد تک یہ کہا جا سکتا ہے کہ اقبال کی سوشلزم میں دلچسپی یا اس کی حمایت اس بنیاد پر بھی

۱۔ علامہ اقبال کلیات اقبال اردو (بال جبریل) ص (۴۱۹) ۱۳۷

۲۔ محمد حنیف رامے، اقبال اور سوشلزم، مرتب خواجہ محمد ذکریا، اقبال اور اشتراکیت ص ۲۳

۳۔ علامہ اقبال، کلیات اقبال اردو (بانگ درا) ص (۲۲۳) ۲۲۳

تھی کہ "میرے دشمن کا دشمن میرا دوست۔" اقبال کی مغربی تہذیب سے دشمنی اور مخالفت کوئی ڈھکی چھپی نہیں لہذا جب اشتراکیت مغربی سامراج کے مخالف کی حیثیت سے سامنے آئی تو اقبال نے اس کے لئے اپنے دل میں نرم گوشہ پایا۔

غالباً یہی وجوہات تھیں کہ جب سوشلزم نے کمزور اور معاشی لحاظ سے پس ماندہ ترین طبقے یعنی مزدروں کے لئے آواز بلند کی تو اقبال نے اسے اپنے دل کی آواز جانا۔

دلوں میں ولولۂ انقلاب ہے پیدا قریب آگئی شاید جہانِ پیر کی موت(۱-)

یا

قوموں کی روش سے مجھے ہوتا ہے یہ معلوم بے سود نہیں روس کی یہ گرمیٔ رفتار

اندیشہ ہوا شوخیٔ افکار پہ مجبور فرسودہ طریقوں سے زمانہ ہوا بیزار

انسان کی ہوس نے جنہیں رکھا تھا چھپا کر کھلتے نظر آتے ہیں بتدریج وہ اسرار(۲-)

کارل مارکس کو جو اشتراکیت کا فکری معمار ہے اسے اس طرح خراج تحسین پیش کرتے ہیں۔

وہ کلیم بے تجلی وہ مسیح بے صلیب نیست پیغمبرو لیکن در بغل دارد کتاب

کیا بتاؤں کیا ہے کافر کی نگاہ پردہ سوز مشرق و مغرب کی قوموں کے لئے روزِ حساب

اس سے بڑھ کر اور کیا ہوگا طبیعت کا فساد توڑ دی بندوں نے آقاؤں کے خیموں کی طناب(۳-)

متذکورہ بالا اشعار کے علاوہ کلام اقبال سے اور بھی کئی حوالے دیے جا سکتے ہیں جن سے اقبال کی اس تحریک کے لئے پسندیدگی مترشح ہوتی ہے اور اس حوالے سے بعض لوگوں کا خیال اس جانب گیا کہ "وہ اقتصادیات کے موضوع پر عقیدتاً ایک اشتراکی واقع ہوئے تھے اس عنوان پر علامہ کو بہت رعایت دی جاتی ہے تو ان کے متعلق یہ رائے قائم کی جاتی ہے کہ اگر اقبال خود کمیونسٹ نہیں تھا تو کم از کم کمیونزم کا

۱۔ ایضاً (ضرب کلیم)، ص(۶۰۰) ۱۳۸

۲۔ ایضاً ص(۵۹۸) ۱۳۶

۳۔ ایضاً (ارمغان حجاز) ص(۶۵۰) ۸

ایک سرگرم موئید وحامی ضرور تھا۔"(۱ ۔) اس طرح مولانا عبد السلام ندوی کی رائے میں "ڈاکٹر (اقبال) صاحب مختلف حیثیتوں سے اشتراکیت کی تائید کرتے ہیں اور ان کو اس نظام حکومت میں اسلامی نظام حکومت سے بہت سے اجزا ملتے ہیں۔" (۲ ۔) خلیفہ عبدالحکیم کی رائے میں اقبال ایک مسلم سوشلسٹ ہے۔(۳ ۔) اسی طرح صفدر میر کے خیال میں بھی اقبال کی سوشلزم سے ہمدردی ڈھکی چھپی نہیں (۴ ۔) پروفیسر عزیز احمد شہر مرغدین کے اوصاف پر بحث سے جو نتیجہ اخذ کرتے ہیں وہ یہ ہے کہ "الارض للہ کا ترجمہ اگر جدید اصطلاحوں میں کیا جائے تو اس کے کم وبیش یہی معنی ہیں کہ تمام ذرائع پیداوار اجتماعی ملکیت میں ہوں نہ کہ کسی فرد کے۔" (۵ ۔) بالفاظ دیگر ان کے نقطۂ نگاہ سے یہ نظم ایک مکمل اشتراکی فکر کی حامل ہے

اس حوالے سے دوسری رائے یہ ہے کہ "اقبال کو کمیونسٹ کہنا ایسا ہی ہے جیسے کوئی یہ کہہ دے کہ اقبال در حقیقت ایک ہندو تھا اور اسکا اصل نام اقبال چند تھا۔" (۶ ۔) حقیقت بہر حال یہی ہے کہ اقبال کو ایک کمیونسٹ ثابت نہیں کیا جا سکتا یہی وجہ ہے کہ خود اقبال کو کمیونسٹ قرار دینے والوں کو تسلیم کرنا پڑا کہ "اقبال کے اسلامی اشتراکیت کے تصور میں یقیناً کسی قدر ابہام ہے اور بہت سی کڑیاں مربوط نہیں ہیں۔" (۷ ۔) یا یہ کہ "معاشی سطح پر وہ (اقبال) کارل مارکس کی اشتمالیت کے بنیادی تصورات کو قریب قریب پوری طرح مانتے ہیں کارل مارکس سے ان کے اختلافات دو ہیں۔ ایک تو وہ بہ حیثیت فلسفہ مادی جدلیت کو رد کرتے ہیں دوسرے یہ کہ تاریخ کی معاشی تطبیق کے بعض اصولوں

۱۔ عبدالرحمٰن طارق، جوہر اقبال، ص ۷۷ ۲

۲۔ مولانا عبدالسلام ندوی، اقبال کامل، ص ۳۵۶

۳۔ خلیفہ عبدالحکیم، فکر اقبال، ص ۲۰۷

۴۔ M.Safdar Meer, Iqbal the Progressive, pp.118-119.

۵۔ عزیز احمد، اقبال کی نئی تشکیل، ص ۴۲۵

۶۔ غلام احمد پرویز، اقبال اور قرآن ج ۲، ص ۲۰۷

۷۔ عزیز احمد، اقبال کی نئی تشکیل، ص ۴۲۵

سے انہیں اتفاق نہیں۔"(۱ ب)

یہ بالکل ایسا ہی ہے کہ کوئی شخص اسلام کے بنیادی تصورات کو تو قریب قریب قبول کرے ساتھ یہ بھی کہے کہ اسے توحید و رسالت سے اتفاق نہیں۔(۲ ب) اس طرح خواجہ محمد ذکریا کو تسلیم کرنا پڑا کہ "اقبال کے فلسفے کا تار پود اسلام کے عقائد سے بنا ہے اس لئے خدا اور مذہب سے متعلق اشتراکی نقطۂ نگاہ انہیں قبول نہیں۔"(۳ ب)

یہاں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا اس تمام تر ہمدردی کے باوجود اقبال کی نظر میں سوشلزم کیا معاشی مسئلے کا حل بھی ہے؟ اسکا سیدھا سادا اور قطعی جواب نفی میں ہے۔

دست فطرت نے کیا ہے جن گریبانوں کو چاک   مزدکی منطق کی سوزن سے نہیں ہوتے رفو(۴ ب)

کیونکہ اس صورت میں بھی کوئی جوہری تبدیلی رونما نہیں ہوتی۔

زمامِ کار اگر مزدور کے ہاتھوں میں ہو پھر کیا!   طریقِ کوہکن میں بھی وہی حیلے ہیں پرویزی(۵ ب)

صرف یہ تبدیلی ہوگی کہ شیریں کے خریدار بدل جائیں گے خسرو نہ سہی کوہکن سہی۔

نماند نازِ شیریں بے خریدار   اگر خسرو نباشد کوہکن است (۶ ب)

اصل مسئلہ یہ نہیں کہ حکمران پرویز ہو یا کوہکن خرابی کہیں اور ہے وہ یہ ہے کہ اشراکیت کے بنیادی اصول جن پر اسی نظام کا تانا بانا بنا گیا ہے کسی مسلمان کیلئے قابل قبول نہیں ہو سکتے ہیں۔ اس کی بنیادی وجہ یہ کہ اشراکی فلسفے یا تاریخ کے مادی نظریے کی بنیاد ھیگل کے نظریۂ اضداد اور جدلی عمل پر رکھی گئی ہے۔

۱ب   عزیز احمد، اقبال کی نئی تشکیل، ص ۳۵۶

۲ب   رحیم بخش شاھین، اقبال کے معاشی نظریات، ص ۱۱۱

۳ب   محمد حنیف رائے، اقبال اور سوشلزم، مرتب خواجہ محمد ذکریا، اقبال اور اشراکیت، ص ۲۷

۴ب   علامہ اقبال، کلیات اقبال اردو (ارمغان حجاز) ص (۶۵۳) ۱۱

۵ب   ایضاً (بال جبریل) ص (۳۳۲) ۴۰

۶ب   علامہ اقبال، کلیات اقبال فارسی (پیام مشرق) ص (۳۸۰) ۲۱۰

ھیگل کے نظریہ اضداد کی رو سے زندگی کا کوئی نظام جب اپنے عروج پر پہنچتا ہے تو اس کے بطن سے بعض مخالف قوتیں نمودار ہو کر اس کے خلاف کشمکش شروع کر دیتی ہیں اور بالآخر ان نئی قوتوں اور پرانے نظام کی ترکیب سے ایک نیا نظام وجود میں آتا ہے جسمیں پرانے نظام کے صالح اجزاء باقی رہتے ہیں اگرچہ انہیں دیگر اجزاء سے ممیز نہیں کیا جاسکتا۔ پھر یہ نیا نظام جب اپنی انتہا کو پہنچ جاتا ہے تو اسی کے اندر سے اس کی ضد نمودار ہوتی ہے جو اسکے خلاف جنگ کرتی ہے اس کشمکش کے نتیجے میں ایک نیا نظام نمودار ہوتا ہے۔ جو پہلے سے زیادہ جامع ہوتا ہے اور اس طرح عمل جاری رہتا ہے اس طرح زندگی ایک مسلسل ارتقاء کا نام ہے۔ ھیگل کے نزدیک اضداد کی جنگ تصورات کے میدانوں میں ہوتی ہے۔(۱ے)

مارکس نے اس جدلی عمل کو عالم فکر سے نکال کر خارجی زندگی اور اس کی معاشی تنظیم پر منطبق کر دیا۔(۲ے) اس کے نزدیک تاریخ کے ہر دور میں زندگی کی اصل بنیاد اس عہد کا معاشی نظام ہوتا ہے اور اسی پر تمدن کی عمارت استوار ہوتی ہے۔ ایک معاشی نظام کچھ عرصے تک انسانوں کی ضروریات کو پورا کرتا ہے پھر اس نظام کے اندر سے اس کی کچھ مخالف قوتیں پیدا ہوتی ہیں جو اس کی شکست و ریخت کے درپے ہوتی ہیں۔ اس کشمکش کے نتیجے میں ایک نیا نظام وجود میں آجاتا ہے۔ اور اس طرح یہ سلسلہ چلتا رہتا ہے۔ وہ قوت جو یہ عمل انجام دیتی ہے وہ کارل مارکس کے نزدیک "تاریخ کی قوت" (Force of History) ہے۔(۳ے)

اخلاق و مذھب، علوم و فنون اور تمدن و معاشرت سب کے سب ان الو قتوں کی طرح اپنے زمانے کے غالب معاشی نظام میں رنگ جاتے ہیں ان کی حیثیت صرف متبعین کی ہوتی ہے یہاں تک کہ اخلاقی اقدار بھی تبدیلیوں کیساتھ تبدیل ہو جاتی ہیں۔(۴ے)

مارکس کے نزدیک ہر معاشی نظام حالاتِ پیداوار اور پیداواری قوتوں کی ہم آہنگی کا مظہر ہوتا

۱ے قاضی قیصر الاسلام کے فلسفے کے بنیادی مسائل ص ص۲۶۱ ۲۰۸

۲ے Karl Marx, Captal vol 1p 19

۳ے محمد مظہر الدین صدیقی اشتراکیت اور اسلام ص۱۳۹

۴ے Karl Marx, Selected Works vol 1p 12

ہے لیکن ایک خاص وقت پر معاشی نظام کے اندر بعض نئی پیداواری قوتیں ابھرتی ہیں یعنی نئی ایجادات و انکشافات کی وجہ سے پیدائشِ دولت کے طریقے بدلنے لگتے ہیں جو مروجہ طریقوں میں انقلاب پیدا کر دیتے ہیں جسکے نتیجے میں پیداداری حالات اور پیداواری قوتوں کے مابین وہ ہم آہنگی ختم ہو جاتی ہے جس کی وجہ سے نظام مستحکم تھا۔ بلکہ ان دونوں میں تصادم کی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے یہی وہ جدلی عمل ہے جسکے ذریعے پرانا نظام ختم ہوتا ہے اور اس کی جگہ نیا نظام لے لیتا ہے۔ نظام تاہم یہ عمل اسوقت تک نہیں ہوتا ہے جب تک کہ کسی نظام کی تمام پیداواری قوتیں جو اس کی وسعت میں سما سکتی ہوں اپنی ترقی کے پورے عروج پر نہ پہنچ جائیں۔ اسی طرح اس دور کی پرانی زوال آمادہ قوتیں اس وقت تک نئی اور برتر قوتوں کے لئے جگہ خالی نہیں کرتیں جب تک کہ نئی قوتوں کے وجود میں آنے کے لئے جن مادی حالات وضروریات کا ظہور مقدم شرط ہے ان کا بیج پرانی سوسائٹی میں خوب اچھی طرح نشونما نہ پا چکا ہو۔(۱ـ)

اس اعتبار سے مارکس نے انسانی سماج کے تین دور قرار دیئے ہیں یہ تینوں قسم کے سماج معاشی اسباب کے تحت پیدا ہوتے ہیں۔(۲ـ)انسان کا اس حوالے سے کوئی اختیار نہیں۔ وہ معاشی قوتیں جن سے عہد متعین ہوتا ہے فیصلہ کن اختیار کی حامل ہوتی ہیں۔(۳ـ)ان ادوار کا تعین سماج میں لین دین کی صورت پر ہوتا ہے۔ سماج کا پہلا مرحلہ سرمایہ دارانہ سماج (Capitalist Society) ہے جس میں لین دین قدرِ تبادلہ(Exchange Value) کی بنیاد پر ہوتا ہے۔ قدرِ تبادلہ سے مراد کسی چیز کی وہ قیمت ہے جو اس شے کی طلب اور رسد سے متعین ہوتی ہے۔(۴ـ)

سماج کا دوسرا مرحلہ سوشلسٹ سماج (Socialist Society) ہے جسمیں لین دین کا تعین

۱ـ محمد مظہر الدین صدیقی، اشتراکیت اور اسلام، ص ۱۴۰

۲ـ شیر جنگ، کارل مارکس اور اس کی تعلیمات، ص ۱۴۲

۳ـ کارل مارکس، داس کیپٹل، مترجم سید محمد تقی، دیباچہ

۴ـ سبط حسن، موسیٰ سے مارکس تک، ص ۴۵۶

قدرِاصل(Intrinsic value) کی بنیاد پر ہوتا ہے۔ قدرِاصل کسی چیز کی وہ واقعی قیمت ہے جو انسانی محنت کی بنا پر اس میں پیدا ہوتی ہے۔ مارکس کے نزدیک کسی چیز کا خام مادہ ہمیشہ یکساں قیمت کا ہوتا ہے اور اس طرح انسانی محنت بھی یکساں ہوتی ہے جو کسی شے کو خام مال سے تیار حالت میں لانے کے لئے درکار ہوتی ہے۔ اسی بنا پر ہر چیز اپنی قدرِاصل کے اعتبار سے ایک ہی نسبت رکھتی ہے۔(۱ے)

کمیونسٹ سماج(Communist Society) اس ارتقاء کا آخری مرحلہ ہے جسمیں لین دین قدرِاستعمال(Use Value) کی بنیاد پر ہوتا ہے۔ قدرِاستعمال کسی چیز کی وہ خصوصیت ہے کہ وہ انسان کی ایک ضرورت کو پورا کرتی ہے۔ یہ سماج کا وہ بلند ترین مرحلہ ہے جس میں چیزوں کی صرف قدرِ استعمال دیکھی جائے گی اور اس حوالے سے اشیاء کا افراد باہم تبادلہ کریں گے۔ گویا تبادلے کی بنیاد محض استعمال کی ضرورت کے پیش نظر ہوگا نہ کہ نفع یا معاوضہ خدمت کے طور پر۔ اسی وجہ سے کمیونسٹوں کی تعریف بعض اوقات ان الفاظ میں کی جاتی ہے کہ کمیونسٹ وہ ہے جو غیر مساوی کمائی کی مساوی تقسیم چاہتا ہے۔(۲ے)

یہ مارکس کے معاشی خیالات کا ایک عملی خاکہ ہے جو تین موضوعات یعنی طبقاتی نزاع کا نظریہ، مادی فلسفہ تاریخ اور مارکس کے اپنے افکار پر مشتمل ہے۔

گویا اس فلسفے کی رو سے :۔

۱۔ کائنات اول تا آخر ایک مادی وجود ہے۔(۳ے)

۲۔ کائنات میں یا اس سے باہر کسی خالق کا کوئی وجود نہیں۔(۴ے)

۱ے پروفیسر خواجہ غلام صادق، فلسفہ جدید کے خدوخال، ص ص ۱۳۵۔ ۱۳۲

۲ے مولانا وحید الدین خان، سوشلزم اور اسلام، ص ۱۲

۳ے Paul M.Sweezy, Socialism, P.80.

۴ے ایضاً

۳۔ انسانی ارتقاء اور ترقی محض اقتصادی کشمکش و پیکار کا ثمر ہے۔(۱۔)

۴۔ انسانی انفرادیت کا کوئی وجود نہیں اور نہ ہی انسان کسی ارادہ و اختیار کا مالک ہے انسان محض حالات کا پروردہ ہوتا ہے لہذا اخلاقیات کا کوئی وجود نہیں۔(۲۔)

۵۔ انسانی زندگی کا مقصود و منتہا محض رزق کا مسئلہ ہے اور بس، نہ خدا کا کوئی وجود ہے نہ آخرت کا اور نہ مستقل اخلاقی اقدار کا کوئی وجود ہے۔(۳۔)

ظاہر ہے ایک ایسا نظام اقبال کے لئے کس طرح قابلِ قبول ہو سکتا تھا؟

اس کے علاوہ سوشلزم کی سب سے بنیادی خامی یہ ہے کہ اس نظام میں لوگوں کے پاس نجی ملکیت اور منافع کی عدم موجودگی کی وجہ سے کام کرنے کیلئے کوئی جذبۂ محرکہ نہیں ہوتا۔(۴۔) اس خرابی کی جانب اقبال نے بہت پہلے نشاندھی کر دی تھی۔

اے کہ می خواہی نظام عالمے　　جئۂ او را اساسِ محکمے (۵۔)

یہاں قدرتی طور پر سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب اقبال کو اس فلسفے کے خام ہونے کا علم تھا تو انہوں نے اس کی حمایت کیوں کی؟

اس کا جواب یہ ہے کہ اقبال نے انقلابِ روس کو منزل "لا" تصور کیا تھا اور انہیں اپنی فطری رجائیت پسندی کی وجہ سے یہ قوی امید تھی کہ روس "لا" کے مرحلے کے بعد "الا" کے مرحلے میں داخل ہو جائے گا۔(۶۔) اسی بنیاد پر اقبال سوشلزم اور اسلام میں سوائے دھریت کے اور کوئی فرق

۱۔ اشتراکی منشور، ہیرلڈ لاسکی، انجلز کا پیش لفظ برائے طبع ۱۸۸۳

۲۔ غلام احمد پرویز، انسان نے کیا سوچا، ص ۲۸۵

۳۔ ایضاً

۴۔ چراغِ راہ، سوشلزم نمبر، حصہ اول، شمارہ ۱۰، جلد ۲۱، دسمبر ۱۹۶۷، عبدالحمید صدیقی، اشتراکیت کی فکری بنیادیں اور ان کا تنقیدی جائزہ، ص ۱۷۱

۵۔ علامہ اقبال، کلیات اقبال فارسی (جاوید نامہ) ص (۶۶۷) ۷۹

۶۔ این میری شمل، شہپر جبریل، مترجم ڈاکٹر محمد ریاض ص ۱۴۴

محسوس نہیں کرتے گویا اصل فرق محض "لا" اور "الا" کا ہے۔(۱۔) اس وجہ سے ابو جہل طعنہ دیتا ہے کہ اسلام میں مساوات کا تخیل مزدکی ہے۔

ایں مساوات، ایں مواخات عجمی　　خوب می دانم کہ مسلمان مزدکی است (۲۔)

اپنی اسی رجائیت کی بناء پر انہیں امید تھی کہ جب انقلاب کے بعد روس میں حالات صحیح ہوں گے تو عین ممکن ہے کہ روس اسلام کو ہضم کر لے یا اسلام روس کو۔(۳۔) "باقی رہا سوشلزم سو اسلام خود ایک قسم کا سوشلزم ہے جس سے مسلمان سوسائٹی نے بہت کم فائدہ اٹھایا ہے۔"(۴۔) یہی وجہ ہے کہ جمال الدین افغانی کے ذریعے ملتِ روسیہ کو "مقام الا" کی طرف آنے کی دعوت دیتے ہیں۔ انقلاب منزل "لا" تھی لہذا اب "الا" کی طرف چلو کیونکہ یہی بقا کا راستہ ہے۔

تو کہ طرحِ دیگرے انداختی　　دل زدستورِ کہن پرداختی
ہمچو ما اسلامیاں اندر جہاں　　قیصریت راشکستی استخواں
کہنہ شد افرنگ را آئین ودیں　　سوئے آں دیرِ کہن دیگر مبیں
کردۂ کارِ خدا وندان تمام　　بگذر از لا جانب الا خرام (۵۔)

لیکن اقبال کی توقع کے بر خلاف روسی ایسا نہیں کر سکے اور نتیجے کے طور پر محض ستر (۷۰) سال کے عرصے میں روسی مملکت مکافاتِ عمل کا شکار ہو کر ختم ہو گئی۔ اشتراکیت ایک ایسا انقلاب تھا جو فکری اساس سے محروم تھا لیکن اقبال جس انقلاب کے خواہش مند ہیں وہ محض احوال کی تبدیلی کا نام نہیں بلکہ وہ زندگی کو تبدیلی احوال کیساتھ نئی وسعتوں اور رفعتوں سے آشنا بھی کرتا ہے۔ ایک ایسا ہمہ گیر

۱۔　عزیز احمد، اقبال کی نئی تشکیل، ص ۳۷۶

۲۔　علامہ اقبال، کلیات اقبال فارسی (جاوید نامہ) ص (۶۴۳) ۵۵

۳۔　بحوالہ غلام احمد پرویز، اقبال قرآن، ج ۲، ص ۲۲۸

۴۔　ایضاً ص ۱۷۱

۵۔　علامہ اقبال، کلیات اقبال فارسی (جاوید نامہ) ص (۶۶۷) ۷۹

انقلاب جو سارا منظر تبدیل کردے۔(۱ے)اور یہ راہ دیگر نظاموں کی ناکامی کے بعد صرف اسلام کی راہ رہ جاتی ہے۔

جانتا ہے، جس پہ روشن باطن ایام ہے ۔۔۔ مزدکیت فتنۂ فردا نہیں، اسلام ہے(۲ے)

کیونکہ یہ خدا کا آخری پیغام ہے جسے بہر حال غالب آنا ہے۔

بے خبر تو جوہر آئینۂ ایام ہے ۔۔۔ تو زمانے میں خدا کا آخری پیغام ہے(۳ے)

اقبال کے مجوزہ معاشی نظام کے خدوخال :

ا۔ معیشت ''اِلا''

اقبال جس معیشت کے داعی ہیں وہ ''لا'' اور ''الا'' دونوں کا مرکب ہے ''لا'' سے مراد ہے غیر اللہ کی نفی اور ''الا'' سے مراد اللہ کے آگے سر بسجود ہونا ہے۔ انہی دونوں الفاظ سے اس جہانِ کن کی تقدیر بنتی ہے۔

نکتہ می گویم از مردانِ حال ۔۔۔ امتاں را لا جلال الا جمال

لا و الا احتساب کائنات ۔۔۔ لا و الا فتح باب کائنات

ہر دو تقدیر جہاں کاف ونون ۔۔۔ حرکت ازلا زاید الا سکوں (۴ے)

باالفاظ دیگر اس معیشت کی بنیاد اللہ کا قانون ہوگا۔

۱ے ڈاکٹر خلیفہ عبد الحکیم، فکرِ اقبال، ص ۱۳۸

۲ے علامہ اقبال، کلیات اقبال اردو (ارمغان حجاز) ص (۶۵۴) ص ۱۲

۳ے ایضاً (بانگ درا) ص (۱۹۲) ۱۹۲

۴ے علامہ اقبال، کلیات اقبال فارسی (پس چہ باید کرد) ص (۸۱۳) ۱۷

۲۔ حلال و حرام :

اللہ کے قانوں کی حکمرانی کالازمی نتیجہ حلال و حرام کی حدود کا تعین اور ان حدود میں کام کرنا ہے۔

تاندانی نکتۂ اکلِ حلال ۔۔۔ بر جماعت زیستن گردد وبال (۱)

۳۔ حصول رزق کے یکساں مواقع :

اللہ کے قانوں کی حکمرانی کالازمی نتیجہ یہ ہوگا کہ اس معیشت میں رزق کے لئے کوئی کسی کا محتاج نہیں ہوگا۔

کس نہ گردد درجہاں محتاج کس ۔۔۔ نکتۂ شرع مبیں ایں است وبس(۲)

۴۔ اعلیٰ اخلاقی اقدار کی حکمرانی :

خدا کو تسلیم کرنے کالازمی نتیجہ اخلاقی اقدار کی حکمرانی کی شکل میں نکلتا ہے۔ یہ معیشت انفاق کی خالص معاشی قدر کی دولت سے مالا مال ہوگی۔

چیست قرآں ؟ خواجہ راپیغامِ مرگ ۔۔۔ دستگیر بندۂ بے سازوبرگ !

ہیچ خیراز مردک زرکش مجو ۔۔۔ لن تنالو البر حتیٰ تنفقو !(۳)

یا

جو حرفِ قل العفو میں پوشیدہ ہے اب تک ۔۔۔ اس دور میں شاید وہ حقیقت ہو نمودار (۴)

۵۔ رزق صرف بذریعہ محنت :

اقبال حصول رزق کے لئے محنت پر غیر معمولی زور دیتے ہیں اور کسی قسم کی ایسی آمدنی جو محنت کا

۱۔ ایضاً ص(۸۲۶) ۳۰

۲۔ ایضاً ص(۸۲۸) ۳۲

۳۔ علامہ اقبال، کلیات اقبال فارسی (جاوید نامہ) ص(۶۶۸) ۸۰

۴۔ علامہ اقبال، کلیات اقبال اردو (ضرب کلیم) ص(۵۹۸) ۱۳۶

نتیجہ نہ ہو قبول کرنے کو تیار نہیں۔

حکم حق ہے لیس للا نسان الا ما سعیٰ   کھائے کیوں مزدور کی محنت کا پھل سرمایہ دار (۱ے)

۶۔ زمین کی نجی ملکیت کی نفی :

اقبال کے نزدیک زمین صرف اللہ کی ہے لہذا اقبال کے مجوزہ نظام میں زمین کی نجی ملکیت ممکن نہیں۔

۷۔ سود کا خاتمہ :

اسلام کی معاشی تعلیمات کا سب سے اہم پہلو سود کا خاتمہ ہے کیونکہ سود سے سوائے فساد کے اور کچھ حاصل نہیں ہوتا۔

از ربآ اخرچہ می زاید؟ فتن!   کس نداند لذتِ قرضِ حسن!

از ربا جانِ تیرہ دل چوں خشت و سنگ   آدمی درندہ بے دندان و چنگ (۲ے)

یہ فی الحقیقت اقبال کا عالمی منشور ہے اور اقبال کا عالمی منشور بلا لحاظ نسل، زبان، عرب و عجم سارے عالمِ اسلام کا منشور ہے۔ (۳ے)

تجزیہ :

جہاں تک فکرِ اقبال کے معاشی پہلو کا تعلق ہے اقبال نے چونکہ اپنی نظم و نثر میں مختلف مقامات پر اس حوالے سے جستہ جستہ اظہارِ خیال کیا ہے لہذا اس سے کوئی منظم و مربوط شکل تو بہر حال ترتیب

۱ے ایضاً (بانگِ درا) ص (۲۹۱) ۲۹۱

۲ے علامہ اقبال، کلیات اقبال فارسی (جاوید نامہ) ص (۶۶۸) ۸۰

۳ے پروفیسر فروغ احمد، تفہیم اقبال، ص ۳۲۸

نہیں دی جا سکتی۔ تاہم جو چند بنیادی نقاط ان کی نظم ونثر سے ہمیں حاصل ہوتے ہیں ان کا تجزیہ مندرجہ ذیل ہے۔

زمین کی نجی ملکیت کا استرداد:

زمین کی نجی ملکیت کے استرداد کا پہلو جو شاہ ولی اللہ کے یہاں نسبتاً خام ہے۔ اقبال کی نظم ونثر میں کھل کر سامنے آتا ہے اور بہت استقلال کے ساتھ ان کی فکر میں یہ تصور تمام عمر ہمیں ملتا ہے۔ درحقیقت زمین کی نجی ملکیت کی نفی ایک دوررس نتائج کا حامل تصور ہے۔ اقبال چونکہ زمین کی نجی ملکیت تسلیم نہیں کرتے لہذا وہ لگان کو جاگیردار کی آمدنی بھی تسلیم نہیں کرتے۔

اقبال کا پورا پیغام چونکہ سعی وعمل اور جدوجہد کی ترغیب پر مشتمل ہے لہذا وہ حصول رزق کے لئے بھی اسی کی ترغیب دیتے ہیں کلام اقبال میں متعدد مقامات پر حصول رزق کے لئے محنت کی ترغیب موجود ہے۔ وہ کسی بھی ایسی آمدنی کو پسند نہیں کرتے جو سعی وعمل کا نتیجہ نہ ہو۔ اس مقصد کے لئے وہ شاہین کا کردار اختیار کرنے پر اصرار کرتے ہیں جو کبھی مردار نہیں کھاتا۔ اسی حوالے سے علامتی انداز میں مزارات وغیرہ سے حاصل ہونے والی آمدنی سے اجتناب برتنے کی تلقین کرتے ہیں کیونکہ وہ بہرحال محنت کا نتیجہ نہیں ہوتی۔

اقبال کی تعلیمات کا نکتۂ ماسکہ چونکہ سعی وعمل ہے اور معاشی پہلو کو ظاہر ہے اس سے کوئی استثنیٰ نہیں ہے لہذا یہاں بھی وہ ایسے رزق کو حاصل کرنے کی تلقین کرتے ہیں جو ایک طرف محنت کا نتیجہ ہو تو دوسرے طرف خودی کی قیمت پر نہ ہو۔

اس بنیاد پر یہ کہا جا سکتا ہے کہ حصول رزق کے لئے محنت پر جتنا زور اقبال نے دیا ہے دیگر مفکرین کے

یہاں اس کی وہ شدت نہیں ہے۔فکر اقبال کا یہ پہلو یقیناً دیگر مفکرین کے مقابلے میں ایک انفرادیت کا حامل ہے۔اور یقیناً اس پہلو پر خصوصی توجہ دینے کی ضرورت ہے۔

مسلمانانِ ہند کی غربت اور اس کا حل

غربت کا خاتمہ فکر اقبال کا ایک اہم موضوع ہے۔انہوں نے اپنی نثر میں مختلف مقامات پر اسطرف توجہ دلوائی ہے۔اس حوالے سے ان کی نظر میں سرکاری ملازمتوں میں مسلمانوں کے تناسب میں اضافہ اس مسئلہ کا ایک جزوی حل تو تھا کلی حل نہیں۔ برصغیر کے تناظر میں غالباً اقبال وہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے سیاسی آزادی کے ساتھ ساتھ معاشی آزادی پر بھی زور دیا۔ یہ بات بجاطور پر کہی جاسکتی ہے کہ مسلمانوں کے مستقبل کے حوالے سے جتنا زور اقبال نے ان کی معاشی حالت کے سدھارنے پر دیا وہ کسی اور نے نہیں دیا۔

ان کے نزدیک اس اقتصادی آزادی کا واحد ذریعہ تعلیم اور ٹیکنالوجی کا فروغ تھا جس کے بغیر یہ منزل کسی صورت حاصل نہیں کی جاسکتی۔اسی بنیاد پر انہوں نے تعلیم کو جبری حد تک دینے کی وکالت کی۔تاہم یہ تعلیم محض برائے تعلیم نہیں ہونی چاہئے۔وہ ایک بامقصد نظامِ تعلیم کے حامی ہیں۔ایک ایسا نظامِ تعلیم جو فرد اور معاشرہ دونوں میں شعور پیدا کرسکے۔

غربت کے خلاف ان کی جدوجہد کا ایک پہلو ان کی شاعری میں اس روایتی تصور کا انہدام بھی ہے جس کی رو سے غربت کو تقدیر کا لکھا فرض کیا جاتا ہے۔اس حوالے سے اقبال کا تصور تقدیر عقیدۂ جبر کے خلاف ایک نمایاں کاوش ہے۔

اقبال اور مختلف نظام ہائے معیشت :

معاشی حوالے سے فکرِ اقبال کا ایک اور نمایاں بلکہ کسی حد تک متنازعہ پہلو اقبال کا سرمایہ داری کی مخالفت اور سوشلزم کی طرف مشروط جھکاؤ ہے۔ اقبال کے وہ اشعار جو سوشلزم کی طرف ان کا جھکاؤ ظاہر کرتے ہیں انہیں اکثر سیاق وسباق سے علیحدہ کر کے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی جاتی ہے کہ ''اقبال اشتراکی تھا''۔ تاہم اقبال کا یہ طرزِ عمل بنیادی طور پر ان کی فطری رجائیت اور سوشلزم کی اسلامی معاشی تعلیمات سے جزوی مماثلت کی بناء پر ہے۔ جن میں امتناع سود اور زمین کی نجی ملکیت کی نفی شامل ہیں۔ ان مقاصد نے بھی اقبال کو اپیل کیا۔ ان وجوہ کی بناء پر اقبال کا جھکاؤ مشروط طور پر سوشلزم کے لیے تھا کیونکہ انہیں امید تھی کہ شاید یہ انقلاب ''لا'' کے مرحلے سے ''الا'' کے مرحلے میں بھی داخل ہو جائے گا تاہم بہر حال ایسا نہیں ہو سکا۔ جہاں تک سوشلسٹ فلسفے کے مبادیات کا تعلق ہے ظاہر ہے وہ کسی بھی مسلمان کے لیے قابل قبول نہیں ہو سکتے۔ اور اقبال کے لیے بھی نہیں تھے۔

بنیادی طور پر اقبال جس معاشی نظام کے قیام کے خواہشمند ہیں وہ ایک ایسی معیشت ہے جو ''لا'' اور ''الا'' دونوں کا مرکب ہے اور جس کی بنیاد اللہ کی حاکمیت پر رکھی گئی ہو۔ اللہ کی حاکمیت کا لازمی نتیجہ اخلاقی اقدار کی حکمرانی کی شکل میں نکلتا ہے۔ بالفاظ دیگر ایک ایسی معیشت جو اعلیٰ اسلامی اصول وقوانین پر مبنی ہو۔

باب نمبر ۵

وسطی دور

بر صغیر پاک و ہند میں اسلام کی معاشی تعلیمات پر علمی انداز میں غور و خوض انفرادی معاملات ا
مسائل سے بڑھ کر بہ حیثیت ایک اجتماعی مسئلہ کے سود مند تحریک سے شروع ہوا۔ تاہم اس کو بہ حیثیت
ایک معاشی نظام پیش کرنے کا کام بیسویں صدی کی چوتھی دھائی سے شروع ہوا۔ جب جامعہ عثمانیہ
حیدر آباد دکن سے اس موضوع پر کچھ کتب شائع ہوئیں اس عہد کی چند اہم شخصیات جنہوں نے اس
موضوع پر قلم اٹھایا ان میں ڈاکٹر محمد یوسف الدین، مولانا محمد حفظ الرحمٰن سیوہاروی، مولانا مناظر احسن
گیلانی، مولانا سید ابو الاعلیٰ مودودی اور جناب غلام احمد پرویز شامل ہیں۔

اسی دور میں ڈاکٹر انور اقبال قریشی نے مسئلہ سود پر ایک مدلل اور مفصل کتاب سپرد قلم کی اور
اس طرح سود مند تحریک کی پیدا کی ہوئی الجھن کو دور کرنے میں اہم کردار ادا کیا۔

یہ دور بر صغیر کے مسلمانوں کے لئے سیاسی اور معاشی نقطۂ نگاہ سے اس لئے اہم ہے کیونکہ
۲۳ / مارچ ۱۹۴۰ء کو لاہور میں قرار دادِ پاکستان کی منظوری کے بعد مسلمانوں کے مختلف طبقات نے جو
ہندوستان کے مختلف حصوں میں آباد تھے پاکستان کو ایک ایسا ملک تصور کیا جہاں اسلام کی تعلیمات پر عمل
کرنے کے وسیع امکانات موجود تھے۔

اس عہد کے نمائندہ مفکرین کی فکر کا تجزیہ درج ذیل ہے۔

ڈاکٹر انور اقبال قریشی

بیسویں صدی کی چوتھی دھائی میں ڈاکٹر انور اقبال قریشی کی کتاب ''اسلام اور سود'' خاص اہمیت

کی حامل ہے اس کتاب کی نمایاں خصوصیات یہ ہے کہ اس میں حرمتِ ربا کے مذہبی دلائل کے ساتھ سود کے معیشت پر پڑنے والے عملی نقصانات کی وضاحت مختلف یورپی معیشتوں کے حوالے سے کی گئی ہے۔

ڈاکٹر انور اقبال سود مند تحریک کے نقطۂ نظر کے بر خلاف عام شرح سود (Interest) اور غیر معمولی شرح سود (Usury) کو ایک ہی شے تسلیم کرتے ہیں، اور ان کے درمیان کوئی فرق تسلیم نہیں کرتے کیونکہ ان کے نزدیک ''سود کی ایک شرح جو آج معقول معلوم ہوتی ہو وہ کل ممکنہ طور پر ربا میں شمار ہو سکتی ہے۔'' (۱۔)

یہ ایک نا قابل تردید حقیقت ہے کہ آج تک سود کا کوئی جواز پیش نہیں کیا جا سکا ہے اور نہ ہی کوئی ایسا طریقہ معلوم ہو سکا ہے کہ جس سے شرح سود کا درست تعین ممکن ہو سکے۔ مغربی فکر نے اگرچہ اس ضمن میں متعدد نظریات پیش کئے ہیں لیکن کوئی بھی اس مقصد میں کامیاب نہیں ہو سکا ہے۔ ڈاکٹر صاحب نے ان تمام نظریات کا جو ان کے عہد تک پیش کئے گئے تھے ان کا تنقیدی جائزہ لینے کے بعد یہ ثابت کیا ہے کہ ''ان میں سے کوئی بھی نظریہ سود کا کوئی قابلِ قبول جواز پیش نہیں کرتا۔'' (۲۔) اس ضمن میں انہوں نے مشہور برطانوی ماہر معاشیات لارڈ جے ۔ایم کینز کی رائے کا خصوصی حوالہ دیا ہے جس میں لارڈ کینز نے یہ تسلیم کیا تھا کہ ''شرح سود صفر ہو سکتی ہے۔'' (۳۔)

جہاں تک اس حوالے سے اسلامی نقطۂ نظر کا تعلق ہے اس کے تحت سود / ربا کا کوئی تصور نہیں ہے۔ اس ضمن میں ڈاکٹر قریشی قرآن و حدیث کی مدد سے یہ ثابت کرتے ہیں کہ اہل عرب کی نزدیک ''ربا سے مراد وہ زائد رقم تھی جو ایک قرض خواہ اپنے قرض دار سے مہلت کے معاوضے میں وصول کرتا تھا اس کو ہماری زبان میں سود کہتے ہیں۔'' (۴۔)

۱۔ ڈاکٹر انور اقبال قریشی، اسلام اور سود، طبع دوم، ص ۴۶

۲۔ ایضاً، ص ص ۵۷۔۹۰

۳۔ ایضاً، ص ۹۵

۴۔ ایضاً، ص ۱۰۳

اس ضمن میں انہوں نے مختلف علماء فقہا کی آراء سے بھی مدد لی ہے اور اس حوالے سے خاصی تحقیق سے جاہلیت عرب کے دور میں ربا کے طریقوں سے بحث کی ہے اور اس کے نتیجے میں وہ امتناع سود کی بنیادی وجہ اخلاقی قرار دیتے ہیں ان کے نزدیک ”سود اس فیاضانہ اصول کے منافی ہے جس پر شریعت اسلامیہ کی بنیاد ہے۔“(۱۔) اس حوالے سے چونکہ اصل زر پر ہر قسم کے اضافے کو خواہ اس کی مقدار کتنی ہی قلیل کیوں نہ ہو ربا تسلیم کرتے ہیں لہذا ابنک کا سود ان کے نزدیک قطعی حرام ہے۔(۲۔)

جہاں تک اس اعتراض کا تعلق ہے کہ اسلام جب غیر مکتسب آمدنی مثلاً لگان اور کرایے کو تسلیم کرتا ہے تو پھر سود حرام کیوں ہے ؟ اس کا جواب وہ روایتی اسلامی فقہ کی طرح قربانی اور فرسودگی کے حوالے سے دیتے ہیں یعنی روپیہ قرض دینے سے قارض کوئی قربانی نہیں دیتا نہ ہی اس کے روپے کی قدر تبدیل ہوتی ہے اور رقم کی صفات بھی بدستور رہتی ہیں۔ دوسری طرف اثاثہ کرایے پر دینے سے اثاثہ کے مالک کو اس کی فرسودگی کا نقصان برداشت کرنا پڑتا ہے لہذا اس حوالے سے کرایہ جائز ہے۔(۳۔) دوسری طرف مضاربت اس لئے جائز ہے کہ اس صورت میں سرمایہ کار نفع / نقصان میں شریک ہوتا ہے جب کہ قرض کی صورت میں قارض صرف اپنے سود میں دلچسپی رکھتا ہے ظاہر ہے دونوں برابر نہیں ہو سکتے اور سود کسی بدل کا نتیجہ نہیں ہوتا۔(۴۔)

اسلامی معیشت میں وہ بیت المال کو بینکاری نظام کا بدل متصور کرتے ہیں جو ان کے نزدیک ماضی میں وہ تمام فرائض انجام دیتا تھا جو آج کل بنک انجام دیتے ہیں ماسوا زر کے اجراء کے۔(۵۔)

موجودہ دور میں ایک اسلامی معاشرہ میں بنک قائم کئے جا سکتے ہیں بشرطیکہ بنک اپنے گاہکوں کی

۱۔ ڈاکٹر انور اقبال قریشی، اسلام اور سود، طبع دوم، ص ۱۵۸

۲۔ ایضاً، ص ۱۶۹

۳۔ ایضاً، ص ۱۷۰

۴۔ ایضاً، ص ۱۷۰

۵۔ ایضاً، ص ۲۱۳

امانتوں پر سود ادا نہ کریں اور نہ ہی بنک اپنے گاہکوں کو دیئے جانے والے قرض پر سود وصول کرے۔(۱-ب)

بنک بنیادی طور پر حکومتی تحویل میں رہنے چاہیں اور ان کو چلانے کے اخراجات عام لوگوں سے محاصل کی شکل میں وصول کئے جانے چاہئیں جس طرح دیگر رفاہِ عامہ کے اخراجات کا بوجھ عوام الناس پر ڈالا جاتا ہے۔(۲-ب)بینک مضاربت کے اصولوں پر عام لوگوں کو رقم دیں۔(۳-ب)

اس ضمن میں وہ ایک مغربی مصنف جیفرے مارک کے کچھ خیالات کو سود کے متبادل نظام کے طور پر پیش کرتے ہیں جس کے تحت "ایسی کیفیت پیدا کی جانی چاہیے جس کے تحت زر کو محض آلہ مبادلہ تصور کیا جائے۔ ایسی کیفیت پیدا کرنے کے لئے جس میں زر کو محض آلۂ مبادلہ تصور کیا جائے ضرورت اس امر کی ہے کہ مالی نظام میں ایسی تبدیلی کر دی جائے کہ لوگ پس انداز کرنے اور اس کے بعد اسے قرض دے کر سود کمانے سے باز رہیں۔ دوسرے الفاظ میں انہیں صرف کرنے پر مجبور کیا جائے۔"(۴-ب)اس نظام میں حکومت زر کی رسد پر انضباط رکھے اور اس کی رسد اس کی طلب کے ساتھ متوازن رکھی جائے۔(۵-ب)قرض صرف مستقل اثاثوں کے مقابل دیئے جائیں۔(۶-ب)بینک امانتوں پر سود دینے کے بجائے امانتوں کی حفاظت کا معاوضہ طلب کریں۔(۷-ب)بینک چونکہ حکومتی تحویل میں ہوں گے لہذا نجی قرض کا وجود ختم ہو جائے گا اور اس کے نتیجے میں تمسکات اور دیگر آلاتِ قرض کا وجود ختم ہو جائے گا۔(۸-ب)اس کے نتیجے میں بینکوں کے باہمی مقابلے کے بعض مضر اثرات سے بھی

۱۔ ڈاکٹر انور اقبال قریشی، اسلام اور سود، طبع دوم، ص ۲۱۴
۲۔ ایضاً، ص ۲۱۵
۳۔ ایضاً، ص ۲۱۶
۴۔ ایضاً، ص ۲۱۹
۵۔ ایضاً، ص ۲۲۰
۶۔ ایضاً، ص ۲۲۱
۷۔ ایضاً، ص ۲۲۲
۸۔ ایضاً، ص ۲۲۲

نجات ممکن ہو سکے گی۔(۱؎)اگر زر کا مصرف محض خرچ کرنا ہی ہوگا تو اس کے نتیجے میں تمام عاملِ پیدائش اپنی آمدنیاں مکمل طور پر صرف کر دیں گے اس سے۔ نتیجے میں مقدارِ زر میں اضافے سے اشیاء پیداوار بھی بڑھے گی اور اشیاء کی قیمتوں اور مجموعی مصارفِ پیدائش میں کامل توازن رہے گا۔ جس کے نتیجے میں افراطِ زر بھی پیدا نہیں ہوگا(۲؎)اور مجموعی طور پر معاشرہ خوشحال ہوگا جو اسلام کا مقصود ہے۔

تجزیہ

ڈاکٹر انور اقبال کا یہ مجوزہ خاکہ جو مارک کے خیالات پر مبنی ہے یقیناً اپنے اندر چند قابلِ توجہ نکات رکھتا ہے بالخصوص یہ نکتہ کہ بینک مکمل طور پر سرکاری تحویل میں ہوں اور حکومتی پالیسی کے تحت ہی قرض کا اجراء کریں اس سے بینکوں کے مابین باہمی مقابلے کے بعض مضر اثرات سے محفوظ رہا جا سکتا ہے۔

تاہم وہ بنیادی مفروضہ جس پر پوری عمارت استوار کی گئی ہے یعنی زر کو محض آلۂ مبادلہ کی حیثیت سے استعمال کیا جائے اور مالی نظام میں ایسی تبدیلیاں لائی جائیں جن کی مدد سے زر کے منفعت بخش استعمالات سے لوگوں کو روک دیا جائے خاصا محلِ نظر ہے کیونکہ اس کی کوئی وضاحت نہیں کی گئی کہ یہ مقصد کیسے حاصل ہوگا اور اس کے لئے کیا حکمت عملی اختیار کی جائے گی؟ دوم یہ مفروضہ بھی خاصی حد تک ناممکن العمل ہے کہ لوگ اپنی تمام آمدنیاں خرچ کر دیں گے اور کچھ بھی نہیں بچائیں گے لہذا یہ خاکہ بظاہر خوش آئند ہونے کے باوجود عملی زندگی کے حقائق سے خاصا دور ہے۔

۱۔ ڈاکٹر انور اقبال قریشی، اسلام اور سود، طبع دوم، ص ۲۲۳

۲۔ ایضاً، ص ۲۲۴

ڈاکٹر محمد یوسف الدین

اسی دور میں اسلامی معاشی فکر کے حوالے سے ایک اہم نام ڈاکٹر محمد یوسف الدین کا ہے۔ ان
پی ایچ ڈی کا مقالہ "اسلام کے معاشی نظریئے" ان کی تحقیقی اپچ، وسعتِ نظری اور موضوع پر ان
گہری نظر کا آئینہ دار ہے۔ دو جلدوں پر مشتمل یہ مقالہ اسلام کی معاشی تعلیمات کے مختلف پہلوؤں
روشنی ڈالتا ہے جس میں قدیم عرب کے معاشی، سیاسی، ۔۔نی، سماجی و معاشرتی نظام کا بہت گہرائی میں
مطالعہ کیا گیا ہے اور بالخصوص معاشی نظام کی جزئیات تک سے بحث کی گئی ہے۔ پھر اسلام کی معاشی
تعلیمات کا دیگر مذاہب کی معاشی تعلیمات سے تقابل کر کے اسلام کی برتری ثابت کی گئی ہے۔ اور ا
مرحلے میں مختلف معاشی پہلوؤں مثلاً پیدائشِ دولت، تقسیم دولت، مبادلۂ دولت، صرف دولت، ا
مالیات عامہ وغیرہ پر اسلامی نقطۂ نظر سے سیر حاصل بحث کی گئی ہے۔ تاہم اسلامی معاشی نظام کو را
الوقت درسی کتب کی ترتیب کے مطابق پیش کیا گیا ہے البتہ مقالے میں لگان کے عنوان کے تحت
خلط مبحث واقع ہو گیا ہے۔ (ا۔) مجموعی طور پر یہ ایک عمدہ تحقیقی کاوش ہے جس میں بنیادی ماخذ کی
سے اسلام کی معاشی تعلیمات کے مختلف پہلوؤں کو زیر بحث لایا گیا ہے۔

مولانا محمد حفظ الرحمٰن سیوہاروی

مولانا سیوہاروی کے نزدیک اسلامی معاشی نظام چند اصولوں پر مبنی ہے یہ اصول قرآن ۔
مستنبط ہوتے ہیں اور احادیث و فقہ ان کی مفسر ہیں۔ (۲۔) ان اصولوں کی بنیاد پر مرتب کیا جانے والا نظا
خواہ وہ کہیں بھی استوار ہو اسلامی معاشی نظام کہلائے گا۔ پنی کتاب میں مولانا پہلے قرآن و حدیث ۔
ماخوذ چند اصول بیان کرتے ہیں پھر اس امر سے بحث کرتے ہیں کہ ابتدائی اسلامی دور میں ان کی بنیا

ا۔ ڈاکٹر محمد یوسف الدین، اسلام کے معاشی نظریئے، ج ا، ص ص، ۳۵۰۔۳۲۸

۲۔ مولانا محمد حفظ الرحمٰن سیوہاروی، اسلام کا اقتصادی نظام، ص ۳۰

کس طرح کا معاشی نظام ترتیب دیا گیا تھا اور آج اس کے عملی انطباق کی کیا صورت ممکن ہے ان کے نزدیک ایک صالح معاشی نظام کے لئے لازمی ہے کہ وہ :۔

ا۔ تمام افراد کی معاشی کفالت کا ضامن ہو۔

۲۔ ہر قسم کے معاشی استحصال اور فساد کا خاتمہ کر سکے۔

۳۔ ارتکازِ دولت میں مانع ہو یا دولت کی منصفانہ تقسیم کو یقینی بنا سکے۔

۴۔ محنت اور سرمائے میں صحیح توازن قائم رکھے۔(ا۔ب)

۵۔ یہ نظام عام افراد کو کام کرنے کے لئے جو جذبۂ محرکہ فراہم کرے وہ صالح اور مبنی بر خیر ہو چاہیے۔(۲۔ب) صرف اسلام کا معاشی نظام ہی ان خصوصیات کا حامل ہے "جس کی بنیاد انسان کی تسکین حاجات ضروریات اور اجتماعی احتیاجات کی تکمیل پر ہے۔" (۳۔ب) اس کے نتیجے میں یہ نظام سرمایہ داری کی طرح صرف ذاتی منفعت تک محدود نہیں رہتا بلکہ اخلاقی اور مذہبی محاسن کو اپنی آغوش میں لے کر دنیاوی اور اخری فلاح کا ذریعہ بن جاتا ہے۔(۴۔ب)

اسلام کے بنیادی معاشی اصول سیوہاروی صاحب کے نزدیک مندرجہ ذیل ہیں۔

ا۔ حق معیشت میں مساوات کا اصول

رازقِ حقیقی صرف اللہ کی ذات ہے۔ لیکن یہ انسانوں کی ذمہ داری ہے کہ وہ معاشی نظام اس طرح ترتیب دیں کہ کوئی بھی محرومِ رزق نہ رہے کیونکہ اللہ کی جانب سے دیئے جانے والے وسائل سے ہر ایک برابر مستفید ہونے کا حق رکھتا ہے۔(۵۔ب) او. ایسے نظام کی تشکیل اسلامی مملکت کی ذمہ

ا۔ مولانا محمد حفظ الرحمٰن سیوہاروی، اسلام کا اقتصادی نظام، ص ۳۲۔۳۱

۲۔ ایضاً، ص ۳۷

۳۔ ایضاً، ص ۳۸

۴۔ ایضاً، ص ۳۹

۵۔ ایضاً، ص ۴۱

داری ہے اسلامی نظامِ معیشت میں غربت اور امارت کی نتائیں نہیں ہوتیں۔ حقِ معیشت میں
انسان مساوی ہیں۔ امراء کی دولت ان کے پاس اللہ تعالیٰ کی امانت ہے جو غربت کے خاتمے کے
استعمال ہونی چاہیے۔ (ا ۔) اگر امراء مملکت یہ فریضہ احسن طریقے سے انجام نہیں دیتے تو ان
دولت حکومت جبراً بھی حاصل کر سکتی ہے خواہ اس دولت کے تمام واجبات بھی ادا کئے جا چکے ہوں تا
دولت کی تقسیم میں مساوات پیدا کی جاسکے۔ (۲ ۔)

درجاتِ معیشت کا فرق بڑی حد تک فطری ہے لیکن سامان معیشت ہر حال میں سب کے
ہونا لازمی ہے۔ (۳ ۔) ایک شخص جتنا زیادہ کماتا ہے اس پر اتنے ہی اجتماعی حقوق بڑھ جاتے ہیں لہذا ا
کی آمدنی انفرادی ملکیت کے باوجود اجتماعی حاجات کی تکمیل کا ذریعہ بھی بنتی ہے۔ (۴ ۔)

۲۔ احتکار و اکتناز کی حرمت

قرآن مجید کی مختلف آیات سے وہ یہ نتیجہ اخذ کرتے ہیں کہ اوّل اسلام میں احتکار و اکتناز کا کو
تصور نہیں دوم اسلام دولت کی منصفانہ تقسیم چاہتا ہے۔ قرآن مجید کے انفاق، صدقات اور ادائیگی زکو
کے احکامات جہاں دولت کی تقسیم میں مساوات پیدا کرتے ہیں وہیں اجتماعی کفالت کا ایک جامع نظام
ترتیب دیتے ہیں۔ (۵ ۔)

ا۔ مولانا محمد حفظ الرحمٰن سیوہاروی، اسلام کا اقتصادی نظام، ص ۴۸

۲۔ ایضاً، ص ۴۹

۳۔ ایضاً

۴۔ ایضاً، ص ۵۳

۵۔ ایضاً، ص ۵۴

۳۔ سرمایہ اور محنت میں عادلانہ توازن

سرمایہ اور محنت میں توازن بر قرار رکھنے کے لئے ایسے تمام معاملات جن سے یہ توازن بگڑ
معیشت فاسد ہوتی ہوان پر پابندی عائد ہے مثلاً سود اور قمار اور اس نوع کی دیگر تمام سرگرمیاں۔(۱-

۴۔ کسبِ معیشت

کسبِ معاش کی بحث کے دو پہلو ہیں اول کسبِ معاش کے لئے ترغیب اور دوم کسبِ معاش
اصول۔ اول الذکر کے حوالے سے مولانا سیوہاروی قرآن و حدیث میں کئی ترغیبات پاتے ہیں جن
تحت کسب معاش کے لئے جدوجہد کی ترغیب دی گئی ہے۔ (۲-ب) اس ضمن میں حاصل ہونے والی آ
لازماً حلال ہونی چاہیے اور کسبِ معاش کے ذرائع بھی طیب ہونے چاہئیں۔ (۳-ب) حلال آمدنی کے حص
کے لئے ایسے اکتساب رزق سے بچنا چاہیے جس کے نتیجے میں جسمانی عوارض لاحق ہو سکتے ہوں۔ اخ
زوال کا اندیشہ ہو، اشیاء تعیشات کے زمرے میں آتی ہوں یا فروغِ ظلم کا سبب ہوں۔ (۴-ب) جو
حق یا صحیح طریقہ کار سے حاصل شدہ نہ ہو بلکہ ربا، رشوت، جوا، ظلم یا دھوکہ دغیرہ سے حاصل شدہ ہ
اس لئے حرام ہے کہ طیب نہیں۔ لہٰذا ہر خبیث شے حرام ہے خواہ اس میں خباثت خارجی یا داخلی کسی
ذریعے سے پیدا ہوئی ہو۔ (۵-ب) اس کی تصدیق وہ مختلف آیات و احادیث سے کرتے ہیں۔

۵۔ اصولِ مصارف

صرفِ دولت کے تین بنیادی مسائل ہیں اول کیا خرچ کیا جائے؟ دوم کس قدر خرچ کیا جا
اور سوم کن پر خرچ کیا جائے؟ (۶-ب)

۱۔ مولانا محمد حفظ الرحمٰن سیوہاروی، اسلام کا اقتصادی نظام، ص ۵۰

۲۔ ایضاً، ص ص ۶۳۔۶۲

۳۔ ایضاً، ص ۶۴

۴۔ ایضاً، ص ۶۵

۵۔ ایضاً، ص ۶۶

۶۔ ایضاً، ص ۶۸

جہاں تک اول الذکر سوال کا تعلق ہے اس کا سیدھا سا جواب یہ ہے کہ جو حلال اور طیب ذرائ
سے کمایا گیا ہے وہی خرچ کیا جائے جہاں تک ثانی الذکر سوال کا تعلق ہے اس ضمن میں قرآن کی ہدای
یہ ہے کہ اعتدال سے خرچ کیا جائے۔(ا-) اور جہاں تک آخر الذکر سوال کا تعلق ہے کہ کن پر خرچ ک
جائے تو اولین حقدار انسان کے اہل و عیال ہیں اور پس اندازی کی صورت میں زیادہ سے زیادہ انفاق ک
جائے۔(۲-)

حکومت کا کردار

معاشی نظام کے فاسد یا صالح ہونے کا انحصار نظامِ حکومت پر ہوتا ہے۔(۳-) سرمایہ داری او
سوشلزم سے ہٹ کر اسلام جس ہیت اجتماعی کا تصور پیش کرتا ہے اس میں حکومت، سیاست اور معیشت
کی بنیاد مذہب ہے۔ اسلام کی اخلاقی اقدار، معیشت و سیاست کی بنیاد ہوتی ہیں اس کے نتیجے میں جو صار
معاشی نظام وجود میں آتا ہے وہ سرمایہ داری اور اشتراکیت کی نامیوں سے پاک ہوتا ہے۔(۴-)

معاشی امور پر امیر / خلافت کا کنٹرول مسلم ہے تاہم بہ حیثیتِ مجموعی اسے دو حصوں میں تقسی
کیا جا سکتا ہے ایک حصہ وہ ہے جس کا تعلق براہ راست خلافت سے ہوتا ہے اور دوسرا بالواسطہ خلافت
سے متعلق ہے یعنی عام لوگوں کے معاشی معاملات۔(۵-)

براہ راست خلافت سے متعلق معاشی امور مندرجہ ذیل ہیں۔

ا۔ بیت المال کا قیام　　۲۔ اعداد و شمار کا انتظام　　۳۔ وظائف

ا۔ القرآن، سورۃ الانعام آیت ۱۴۲

۲۔ مولانا محمد حفظ الرحمن سیوہاروی، اسلام کا اقتصادی نظام، ص ۷۴

۳۔ ایضاً، ص ۷۹

۴۔ ایضاً، ص ۸۱

۵۔ ایضاً، ص ص ۸۷-۹۸

۴۔ معیشت کے وسائل میں اضافہ　　۵۔ انفرادی ملکیت کی حد کا تعین

۶۔ سرمایہ اور محنت میں توازن کا قیام اور ۷۔ نظام اراضی سے متعلق معاملات

بالواسطہ خلافت سے متعلق معاشی امور مندرجہ ذیل ہیں۔

۱۔ صدقاتِ نافلہ　　۲۔ اوقاف　　۳۔ ہبہ　　۴۔ وصیت

۵۔ قرضِ حسنہ　　۶۔ عاریت اور ۷۔ امانت (۱۔)

خلافت کی براہ راست ذمے داریوں کی مختصر وضاحت درج ذیل ہے۔

۱۔ بیت المال کا قیام

خلافت کی بنیادی ذمہ داری بیت المال (مرکزی سرکاری خزانہ) کا قیام ہے۔ اس کے ذرائع آمدنی اور اخراجات کی مدات طے شدہ ہیں تاہم جزئیات و تفصیلات کا تعین خلیفۂ وقت اور شوریٰ کر سکتی ہے۔ بیت المال کے اہم ذرائع آمدنی میں عشر، خراج، جزیہ، زکواۃ، فئی، خمس، ضرائب (Tax) عشور، اموال فاضلہ اور کراء الارض شامل ہیں جب کہ اہم مدات مصارف میں رفاہ عامہ، وظائف مصارف ثمانیہ اور حکومت کے مختلف شعبوں کے اخراجات شامل ہیں۔ (۲۔)

۲۔ اعدادو شمار کا انتظام

اعدادو شمار کا جمع کرنا اور انہیں عام لوگوں کے فلاحی مقاصد کے لئے استعمال حکومتِ وقت کی ذمہ داری ہے۔ (۳۔)

۱۔ مولانا محمد حفظ الرحمٰن سیوہاروی، اسلام کا اقتصادی نظام، ص ۱۰۷

۲۔ ایضاً، ص ۱۰۹

۳۔ ایضاً، ص ۱۳۷

۳۔ وظائف

ایک مسلمان حکومت عام مسلمانوں کی کفالت کی ذمے دار ہوتی ہے اس مقصد کیلئے مختلف قسم کے حکومتی وظائف سے اس ذمے داری کی ادائیگی ہوتی ہے۔(۱ب)وظائف بالعموم مجاہدین ان کے اہل وعیال، عدلیہ، تعلیم و تبلیغ سے متعلق افراد یا پھر فقراء و مساکین، کو دیئے جاتے ہیں۔(۲ب)

۴۔ معاشی وسائل کی توسیع

ایک اسلامی معیشت میں معاشی وسائل میں اضافہ اس طرح ہونا چاہیے کہ وہ انفرادی اور اجتماعی دونوں سطح پر باعثِ منفعت ہو۔اس حوالے سے تجارت اور صنعت و حرفت دونوں شعبے زیر بحث آتے ہیں۔

اسلامی نقطۂ نگاہ سے شعبۂ تجارت کے احکام دو حصوں میں منقسم ہیں اول صحیح اصول تجارت جس میں تجارت کی ترغیب اور اس سے متعلق قوانین و ضوابط شامل ہیں۔دوم فاسد اصولِ تجارت سے متعلق احکام ہیں جو غلط انداز تجارت کی مذمت اور اس کے انسدادی احکامات پر مشتمل ہیں۔(۳ب)

صنعت و حرفت و تجارت میں اسلامی نقطۂ نگاہ آزادانہ تجارت کے حق میں ہے لہذا تجارتی پابندیاں کم سے کم ہونی چاہیں تاکہ خوش حالی میں اضافہ ہو۔(۴ب) تجارت ہی کے ضمن میں ایک اہم پہلو سود ہے۔ سیوہاروی صاحب اس کی اقسام تسلیم نہیں کرتے اور سود اور ربا کو ایک ہی شے گردانتے ہیں۔(۵ب) ربا الفضل کی حرمت تسلیم کرتے ہیں۔(۶ب) سود کی اس منفی خصوصیت کے سبب کہ وہ

۱۔ مولانا محمد حفظ الرحمٰن سیوہاروی، اسلام کا اقتصادی نظام، ص ۱۳۹

۲۔ ایضاً، ص ۱۵۳

۳۔ ایضاً، ص ۲۴۲

۴۔ ایضاً، ص ۲۵۶

۵۔ ایضاً، ص ۲۹۵

۶۔ ایضاً، ص ۳۰۵

ارتکازِ دولت پیدا کرتا ہے بینکاری نظام کو درست نہیں سمجھتے ان کے نزدیک اس کی اہمیت اگر ہے تو وہ صرف سرمایہ داروں کے لئے ہے۔ ایک صحیح اسلامی نظام میں بینکوں کی کوئی ضرورت باقی نہیں رہتی۔(۱-ب) تاہم انتہائی ناگریز صورت میں مضاربت کی بنیاد پر بینک کے کاروبار کو تسلیم کرتے ہیں۔(۲-ب)بینکوں کے متبادل کے طور پر وہ باہمی تعاون کی انجمنوں کا طریقہ کار تجویز کرتے ہیں جن میں رقوم اخلاقی اصولوں کی بنیاد پر لگائی جائیں اور ان کے اخراجات عوام الناس پر محاصل عائد کر کے پورے کئے جائیں۔(۳-ب) یا پھر دیگر شرعی طریقوں مثلاً مشارکہ اور شراکت داری کی مختلف اقسام سے مدد لی جاسکتی ہے۔

۵۔ نجی ملکیت اور مخصوص حالات میں اس کی تحدید

اسلام میں نجی ملکیت پر کوئی پابندی نہیں ہے۔ اس ضمن میں اشیاء منقولہ وغیر منقولہ جائیداد اور ذرائع پیداوار میں کوئی تخصیص نہیں ہے۔ تاہم بعض حالات میں اس حق کی تحدید ممکن ہے۔ بالخصوص ایسی اشیاء نجی ملکیت میں نہیں دی جاسکتیں جو عوام الناس کے لئے ہوں۔(۴-ب) ان میں کانیں، معدنیات وغیرہ شامل ہیں جو حکومتی تحویل میں رہنی چاہیں۔(۵-ب) اسی بنیاد پر وہ اجارہ داری کی بھی مخالفت کرتے ہیں کیونکہ اجارہ داری استحصال کا سبب بنتی ہے۔(۶-ب) اسی بنیاد پر زمین کی نجی ملکیت کو چند شرائط وقیود کے ساتھ تسلیم کرتے ہیں۔

۶۔ سرمایہ اور محنت میں توازن

اسلام سرمایہ اور محنت میں توازن برقرار رکھتا ہے کیونکہ آجر اور اجیر دنوں کے متعلق ایسے

۱۔ مولانا محمد حفظ الرحمٰن سیوہاروی، اسلام کا اقتصادی نظام، ص ۳۰۶
۲۔ ایضاً، ص ۳۰۸
۳۔ ایضاً، ص ۳۰۹
۴۔ ایضاً، ص ۳۱۵
۵۔ ایضاً، ص ۳۲۷
۶۔ ایضاً، ص ۳۳۳

احکامات ہیں جو ان کو انسب طریقے سے اپنے فرائض ادا کرنے پر راغب کرتے ہیں۔(ا؂)

اس کے علاوہ نظامِ زکواۃ سے سرمایہ داری کی راہ مسدود ہوتی ہے اور غرباء کی حاجت روائی بخوبی ہوتی ہے اگر صرف زکواۃ صحیح طریقے سے ادا، وصول اور تقسیم کی جائے تو یہ سرمایہ داری اور غربت دونوں کے خاتمے کے لئے کافی ہے۔(۲؂)

تجزیہ

جہاں تک سیوھاروی صاحب کی معاشی فکر کا تعلق ہے وہ ایک صالح معاشی نظام کے خدوخال ترتیب دیتے ہیں تاہم ایک ایسا نظام جس میں حکومت ایک موثر کردار کی حامل ہے۔ کیونکہ اس نظام کی بنیاد وہ تمام افراد کی معاشی خود کفالت اور ہر قسم کے استحصال کے خاتمے پر رکھتے ہیں جو انفرادی سطح پر ظاہر ہے ممکن نہیں ہے اسی لئے وہ حکومت سے ایک ایسے نظام کی تعمیر کی توقع رکھتے ہیں جس میں یہ دو شرائط پوری ہو رہی ہوں اور استحصال کے خاتمے کے لئے وہ حکومت کو فالتو دولت و جائیداد بحقِ سرکار ضبط کرنے کا اختیار بھی دیتے ہیں چاہے اس کے تمام واجبات ادا ہی کیوں نہ ہو چکے ہوں۔ اسی وجہ سے زمین کی نجی ملکیت تسلیم کرنے کے باوجود اسے متعدد حدود و شرائط کا پابند کر دیتے ہیں کسبِ معیشت پر زور، انفاق اور اعتدال و توازن پر زور ان کی فکر کے بنیادی عناصر ہیں۔

مولانا مناظر احسن گیلانی

مولانا مناظر احسن گیلانی کی معاشی فکر کی نمائندہ ان کی کتاب ''اسلامی معاشیات'' کہی جا سکتی ہے جو بقول مصنف اردو میں اس موضوع پر پہلی کتاب ہے۔(۳؂) مولانا کی معاشی فکر تین حصوں میں

۱۔ ایضاً، ص ۳۳۹

۲۔ ایضاً، ص ۳۴۱

۳۔ سید مناظر احسن گیلانی، اسلامی معاشیات، فاتحۃ الکتاب

تقسیم کی جاسکتی ہے۔

۱۔ خدا ،انسان اور کائنات کی اقنوم ثلاثہ کا باہمی اقتصادی تعلق

۲۔ قرآن کا معاشی نظام

۳۔ اسلامی معاشی تعلیمات کے قانونی پہلو

ان حصوں کا انفرادی تجزیہ مندجہ ذیل ہے۔

۱۔ خدا ،انسان اور کائنات کی اقنوم ثلاثہ کا باہمی اقتصادی تعلق

گیلانی صاحب کے نزدیک کائنات کی تخلیق کے منجملہ مقاصد میں سے ایک مقصد انسانوں کو رزق کی فراہمی ہے (۱ ب) اس حوالے سے کائنات کا کردار سلبی ہے جب کہ انسانی کردار ایجابی ہے۔ یہ کائنات وسائل کی دولت سے مالا مال ہے اور اس کے دروازے بلا تخصیص سب کے لئے کھلے ہیں۔(۲ ب) جو جتنی محنت کرے گا اسی قدر پھل پالے گا یعنی حق محنت بقدر محنت اس ضمن میں وہ قرآن مجید کی آیت لیس للانسان الا ماسعیٰ (۳ ب) سے یہ نتیجہ اخذ کرتے ہیں تاہم اس حوالے سے انہوں نے مزید بحث نہیں کی۔

جہاں تک محنت کا تعلق ہے وہ آجر یا اجیر کسی ایک شکل میں ممکن ہے۔ جو شخص جس پوزیشن میں ہے اسے چاہئے کہ وہ اکتسابِ رزق کے لئے محنت کرے۔ (۴ ب) تاہم دوسروں کی محنت سے ناجائز منفعت اٹھانا صحیح نہیں ہے۔ (۵ ب) لہذا معاشی جدو جہد لازمی ہے یہاں تک کہ یہ جہاد فی سبیل اللہ کے مترادف ہے۔ (۶ ب) اس ضمن میں وہ مختلف انبیائے کرام علیہم السلام کی مثالیں دیتے ہوئے یہ بتاتے

۱۔ سید مناظر احسن گیلانی، اسلامی معاشیات، ص ۱

۲۔ ایضاً ، ص ۱

۳۔ القرآن، سورۃ النجم، آیت ۳۹

۴۔ سید مناظر احسن گیلانی، اسلامی معاشیات، ص ۱۷

۵۔ ایضاً ، ص ۱۶

۶۔ ایضاً ، ص ۲۸

ہیں کہ رزقِ حلال کی جدو جہد ہمیشہ سے شیوۂ انبیاء رہا ہے نہ صرف رزقِ حلال بلکہ ایجادات واختراعات کو بھی وہ انبیاء سے منسوب کرتے ہیں مثلاً کشتیٔ نوح علیہ السلام اپنے عہد کے اعتبار سے ایک انقلابی ایجاد تھی۔ اسی طرح حضرت داؤد علیہ السلام کی لوہے کی زرہ بکتر کی ایجاد یا حضرت سلیمان علیہ السلام کے بارے میں قرآن مجید کا یہ بیان کہ ہوا ان کے قابو میں کر دی گئی تھی ان تمام واقعات میں گیلانی صاحب کے نزدیک اللہ نے اپنے نبیوں پر وہ طبعی قوانین منکشف کر دیئے تھے جن سے متذکرہ بالا امور ممکن ہوئے۔ آج بھی اگر ان طبعی قوانین پر تدبر کیا جائے تو بہت سے نئے انکشافات ممکن ہیں۔(۱ب) ان کے علاوہ اور کئی دیگر واقعات کے حوالے سے وہ یہ نتیجہ اخذ کرتے ہیں کہ اسلام دین آباد کرنے سے پہلے دنیا کو آباد کرنے کا مطالبہ کرتا ہے۔(۲ب) گیلانی صاحب کی فکر کا ایک نمایاں پہلو ان کا یہ مطالبہ ہے کہ ہمیں ان قوانین کو سمجھنا چاہیے جن پر رزق کی تنگی و فراوانی کا انحصار ہے۔(۳ب) اسلامی معاشی فکر کے حوالے سے یہ ایک ایسا پہلو ہے جس پر بہت کم غور و خوض ہوا ہے تاہم گیلانی صاحب نے بھی اس پہلو کی نشاندہی تو کی ہے ان قوانین سے بحث نہیں کی۔ انہوں نے یقیناً اس بات پر زور دیا ہے کہ طبعی قوانین کی طرح معاشی قوانین بھی وضع کرنے کی ضرورت ہے تاکہ ایک واضح معاشی لائحہ عمل وضع کیا جاسکے۔(۴ب)

اسی حوالے سے وہ دو سوالات پر بحث کرتے ہیں اول یہ کہ تمام معاشی ذرائع کا خالق کون ہے دوم یہ کہ اشیاء کیسے پیدا کی جاتی ہیں؟

جہاں تک پہلے سوال کا تعلق ہے وہ ان کے نزدیک ایک طے شدہ امر ہے اور وہ یہ کہ خالق صرف اللہ کی ذات ہے۔

۱۔ سید مناظر احسن گیلانی، اسلامی معاشیات، ص ص ۳۲۔۳۰

۲۔ ایضاً، ص ۴۶

۳۔ ایضاً، ص ۵۹

۴۔ ایضاً، ص ۵۲

جہاں تک دوسرے سوال کا تعلق ہے کہ اشیاء پیدا کیسے کی جاتی ہیں اس کے لئے علم، مشاہدہ، تحقیق و تجربے کی ضرورت ہے عقل کی مدد سے پیدائشِ دولت کے قوانین دریافت کئے جا سکتے ہیں۔(ا-)

تاہم اس تدبیری پہلو کے ساتھ ساتھ دعا بھی ضروری ہے جہاں تک اقنوم ثلاثہ کے رکن اعظم یعنی اللہ کا تعلق ہے گیلانی صاحب کا نقطۂ نظر خاصا منفرد اور روایتی سوچ سے الگ ہے۔ گیلانی صاحب سورۃ القریش سے یہ استشہاد کرتے ہیں کہ اس سورۃ میں حق تعالیٰ نے قریش پر اپنے معاشی احسانات گنوائے ہیں بالفاظ دیگر حق تعالیٰ کو الہ المعاش تسلیم کرنے کا مطالبہ کیا گیا ہے۔(۲-) ان کے نزدیک اللہ کو الہ المعاد تو مسلمان تسلیم کرتے ہیں لیکن جب تک اسے الہ المعاش بنا کر مسلمانوں کے سامنے پیش نہیں کیا جائے گا اس وقت تک الہ المعاد والے خدا سے بھی ان کا وہ تعلق قائم نہیں ہو سکتا جو قرآن کا مسلمانوں سے مطالبہ ہے۔ اس تصور کا مطلب اللہ کی دیگر صفات اور صفت ربوبیت میں صحیح تناظر و توازن ہے۔(۳-) جس میں فی الحال صرف عبدیت یا عبادت کے پہلو کو ہی سامنا رکھا جاتا ہے جب کہ تمام صفات میں توازن لازم ہے۔(۴-)

۲۔ قرآن کا معاشی نظام

گیلانی صاحب کے نزدیک قرآن کے معاشی نظام کی بنیاد تین امور پر ہے ان میں امر اوّل یہ ہے کہ انسان کو دیگر حیوانات کے مقابلے میں ضعیف پیدا کیا گیا ہے، دیگر حیوانات کے بچے پیدائش کے فوراً بعد تلاشِ رزق میں جت جاتے ہیں جب کہ انسان ایک طویل مدت تک دوسروں کے رحم و کرم پر رہنے

ا۔ سید مناظر احسن گیلانی، اسلامی معاشیات، ص ۵۹

۲۔ ایضاً، ص ۶۱

۳۔ ایضاً، ص ۷۳

۴۔ ایضاً، ص ۷۵

کے بعد تلاشِ رزق کے قابل ہوتا ہے۔ اور یہ بھی صرف جوانی تک محدود ہے بڑھاپے میں پھر دوسروں کے رحم و کرم پر ہوتا ہے۔(۱-ب) دوسری طرف انسان لالچی بے صبرا، ناشکرا اور ہوس کا مارا ہوا ہے اور حبِ مال میں انتہا پسند ہے۔(۲-ب) انسان کی یہی دو خصوصیات معاشی نظام کی اساس بنتی ہیں۔

دوسرا امر یہ ہے کہ انسانی خواہشات کی تکمیل کے لئے دستیاب وسائل محدود ہیں یہی وجہ ہے کہ زمین سے ایک خاص پیمانے کے مطابق رزق نکلتا ہے اور یہ اتنا کافی ہوتا ہے کہ انسانوں کی پرورش کر سکے۔(۳-ب)

تیسرا امر کسبِ معیشت کی صلاحیت کا فرق ہے جو منجانب اللہ ہے۔ وہ لوگ جو اکتسابِ رزق کی بہتر صلاحیتوں کے حامل ہوتے ہیں وہ اضافی رزق حاصل تو کر لیتے ہیں لیکن فطری ہوس کی وجہ سے واپس نہیں کرتے۔(۴-ب) انسانی ہوس ایک اندھا کنواں ہے جسے بھرا نہیں جاسکتا۔ رہبانیت کی بنیادی غلطی یہی ہے کہ ایسا کنواں جسے بھرا نہیں جاسکتا اس میں ڈاٹ اڑا کر اسے بند کرنے کی کوشش کی جاتی ہے یہ ایک غیر فطری عمل ہے اور اس کے نتائج ہمیشہ تباہ کن ہوتے ہیں۔(۵-ب)

سرمایہ دارانہ نظام میں اس مشکل کا حل یہ تلاش کیا گیا کہ قدرت، معاش کے جس نظام کو قصداً غیر مبسوط رکھنا چاہتی ہے اسے مبسوط بنا دیا جائے یہ قدرت کے خلاف جنگ ہے۔ نظامِ سرمایہ داری نے انفرادی محنت کو توسیع افادہ کے لئے اجتماعی محنت میں بدل دیا لیکن اس طرح کہ صرف سرمایہ دار اور اجارہ دار کی انفرادیت برقرار رہے اس کے نتیجے میں ہر طاقتور نے کمزور کو نگلنا شروع کر دیا اور یہاں تک کہ معاشرے میں جنگل کا قانون لاگو ہو گیا۔(۶-ب)

۱۔ سید مناظر احسن گیلانی، اسلامی معاشیات، ص ۱۰۲

۲۔ ایضاً، ص ۱۱۲

۳۔ ایضاً، ص ص ۱۱۷-۱۱۴

۴۔ ایضاً، ص ص ۱۰۹-۱۰۶

۵۔ ایضاً، ص ص ۱۲۰-۱۱۹

۶۔ ایضاً، ص ص ۱۲۱-۱۲۰

دوسری طرف اشتراکیت نے دوسرے فطری قانون یعنی مدارج و مراتب کے فرق کو ختم کرنا چاہا تھا اور مصنف اور موچی کو ایک ہی صف میں لا کر کھڑا کر دیا۔ یہ کوشش بھی پرانی شراب نئے پیالے میں پیش کرنے کے مترادف تھی یعنی جو کنواں بھرا نہ جاسکے اسے بند کر دیا جائے۔ سرمایہ داری نے اولاد آدم کے ایک بڑے حصے کو غربت کی زندگی گزارنے پر مجبور کیا تھا لیکن اشتراکیت نے یہ دیکھ کر کہ سب امیر نہیں ہو سکتے لہذا سب کو غریب کرنے کی حکمت عملی اختیار کی۔ یہ محض فطرت سے جنگ ہے اور فطرت کو کسی صورت ہرایا نہیں جاسکتا۔ (۱)

اس مسئلے کا حل اسلامی پس منظر میں فطرت سے صلح کی صورت میں ہے۔ فطرت کے قوانین بر حق ہیں انہیں اللہ نے اپنی مشیت سے طے کیا ہے لہذا اللہ سے یہ توقع نہیں کی جاسکتی کہ وہ کوئی ایسا قانون بنائے گا جس سے اس کے بندے پریشانی میں مبتلا ہو جائیں لہذا فطرت کے قوانین بر حق ہیں اور فوز و فلاح صرف ان قوانین سے ہم آہنگی میں مضمر ہے۔ اس مقصد کے لئے اسلام "امالہ" کی راہ تجویز کرتا ہے۔ بالفاظ دیگر ایک قانون جسے وہ "قانونِ ازالہ" کا نام دیتے ہیں یعنی انسانوں کی منفی خواہشات کا ازالہ۔ اسلام انسان کی منفی خواہشات کو کفر کے خاتمے کی جانب موڑ دیتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ رذائل کے خاتمے کے لئے شیطان سے دشمنی مول لینے کو کہا جاتا ہے یہی شیطان کی وجہ پیدائش بھی ہے۔ (۲)

اس بنیاد پر ان کے نزدیک اسلامی نقطۂ نگاہ سے انسان امالہ کی مدد سے زندگی گزار سکتا ہے یعنی راضی بہ رضا ہو کر۔ انسان کو خود کو یہ سمجھانا چاہیے کہ اس کی لامحدود خواہشات کی آگ کسی صورت نہیں بجھ سکتی لہذا بہتر حل پارسائی ہے اور دنیاوی زندگی سے کہیں زیادہ اخروی حیات پر نظر رکھنی چاہیے جو پائیدار اور سدا رہنے والی ہے۔ (۳)

۱۔ سید مناظر احسن گیلانی، اسلامی معاشیات، ص ص ۱۲۴۔۱۲۱

۲۔ ایضاً، ص ص ۱۲۸۔۱۲۴

۳۔ ایضاً، ص ص ۱۴۱۔۱۲۸

اسلامی نقطۂ نگاہ سے درجات میں تفاوت محض اتفاقی ہے۔ یہ ایک غیر منطقی نفسیاتی کیفیت ہے۔ قرآن مجید رزق اور درجات کا فرق تسلیم کرتا ہے لہذا یہ محض خدا کی مرضی ہے اور اسے تبدیل نہیں کیا جا سکتا۔(۱)

رزق سب کو مل رہا ہے فرق صرف لذتِ کام ودہن کا ہے لیکن پیٹ میں جا کر تو سب غذائیں ایک جیسی ہو جاتی ہیں درجات کے فرق سے تو سماجی دنیا قائم ہے۔ اسی سے محنت کی تخصیصِ کار ہے اور یہ فرق تو اقوام کے مابین بھی ہے لہذا اس سے جنگ بے معنی ہے۔(۲)

غربت اس کارخانہ عالم میں ایک لازمی شے ہے۔ یہ انسانی تمدن، افراد کی تنظیم اور باہمی پیوستگی کے لئے ضروری ہے اگر سب انجن بن جائیں تو ڈبہ کون بنے گا؟ اگر تمام انسانی اعضاء دل بن جائیں تو ہاتھ، ٹانگ اور دیگر اعضاء کے فرائض کون انجام دے گا لہذا یہ سب تقدیر کا کھیل ہے۔ اللہ نے رزق کی مشیت کو اپنی طرف سے منسوب کیا ہے وہی اس کا ذمے دار ہے اس کے فیصلوں کو ہم نہیں جان سکتے لہذا راضی بہ رضا رہنا بہترین حل ہے۔(۳)

امارت اللہ کی رضا یا غربت اللہ کی ناراضگی کی علامت نہیں ہے۔(۴) فراخیٔ رزق کا مطلب ذمے داری میں اضافہ اور رزق میں کمی کا مطلب ذمے داریوں میں کمی ہے۔ زیادہ رزق انہیں کو دیا جاتا ہے جن میں بوجھ یا ذمے داری اٹھانے کی زیادہ صلاحیت ہوتی ہے ایسے لوگ چونکہ کم ہوتے ہیں لہذا امیروں کی تعداد بھی کم ہوتی ہے۔(۵)

۱۔ سید مناظر احسن گیلانی، اسلامی معاشیات، ص ص ۱۴۷۔۱۴۱

۲۔ ایضاً، ص ص ۱۵۷۔۱۴۹

۳۔ ایضاً، ص ص ۱۶۴۔۱۶۰

۴۔ ایضاً، ص ص ۱۶۵۔۱۶۴

۵۔ ایضاً، ص ۱۶۷

تجزیہ

جہاں تک مولانا کی معاشی فکر کے تجزیاتی پہلو کا تعلق ہے اس میں کوئی شبہ نہیں کہ انہوں نے اپنی فکر میں یقیناً کچھ پہلو ایسے پیش کئے ہیں جو بہت اہمیت کے حامل ہیں مثلاً اس امر پر زور دینا کہ :۔

ا۔ طبعی قوانینِ فطرت کی طرح ایسے قوانین بھی دریافت کئے جانے چاہئیں جن پر رزق کی بست و کشاد کا انحصار ہے۔

۲۔ حقِ محنت بقدرِ محنت کا تصور یعنی انسان صرف وہی کچھ اپنے پاس رکھنے پر قادر ہے جس کے لئے اس نے محنت کی اس جانب دیگر مفکرین نے بھی گیلانی صاحب کے بعد توجہ دی ہے۔

۳۔ اللہ کا الہ المعاش کا تصور

۴۔ معجزات انبیاء کی مافوق الفطرت بنیادوں کی بجائے بنیادی طبعی قوانین کے ذریعے تشریح کی کوشش اور ان کے معاشی پہلوؤں پر زور یہ سب ایسے تصورات ہیں جنہیں اسلامی معاشی فکر کے تناظر میں منفرد کہا جاسکتا ہے۔ تاہم بدقسمتی سے خود گیلانی صاحب نے ان کی جانب صرف اشارہ کیا ہے ان پر تفصیلی بحث نہیں کی اور نہ ہی متاخرین ماہرین معاشیات نے توجہ دی اگر ان نکات پر مناسب توجہ دی جاتی تو شاید فکر و نظر کی نئی راہیں کھل جاتیں۔

تصویر کا دوسرا رخ یہ ہے کہ سرمایہ داری اور سوشلزم پر انتہائی عالمانہ انداز میں بحث کے بعد اور ان کی خامیوں کی نشاندہی کے بعد جب گیلانی صاحب جب اسلام کی معاشی تعبیر پر آتے ہیں تو اتنی انقلابی تعلیم دینے والا بدترین جبر کا نمائندہ بن جاتا ہے۔ اس طرح وہ تمام اعتراضات جو وہ خود دیگر نظامات پر کرتے ہیں خود ان کے تصور پر بھی آجاتے ہیں۔ محض راضی بہ رضا ہو جانا اور معاشی ناہمواریوں کے آگے سپر ڈال دینا اس مسئلے کا حل نہیں جو وہ اس حوالے سے تجویز کرتے ہیں۔

تاہم اس امر سے قطع نظر کہ معاشی ناہمواریوں کی بابت گیلانی صاحب کا نقطۂ نظر کیا ہے

ضرورت اس امر کی ہے کہ وہ نکات جو گیلانی صاحب نے پیش کئے ہیں انہیں موضوع تحقیق بنایا جائے۔

مولانا ابوالاعلیٰ مودودی

اس حوالے سے یقیناً دو رائے نہیں ہو سکتیں کہ مولانا مودودی نے برصغیر میں اسلام کی تعلیمات کے معاشی پہلو کو جس مؤثر جامع، علمی لیکن عام فہم انداز میں پیش کیا وہ کسی اور کے حصے میں نہیں آیا۔ وہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے علم کے اس پہلو کو باقاعدہ ایک مکمل شاخ کی حیثیت دی اور ان کی ذات ایک ایسا منبع ثابت ہوئی جس کی فکر کا پرتو آج بھی بیشتر اسلامی معاشی مفکرین کی تحریروں میں ملتا ہے۔

اس حوالے سے ان کے کام کی مختلف جہتیں ہیں مثلاً :۔

۱۔ اسلامی فلسفہ معیشت کی نوعیت وماہیت یا اس کے فلسفیانہ پہلو پر مباحث۔

۲۔ اسلام کی معاشی تعلیمات کی تشریح اور انہیں ایک منضبط شکل دینے کی کوشش۔

۳۔ مروجہ معاشی نظام کی اسلامی معاشی نظام میں تبدیلی کے فکری مباحث۔

۴۔ اسلام کا دیگر نظام ہائے معیشت سے موازنہ۔

۵۔ اپنے عہد کے معاشی مسائل کا تجزیہ (۱۔)

ان مختلف پہلوؤں کے تجزیے سے قبل مندرجہ ذیل نکات کا ذہن میں رکھنا ضروری ہے۔

۱۔ مولانا نے معاشی فلسفے کے ان پہلوؤں پر زیادہ بحث کی ہے جو الہیات سے متاثر ہوتا ہے۔ (۲۔)

۲۔ اسلام کے معاشی پہلو پر گفتگو کے وقت وہ یہ فرض کر لیتے ہیں کہ وہ ایک مثالی اسلامی معاشرہ

۱۔ محمد اکرم خان، مولانا مودودی کے معاشی تصورات، مقدمہ

۲۔ ایضاً، ص ص ۵۔۴

میں ان تعلیمات کی تفہیم کر رہے ہیں جو ابتدائی اسلامی عہد کی منہاج پر قائم ہے لیکن محض تمدنی اور
تیکنیکی لحاظ سے آگے ہے اسی وجہ سے عصر حاضر کے بہت سے مسائل کو یہ کہہ کر نظر انداز کر دیا ہے کہ
ایک آئیڈیل اسلامی معاشرے میں ان کا وجود ہی نہ ہو گا۔ (۱-) یہ انداز کسی حد تک سوشلسٹ اندازِ فکر
سے ملتا جلتا ہے جس کے تحت صرف نظام کے خدوخال پر بحث ہوتی ہے تاہم موجودہ معاشرے میں عملی
طور پر یہ نظام اور اخلاقیات قائم کیسے کیا جائے گا اس سے دونوں صرفِ نظر کر جاتے ہیں۔ (۲-)

۳۔ مولانا بنیادی طور پر راسخ العقیدہ قسم کے مفکر ہیں لہٰذا وہ دیگر معاملات کی طرح معاشی معاملات میں بھی اپنے آپ کو حتی الامکان اسلاف سے ہم آہنگ رکھتے ہیں۔

بنیادی معاشی مسئلہ

مولانا کے معاشی مباحث کا آغاز اس نکتے سے ہوتا ہے کہ "تمدن کی رفتار ترقی" برقرار رکھتے ہوئے کس طرح ایک ایسا نظام وضع کیا جائے جس میں عام لوگوں کی ضروریات کی تکمیل کے ساتھ ان کی صلاحیتوں کی جِلا کے بھی مواقع دستیاب ہوں۔ (۳-) تمدن کی ابتدائی سطح پر کوئی معاشی مسئلہ نہیں تھا لیکن تمدن کی بتدریج ترقی سے معیشت کی نئی جہتیں پیدا ہوئی اور اس کے نتیجے میں اجتماعی ظلم و زیادتی کے کئی نئے پہلو پیدا ہوئے۔ یہ معاشی ارتقاء کا فطری نتیجہ تھا جس سے اغماض ممکن نہیں لیکن اس کا حل تمدنی ارتقاء پر قدغن لگانا نہیں بلکہ اس ظلم و زیادتی کا خاتمہ ہے جو اس صورت حال کا منطقی نتیجہ ہے۔ (۴-)

مولانا کے نزدیک اس خرابی کی بنیادی وجہ تمدن کے بنیادی اصولوں یا تمدنی اداروں کی خرابی نہیں

۱۔ مولانا مودودی، سود، ص ص ۲۲۷۔۲۲۵

۲۔ محمد اکرم خان، مولانا مودودی کے معاشی تصورات، ص ص ۱۳۹۔۱۳۰

۳۔ مولانا مودودی، معاشیات اسلام، ص ص ۴۵۔۴۴

۴۔ ایضاً، ص ۴۸

بلکہ ایک متوازن اور طاقتور نظامِ اخلاق کی عدم موجودگی ہے۔ اگر انسانی اخلاقی صفات میں بھی تمدنی ترقی کے ساتھ ساتھ ترقی ہوئی ہوتی تو یہ عامل تمام خرابیوں کا استیصال کر دیتا۔ لیکن اصل خرابی وہاں واقع ہوئی جہاں اکتسابِ رزق کی بہتر صلاحیتوں کے حامل لوگوں نے وسائلِ رزق پر قبضے کے بعد ان ذرائع کو اپنی منفی خواہشات کی تکمیل کا ذریعہ بنالیا اور ان لوگوں کو جو معاشی ترقی کی دوڑ میں پیچھے رہ گئے تھے مکمل طور پر نظر انداز کر دیا۔(۱ـ) اس کے نتیجے میں قوم دو حصوں میں منقسم ہو گئی ایک دولت مند طبقہ اور ایک غریب طبقہ۔ یہی صورت حال بین الاقوامی سطح پر بھی ہے اقوام عالم دو حصوں میں منقسم ہیں ایک امیر اقوام اور دوسری غریب اقوام۔(۲ـ)

اس صورت حال میں جب کہ غریب کی پوری زندگی محض نان نفقہ پورا کرنے کی جدوجہد میں گزر جاتی ہے تو اس کی صلاحیتوں کی نشوونما کا کیا سوال رہ جاتا ہے۔ اس وقت تمام دنیا کا معاشی نظام اسی طرح سے ترتیب شدہ ہے لہٰذا ایک ایسے نظام کی ضرورت ہے، جو ایک طرف تمام انسانوں کو مناسب رزق کی فراہمی کا ذریعہ ہو تو دوسری طرف ان کی صلاحیتوں کی بھی نشوونما کا ذریعہ ہو۔(۳ـ)

اس حوالے سے ہمارے پاس تین متبادلات ہیں اول سوشلزم دوم سرمایہ دارانہ نظام اور سوم اسلام۔ مولانا کا تینوں معاشی نظاموں کا تجزیہ مندرجہ ذیل ہے۔

سوشلزم :۔

سوشلزم مولانا کے نزدیک ایک ایسی عمارت ہے جسے ابتدائے آفرینش سے تسلیم شدہ انسانی معیشت و تمدن کے اصولوں سے ۱۸۰ درجے کے زاویئے سے انحراف کر کے تعمیر کیا گیا ہے۔ یہ محض ان کچلے ہوئے طبقات کا ردِ عمل ہے جو بالا دست طبقات کی گرفت سے نجات چاہتے تھے۔(۴ـ)

۱۔ ایضاً، ص ص ۵۰۔۴۹

۲۔ ایضاً، ص ۵۱

۳۔ ایضاً، ص ۵۳

۴ـ مولانا مودودی، اسلام اور جدید معاشی نظریات، ص ص ۴۵۔۴۴

سوشلزم کا پورا فلسفہ من گھڑت اور حقیقت سے ماوراء ہے۔(۱ ـ)ان کے نزدیک سوشلزم "چند سر پھروں کی ایک نرالی اپچ تھی جس کے مقدمات، دلائل اور نتائج سب قطعی مہمل تھے۔"(۲ ـ)

جہاں تک اس نظام کی عملی صورتِ حال کا تعلق ہے یہ نظریئے سے بھی بری تھی اور جس مسئلے کے حل یعنی تقسیمِ دولت میں عدم مساوات کے خاتمے کیلئے اسے اختیار کیا گیا تھا اس کے نتائج اس سے بھی زیادہ خراب نکلے۔(۳ ـ)اس نظام پر ان کے بنیادی اعتراضات یہ ہیں۔

۱۔ تمام وسائل پر ایک مختصر گروہ قابض ہو جاتا ہے اور کوئی اس کی مخالفت کی جرات نہیں کر سکتا۔(۴ ـ)

۲۔ فرد کی اپنی حیثیت ختم ہو جاتی ہے اور وہ جماعت کا تابع مہمل بن جاتا ہے۔(۵ ـ)

۳۔ اشتراکیت پوری زندگی کو محض معاشیات کی آنکھ سے دیکھتی ہے اس یک طرفہ تماشے سے توازنِ حیات بگڑ جاتا ہے۔(۶ ـ)

۴۔ تمام تر دعوؤں کے باوجود دولت کی تقسیم میں عدم مساوات کو ختم نہیں کیا جاسکا بلکہ یہ الٹا اور بڑھ گئی۔(۷ ـ)

اس بنیاد پر وہ سوشلزم کو کسی معاشی مسئلے کا حل نہیں سمجھتے۔

---

۱ ـ مولانا مودودی، اسلام اور جدید معاشی نظریات، ص ۴۷

۲ ـ ایضاً، ص ۵۰

۳ ـ مولانا مودودی، معاشیات اسلام، ص ۵۳

۴ ـ ایضاً، ص ص ۵۴ ـ ۵۳

۵ ـ ایضاً، ص ۵۴

۶ ـ ایضاً، ص ص ۵۶ ـ ۵۵

۷ ـ ایضاً، ص ۵۹

سرمایہ دارانہ نظام :۔

مولانا سرمایہ دارانہ نظام کے بنیادی اصولوں یعنی نجی ملکیت کا حق، ذاتی منافع، فرد کی آزادیٔ عمل، مسابقت اور حکومت کی معاشی عمل میں کم سے کم مداخلت کو درست تسلیم کرتے ہیں۔(۱ـ) کیونکہ یہ اصولِ کاروبار اور معیشت کی بنیادیں ہیں۔ تاہم اصل خرابی وہاں پیدا ہوتی ہے جہاں سرمایہ دار ان اصولوں سے انحراف کر کے تمام فوائد خود سمیٹنے کی کوشش کرتے ہیں۔(۲ـ) اگرچہ وقت کے ساتھ بتدریج سماجی ارتقاء کے نتیجے میں اس نظام کی بعض خرابیوں کی اصلاح ہوئی اور کچھ منفی پہلوؤں کی شدت میں کمی ہوئی تاہم اب بھی متعدد خرابیاں ایسی ہیں جن کا ابھی تک کوئی حل دریافت نہیں ہوسکا ہے مثلاً بے روزگاری، تجارتی چکر، تقسیمِ دولت میں ناہمواری، کمزور اور غریب طبقات کا استحصال، قیمتوں کا مصنوعی اتار چڑھاؤ اور سود وغیرہ۔(۳ـ)

سرمایہ دارانہ نظام ان خرابیوں کی مطلوبہ اصلاح میں ناکام رہا ہے۔اس پس منظر میں مولانا اسلامی نظامِ معیشت کے خدوخال بیان کرتے ہیں کہ کس طرح اسلام تمدنی اور معاشی خرابیوں کا استیصال کرتا ہے۔

اسلامی نظامِ معیشت :۔

مولانا کے نزدیک اسلام کی معاشی تعلیمات لفظ نظام کے مقتضیات کو پورا نہیں کرتیں بلکہ اسلام ہمیں چند بنیادی معاشی اصول فراہم کرتا ہے جن کی مدد سے تعمیر کیا جانے والا نظام اسلامی معاشی نظام کہلاتا ہے۔(۴ـ) یہ اصول اسلامی نظریۂ حیات کا ایک حصہ ہیں،ان کی اس سے الگ کوئی حیثیت نہیں۔

۱ـ مولانا مودودی، اسلام اور جدید معاشی نظریات، ص ۶۶

۲ـ ایضاً، ص ۲۹

۳ـ ایضاً، ص ص ۸۸ـ ۸۴

۴ـ مولانا مودودی، معاشیات اسلام، ص ۱۴۴

یہ مکمل نظریہ حیات تجزیاتی مقاصد کیلئے تو معاشرتی نظام، سیاسی نظام، معاشی نظام اور اخلاقی نظام وغیر کی حدود میں تقسیم کیا جاسکتا ہے لیکن عملاً یہ تمام نظام ملکر ایک مکمل اور جامع نظام ترتیب دیتے ہیں جسے اسلام کہا جاتا ہے۔

اسلامی معاشی نظام کی خصوصیات :۔

مولانا کے نزدیک اسلامی معاشی نظام مندرجہ ذیل خصوصیات کا حامل ہوتا ہے۔

ا۔ انسانی آزادی :۔

اسلامی نقطہ نگاہ سے ہر فرد چونکہ انفرادی لحاظ سے اللہ کو جواب دہ ہے اس مقصد کیلئے اس کی شخصیت کی نشوونما کھلی فضاء میں ہونا ضروری ہے۔ اسے انتخاب و فیصلے کی آزادی ملنی چاہئے اسی وجہ سے اس نظام میں انفرادی طور پر کاروبار کے انتخاب اور جملہ فیصلوں کی آزادی ہوتی ہے تاہم یہ آزادی شرعی حدود سے مشروط ہوتی ہے۔(۱ے)

۲۔ اخلاقی اور مادی ہم آہنگی :۔

اسلام کی اساس چونکہ خدائے واحد پر ایمان پر ہے لہذ ایک مسلمان اخلاقی اقدار کا پابند ہوتا ہے اور اس کا طرزِ عمل چند مخصوص حدود کا تابع ہو جاتا ہے۔(۲ے)

۱ے مولانا مودودی، معاشیاتِ اسلام، ص ۱۵۴

۲ے ایضاً، ص ۱۴۶

۳۔ توافق و مطابقت :۔

اسلام وحدت انسانیت واخوت کا علمبردار ہے لہذا ایک اسلامی معاشرہ میں کوئی طبقاتی کشمکش نہیں ہوتی۔ جو طبقات پہلے سے معاشرہ میں ہوتے ہیں اسلام ان میں توافق و مطابقت پیدا کرتا ہے۔(۱۔)

۴۔ عدل :۔

اسلام کا منتہاو مقصود عدل کا قیام ہے۔(۲۔)

۵۔ تقسیم دولت :۔

اسلامی معاشی نظام کا ڈھانچہ ارتکازِ دولت کی راہ میں بڑی رکاوٹ ہے اس کا قانونِ وراثت، نظامِ محصولات اور انفاق پر غیر معمولی زور اسی مقصد کے حصول کے مختلف طرائق ہیں۔(۳۔)

اسلامی معاشی نظام کے بنیادی اصول :۔

مولانا کے نزدیک اسلامی معاشی نظام کے بنیادی اصول یہ ہیں۔

ا۔ نجی ملکیت :۔

اسلام نجی ملکیت کے ادارے کو تسلیم کرتا ہے اور اس ملکیت میں ذرائع پیداوار (Means of

---

۱۔ مولانا مودودی، معاشیاتِ اسلام، ص ۱۴۷

۲۔ ایضاً، ص ۳۷۹

۳۔ ایضاً، ص ۳۷۸

Production)اور اشیاء صرف (Consumer Goods) کی کوئی تخصیص نہیں اور اسی طرح محنت سے کمائی ہوئی آمدنی اور بغیر کسی محنت سے کمائی ہوئی آمدنی میں بھی کوئی فرق نہیں۔ اگر کوئی شرط ہے تو وہ یہ کہ حاصل ہونے والی آمدنی / دولت حلال ذرائع سے حاصل شدہ ہو اور اس کا استعمال صحیح ہو۔(۱ـ) بغیر کسی محنت سے حاصل ہونے والی آمدنی کا جواز انہیں وراثت اور مستحقینِ زکواۃ سے ملتا ہے۔(۲ـ) تاہم مستثنیات کی صورت میں اگر کسی شے کی نجی ملکیت کی بجائے اجتماعی ملکیت بہتر ہو تو کوئی نصِ قرآنی اس میں مانع نہیں ہے۔ لیکن نجی ملکیت کا علی الا طلاق استرداد قرآن سے مطابقت میں نہیں ہے۔(۳ـ)

تمام اشیاء کا مالکِ حقیقی صرف اللہ ہے۔ اشیاء پر انسان کا حق محض عارضی تصرف کا ہے۔ لہذا انسان ان اشیاء کے کسی ایسے تصرف کا حق نہیں رکھتا جو اللہ کے احکامات سے متصادم ہو اس طرح اسلام انسانوں کو سرمایہ دارانہ نظام کی طرح مطلق حقِ ملکیت نہیں دیتا ہے۔(۴ـ)

تمام قدرتی وسائل جو عام دستیاب ہوں وہ مباح عام ہیں تاہم تجارتی استعمال کی صورت میں ان پر محصول عائد کیا جاسکتا ہے۔(۵ـ) تاہم جماعت اسلامی کے منشور اور اس کی ایک تشریحی دستاویز (اسلامی حکمتِ معیشت) میں اس حق پر تحدید کا تصور موجود ہے۔(۶ـ)

ایسی اشیاء جو کسی کی ملکیت میں نہ ہوں مثلاً زمین، انہیں کوئی شخص اپنی محنت سے کار آمد بنائے تو وہ شخص اس کا مالک متصور ہوگا۔(۷ـ)

۱ـ مولانا مودودی، معاشیاتِ اسلام، ص ۱۴۸

۲ـ ایضاً، ص ۷۵

۳ـ ایضاً، ص ۷۷

۴ـ مولانا مودودی، تفہیم القرآن، ج ۵، ص ۳۰۶

۵ـ مولانا مودودی، معاشیاتِ اسلام، ص ۲۲

۶ـ مولانا مودودی، اسلامی حکمت معیشت، بحوالہ محمد اکرم خان، مولانا مودودی کے معاشی تصورات، ص ۱۳۹

۷ـ مولانا مودودی، معاشیاتِ اسلام، ص ۲۳

جائز شرعی طریقوں مثلاً کسب، ہبہ، وراثت اور لقطہ وغیرہ سے جو اشیاء واملاک یا زمین حاصل ہوں ان کی ملکیت ہر صورت میں نا قابلِ تنسیخ ہے۔(۱ـ)

۲۔ دولت کی منصفانہ تقسیم :۔

اسلام دولت کی منصفانہ تقسیم چاہتا ہے۔ دولت کی مساویانہ تقسیم غیر حقیقی تصور ہے۔(۲ـ) اس مقصد کیلئے اسلام چند قواعد متعین کرتا ہے مثلاً دولت صرف جائز اور حلال ذرائع سے حاصل کی جانی چاہیئے، حرام ذرائع رزق مثلاً رشوت، خیانت، دھوکہ، چوری، ناپ تول میں کمی، سود، جوا، سٹہ یا ایسی بیع جو قانونِ معاہدہ کی خلاف ورزی پر مبنی ہو ان سے آمدنی کا حصول حرام ہے۔(۳ـ) جائز ذرائع سے حاصل ہونے والی آمدنی بھی شراب، جوئے، زنا اور کسی بھی حرام امر پر نہیں لگائی جا سکتی۔(۴ـ) پس انداز شدہ آمدنی پر زکوٰۃ کی ادائیگی لازمی ہے۔(۵ـ) اسی طرح سے اسلام کا قانونِ وراثت دولت کی منصفانہ تقسیم کو یقینی بناتا ہے اور دولت کا ارتکاز نہیں ہوتا۔(۶ـ)

۳۔ آزاد معیشت :۔

اسلام آزاد معیشت کا علمبردار ہے لیکن یہ آزادی اخلاقی اقدار کے تحت ہوتی ہے۔ اسلام کا قانون تجارت اس قابل ہے کہ اس حوالے سے کسی بھی ظلم یا استحصال کو خواہ وہ انفرادی سطح پر ہو یا اجتماعی سطح پر اس کا استیصال کر دیتا ہے۔(۷ـ)

۱ـ ایضاً، ص ۲۳

۲ـ مولانا مودودی، معاشیاتِ اسلام، ص ۱۴۹

۳ـ ایضاً، ص ۱۵۰

۴ـ ایضاً، ص ۱۵۱

۵ـ مولانا مودودی، خطبات، ص ۲۰۸

۶ـ مولانا مودودی، معاشیات اسلام، ص ۱۵۷

۷ـ ایضاً، ص ص ۳۹۰ـ۳۸۶

۴۔ریاست کا کردار :۔

ایک فلاحی ریاست کا قیام اسلامی حکومت کی ذمے داری ہے وہ اخلاقی حدود کی عمل داری کی پاس دار بھی ہوتی ہے اسے زکوۃ کے علاوہ دیگر محاصل عائد کرنے کا حق ہے محض ضرورت کے تحت وہ قومیانے کا قدم بھی اٹھا سکتی ہے۔(۱ ـ)

۵۔اخلاقی اقدار کی حکمرانی :۔

اسلامی نظامِ معیشت کا اہم ترین اصول اخلاقی اقدار کی حکمرانی ہے۔(۲ ـ) ان اخلاقی اقدار کی وجہ سے ہی اسلامی معیشت میں افراد ان تمام برائیوں سے مجتنب رہتے ہیں جو دیگر نظام ہائے معیشت میں عام ہیں۔(۳ ـ) ان اقدار میں عدل، احسان، ایثار، انفاق، صلہ رحمی، معاشی دیانت داری اور انصاف اور عام برائیوں سے اجتناب شامل ہے۔

عاملینِ پیدائش کے حوالے سے مباحث :۔

مولانا چار عاملینِ پیدائش کے تصور سے اتفاق کرتے ہیں۔(۴ ـ) ان عاملین میں سے زمین، محنت اور سرمایہ کے بارے میں مولانا نے تفصیل سے بحث کی ہے۔ ان کے اس حوالے سے خیالات کا جائزہ مندرجہ ذیل ہے۔

۱ـ مولانا مودودی، معاشیات اسلام، ص ص ۳۹۰۔۳۸۶

۲ـ ایضاً، ص ۱۱۶

۳ـ ایضاً، ص ۱۱۶

۴ـ ایضاً، ص ۱۵۲

مسئلہ ملکیت زمین :۔

مولانا کے نزدیک دیگر اشیاء کی طرح زمین کی نجی ملکیت نہ صرف جائز ہے بلکہ لامحدود حد تک ممکن ہے۔(۱-) تاہم مخصوص استثنائی صورتوں میں اس کی حد معین کی جاسکتی ہے مثلاً ایسی صورت میں جب کوئی شخص اپنے ملکیتی حقوق استعمال کرنے کا اہل نہ ہو یا بے جا استعمال کرے جس سے اجتماعی فساد کا اندیشہ ہو تو اس کے ملکیتی حقوق سلب کئے جاسکتے ہیں۔(۲-) اس بنیاد پر زمین کی ملکیت کی حد مقرر کی جاسکتی ہے تاہم صرف عارضی طور پر جس کا مقصد ناہمواریوں کا خاتمہ ہو۔(۳-)

زمین کی نجی ملکیت تسلیم کرنے سے لامحالہ مزارعت کا سوال سامنے آتا ہے۔ مولانا کے نزدیک مزارعت جائز ہے تاہم یہ معاہدہ ناانصافی پر مبنی نہیں ہونا چاہیئے ورنہ وہ فاسد ہو جائے گا۔ اس حوالے سے مولانا نے بہت تفصیل سے ان احادیث کا جائزہ لیا ہے جو مزارعت کے مخالفین اپنے استدلال کے حق میں پیش کرتے ہیں اور یہ ثابت کیا ہے کہ ان احادیث میں پوری بات نقل نہیں ہوئی۔ ان کے مطابق " مزارعت کی صرف وہ شکلیں ناجائز ہیں جن میں ایک فریق کا حصہ متعین اور دوسرے کا محض بخت و اتفاق پر مبنی ہو یا زمین کے بعض حصوں کی پیداوار مالک کیلئے اور بعض دوسرے حصوں کی پیداوار مزارع کیلئے قرار پائے یا جن میں کسی نوعیت کا ابہام یا تنازع پایا جاتا ہو۔' (۴-)

مولانا اس نظریئے کو کہ ملکیتِ زمین کی حد، حدِ خود کاشتکاری تک ہونی چاہیئے تسلیم نہیں کرتے کیونکہ اول تو اس سے مزارعت کی نفی ہو گی اور دوم اس کے نتیجے میں متعدد اسلامی قوانین کو بدلنا لازم ہو گا مثلاً اسلام کا نظریۂ ملکیت، اسلامی قانونِ وراثت اور اسلامی قانونِ تجارت وغیرہ۔(۵-) مزید

۱- مولانا مودودی، اسلام اور جدید معاشی نظریات، ص ۱۵۱

۲- مولانا مودودی، معاشیاتِ اسلام، ص ۲۲۵

۳- ایضاً، ص ۴۰۴

۴- محمد اکرم خان، مولانا مودودی کے معاشی تصورات، ص ۵۲

۵- مولانا مودودی، مسئلہ ملکیتِ زمین، ص ص ۸۱-۷۶

بر آں جب مضاربت ایک عموی طور پر تسلیم شدہ حقیقت ہے تو اس کا زمین پر اطلاق کیوں نہیں ہو سکتا؟ لہٰذا انصاف کے اصولوں پر طے ہونے والا معاہدۂ مزارعت جائز ہے۔(۱ے)

محنت :۔

سرمائے اور محنت کی کشمکش کے حوالے سے مولانا سرمایہ دارانہ نظام اور اشتراکیت دونوں کو محنت کے استحصال کا ذریعہ گردانتے ہیں۔(۲ے) اس صورت حال میں واحد حل ایک جامع اور ہمہ گیر انقلاب ہے جو اعلیٰ اخلاق اور تربیت کی بنیاد پر اسلام کے معاشی انصاف کے حصول کو یقینی بنا سکے۔(۳ے)

بالالفاظ دیگر ان دونوں میں کشمکش کی جگہ باہمی تعاون و توافق پیدا کیا جائے۔ ان تمام شکلوں کو ختم کر کے جو تضاد پیدا کرتی ہوں محبت و اخوت کا اسلامی رشتہ پیدا کیا جائے۔(۴ے) آجر اور اجیر دونوں کی اخلاقی تربیت سے یہ مقصد حاصل ہو سکتا ہے۔(۵ے) اس مقصد کیلئے یہ ضروری ہے کہ اجرتوں کی کم سے کم سطح اشیاء صرف کی قیمتوں کے لحاظ سے اتنی ضرور ہونی چاہئے کہ مزدور اپنے کنبے کی کفالت آسانی سے کر سکے۔(۶ے) کم تنخواہ پانے والے ملازمین کو بنیادی ضروریات کی تکمیل کیلئے مناسب سہولتیں دی جائیں۔(۷ے) مزدوروں کو صنعتوں کی ملکیت میں حصہ دار بنایا جائے۔(۸ے) نیز موجودہ قوانینِ محنت تبدیل کر کے ایسے قوانین بنائے جائیں جو ان دونوں فریقین کی کشمکش کو حقیقی تعاون میں تبدیل

۱ے مولانا مودودی، معاشیاتِ اسلام، ص ۲۲۲
۲ے مولانا مودودی، معاشیاتِ اسلام، ص ص ۳۹۶۔۳۹۵
۳ے ایضاً، ص ۳۹۷
۴ے ایضاً، ص ص ۴۰۲۔۴۰۰
۵ے ایضاً، ص ص ۴۰۲۔۴۰۰
۶ے ایضاً، ص ۴۰۴
۷ے ایضاً، ص ۴۰۵
۸ے ایضاً، ص ۴۰۵

کر دیں۔(۱ے)

محنت کی رسد۔ خاندانی منصوبہ بندی :۔

مولانا کے نزدیک ضبطِ ولادت کا اسلام میں کوئی تصور نہیں ہے اور اسلام اس کے خلاف ہے یہ تحریک مغرب کے اپنے مخصوص ماحول وحالات کی پروردہ ہے ۔ لیکن مغرب کو اس کی بھاری قیمت بھی اخلاقی زوال، معاشرتی پراگندگی اور پیچیدگیوں کی شکل میں ادا کرنی پڑی ہے۔(۲ے) اس کے برعکس اسلام چونکہ تمام سماجی اور معاشی برائیوں کا مکمل خاتمہ کر دیتا ہے، وہ عورتوں اور مردوں کے علیحدہ دائرہ کار متعین کر کے ایک جامع اخلاقی نظام دیتا ہے جس کی وجہ سے اسلامی معاشرہ میں ضبطِ ولادت جیسی کسی تحریک کی کوئی گنجائش نہیں۔(۳ے)

سرمایہ :

تیسرا عاملِ پیدائش سرمایہ اپنے معاوضے سود کی وجہ سے مولانا کی خصوصی توجہ کا مستحق بنا۔ وہ سرمایہ کو بطور عاملِ پیدائش نفع میں شراکت دار تسلیم کرتے ہیں لیکن اس کا ایک معینہ معاوضہ سود کی شکل میں تسلیم نہیں کرتے کیونکہ کاروباری نفع کئی عوامل سے مشروط ہوتا ہے لہٰذا جب تک حتمی نفع / نقصان کا تعین نہ ہو سرمایہ کا متعینہ معاوضہ انصاف کے اصولوں کی رو سے صحیح نہیں ہے۔(۴ے)

مولانا پہلے سود کے حق میں دیئے جانے والے مغربی مفکرین کے دلائل کا استرداد کرتے ہیں مثلاً :۔

۱ے ایضاً ص ۴۰۵

۲ے مولانا مودودی، اسلام اور ضبطِ ولادت، ص ص ۴۵۔ ۲۲

۳ے ایضاً، ص ۳۰

۴ے محمد اکرم خان، مولانا مودودی کے معاشی تصورات، ص ص ۵۶۔ ۵۵

۱۔ سود کے حق میں ایک دلیل یہ دی جاتی ہے کہ سود دائن کے ایثار کا معاوضہ ہوتا ہے جو وہ قرض خواہ کیلئے کرتا ہے۔ مولانا کا اس پر اعتراض یہ ہے کہ ایثار ایک اخلاقی قدر ہے اور اخلاقی فعل کا معاوضہ کیسے وصول کیا جاسکتا ہے۔(۱)

۲۔ بعض اوقات سود کو بطور ہرجانہ طلب کیا جاتا ہے۔ لیکن ظاہر ہے زائد از ضرورت رقم کسی کو دینے سے دائن کا کوئی نقصان نہیں ہوتا لہذا ہرجانہ کا کوئی سوال نہیں۔(۲)

۳۔ سود رقم کے استعمال کا معاوضہ یعنی کرایہ بھی نہیں کیونکہ کرایہ پر دی جانے والی اشیاء وہ ہوتی ہیں جو فرسودگی کا شکار ہوں جبکہ روپیہ / کرنسی محض ایک ذریعۂ مبادلہ ہے اور ایک مخصوص مدت کے بعد دائن اصل رقم اصل حالت میں وصول کرلیتا ہے لہذا کرنسی چونکہ فرسودہ نہیں ہوتی لہذا اس کا کرایہ بھی ممکن نہیں۔(۳)

۴۔ بعض اوقات یہ کہا جاتا ہے کہ سود کی صورت میں چونکہ مدیون، دائن کی رقم سے منفعت اٹھاتا ہے لہذا دائن کا اس میں حصہ ہونا چاہئے۔ لیکن اس دلیل کی تمام تر معقولیت کے باوجود مسئلہ یہ ہے کہ جب تک حتمی طور پر نفع / نقصان کا پتہ نہ چلے قبل از کاروبار پہلے سے یہ متعین کرلینا کہ دائن اتنی رقم کا حقدار ہوگا کہیں سے بھی معقولیت کی راہ نہیں پاتا۔ اس صورت میں مدیون جس نے کاروبار میں اپنی محنت، صلاحیت اور وقت لگایا ہے وہ تو غیر یقینیت کا شکار ہے جبکہ دائن محض اپنے سرمائے کی وجہ سے ایک یقینی رقم کا حقدار بن جاتا ہے۔ یہ محض ظلم ہے۔(۴)

۵۔ اس حوالے سے سود کے حق میں ایک دلیل یہ بھی ہے کہ سود وقت کا معاوضہ ہے دائن اپنی رقم مدیون کو دے کر اسے ایک خاص وقت کی مہلت دیتا ہے، تاکہ وہ منافع حاصل کرسکے اور سود اسی

۱۔ مولانا مودودی، سود، ص ٦٦

۲۔ مولانا مودودی، سود، ص ٦٧

۳۔ ایضاً

۴۔ ایضاً، ص ص ٦٧۔٦٨

وقت یا مہلت کا معاوضہ ہے جو دائن، مدیون سے وصول کرتا ہے۔ اس دلیل میں بھی نقص یہ ہے کہ سرمائے کو نفع آور شے قرض کر لیا گیا ہے حالانکہ اس سے منافع کا حصول متعدد عوامل سے مشروط ہوتا ہے اور دوسرا اعتراض یہ ہے کہ کاروبار جیسے غیر یقینی معاملے میں پہلے سے متعین کر لیا گیا ہے کہ منافع لازمی ہوگا اور دائن اس میں حصے دار بن جاتا ہے جو غیر معقول امر ہے۔(۱-ب)

۶۔ سود کے حق میں ایک دلیل یہ دی جاتی ہے کہ دائن اپنے فوری مفاد کی قربانی دے کر مستقبل کے غیر یقینی فائدہ کو قبول کر لیتا ہے لہذا اس کی آج کی رقم کی قیمت جو وہ مدیوں کو دیتا ہے کل کی اس رقم سے یقیناً زیادہ ہے جو مدیوں اس کو ایک خاص مدت کے بعد ادا کرے گا لہذا سود وہ قدرِ زائد ہے جو ادائیگی کے وقت اصل میں شامل ہو کر اس کی قیمت کو اس رقم کے برابر کرتی ہے جو مقروض نے قرض لیتے وقت دائن سے لی تھی۔ گویا اس دلیل کا بنیادی مفروضہ یہ ہے کہ آج کل سے زیادہ قیمتی ہے۔ یہ مفروضہ بھی اپنے اندر وزن نہیں رکھتا کیونکہ مشاہدہ سے ثابت نہیں ہوتا۔ تاہم یہ سوال پھر اپنی جگہ رہتا ہے کہ دائن یہ حساب کیسے نکال سکتا ہے کہ مستقبل حال کے مقابلے میں کتنے فیصد زیادہ اہم ہے؟ پھر یہ کہ شرح سود میں تبدیلی کی وجہ سے یہ اہمیت کم و بیش کیسے ہو جاتی ہے؟ اور پھر اجتماعی طور پر تمام قرض دہندگان کیلئے یہ اہمیت مروج شرح سود کے برابر کیسے ہو جاتی ہے؟(۲-ب)

اس بنیاد پر سود کے حق میں دیئے جانے والے تمام دلائل بے وزن ثابت ہوتے ہیں اس عدم جواز سے توجہ ہٹانے کیلئے بعض اوقات ''معقول شرح سود'' کی بات کی جاتی ہے یعنی شرح سود ایک مخصوص حد تک ہونی چاہئے لیکن یہ ایک قطعی مبہم اور اضافی تصور ہے کیونکہ کبھی بھی اس کا تعین ممکن نہیں ہوا۔(۳-ب)

۱-ب مولانا مودودی، سود، ص ۷۴

۲-ب ایضاً، ص ص ۸۱-۷۸

۳-ب ایضاً، ص ص ۸۵-۸۱

جہاں تک اس پہلو کا تعلق ہے کہ سود کے کچھ معاشی فوائد بھی ہیں ان کا بھی مولانا نے تنقیدی جائزہ لے کر یہ ثابت کیا ہے کہ سود کے معاشی فوائد محض نظری حد تک ہیں عملی نہیں۔ مثلاً

۱۔ سود کے حق میں سب سے اہم دلیل یہ دی جاتی ہے کہ یہ تشکیلِ سرمایہ کیلئے محرک کا کام دیتا ہے کیونکہ لوگوں کو بچت کی ترغیب دیتا ہے۔ مولانا کے نزدیک ایک ایسا معاشرہ جو اسراف و تبذیر سے پاک ہو اور صرفِ دولت اعتدال کے ساتھ ہو اس میں سرمایہ کاری کی کمی نہیں ہوگی اور صحت مند سرمایہ کاری کیلئے منافع کا محرک کافی ہے۔

۲۔ سود کا دوسرا عملی فائدہ یہ ہے کہ وہ بچتوں کو گردش میں لاتا ہے اور صنعت و تجارت کیلئے سرمایئے کی فراہمی کا سبب بنتا ہے۔ مولانا کے نزدیک یہ طریقہ غلط ہے اس سے معیشت کو نقصان پہنچتا ہے صحیح طریقہ یہ ہے کہ سرمایہ کاروبار میں شریک کی حیثیت (مضاربہ کے انداز میں) سے آتا نہ کہ قرض کی شکل میں۔

۳۔ سود کا تیسرا فائدہ یہ گنوایا جاتا ہے کہ وہ سرمایئے کو غیر پیداواری استعمال میں جانے سے روکتا ہے اور زیادہ سے زیادہ پیداواری سرگرمیوں کی طرف اس کا رخ موڑتا ہے۔(۱ے) مولانا تین بنیادوں پر اس کا استرداد کرتے ہیں اوّل اس صورت میں نفع / نقصان کا معیار محض مادی اقدار ہیں جبکہ اسلامی نقطۂ نگاہ سے اخلاقی اقدار کی اصل اہمیت ہے۔ دوم ایسے اجتماعی نوعیت کے کام جن میں اجتماعی فائدہ ہو ان میں بالعموم منافع کم ہوتا ہے، ان کیلئے رقم مروج شرح سود پر نہیں مل پاتی سوم سود، لاگت کا جزو بن کر لاگت بڑھا دیتا ہے اور منافع کی شرح اس صورت میں کم از کم شرح سود سے بلند ضرور ہونی چاہیئے یہ ایک نقصان دہ صورتِ حال ہے۔(۲ے)

۴۔ سود کی ایک اہم منفعت یہ بھی ہے کہ اس کے ذریعے بڑی مقدار میں مختلف النوع مقاصد کیلئے

۱ے مولانا مودودی، سود، ص ص ۹۸۔۹۷

۲ے ایضاً، ص ص ۹۹۔۹۸

قرض کی فراہمی ممکن ہو جاتی ہے بغیر سود کے شاید یہ ممکن نہ ہو۔ مولانا کے نزدیک اگر سود کو حرام قرار دے دیا جائے اور اسلام کا اخلاقی نظام اختیار کیا جائے تو پھر یہ مشکل خود بخود حل ہو جائے گی بلکہ عطیئے تک ملنے لگیں گے صدیوں تک مسلمان معاشرہ اس پر عمل در آمد کی عملی شکل فراہم کر چکا ہے۔(۱ے)

ان دلائل کی بنیاد پر وہ ان تمام منفعتوں کی تردید کرتے ہیں جو سود کے ضمن میں گنوائی جاتی ہیں۔ اس کے بعد ان نقصانات کا تذکرہ کرتے ہیں جو سودی معیشت میں جزدی اور کلی سطح پر ہوتے ہیں۔ یہ نقصانات مندرجہ ذیل ہیں۔

۱۔ سود انسان میں اسلامی اقدار کے منافی جذبات مثلاً بخل، تنگ نظری، خود غرضی اور ہوسِ زر کے جذبات پیدا کرتا ہے۔(۲ے)

۲۔ عام افرادِ معاشرہ میں باہمی تعاون، محبت و ہمدردی کے جذبات ختم کر دیتا ہے۔(۳ے)

۳۔ بین الاقوامی سطح پر اقوام کے درمیان کشیدگی و نفرت کے جذبات پیدا کرتا ہے۔(۴ے)

۴۔ قرض کے چنگل میں پھنسے ہوئے غریب لوگ نسل در نسل سود کی لعنت سے نجات حاصل نہیں کر سکتے۔ یہ قرضے صرف افراد ہی کو نہیں قوموں کو بھی تباہ کر دیتے ہیں۔(۵ے)

۵۔ ارتکازِ دولت کا اہم سبب سود ہوتا ہے جس سے عام لوگوں کی قوتِ خرید کم ہو کر چند مخصوص ساہوکاروں کی طرف منتقل ہوتی رہتی ہے۔ معیشت میں بے روزگاری میں اضافہ ہوتا ہے اور معیشت بحرانوں کا شکار ہو جاتی ہے۔(۶ے)

۱ے مولانا مودودی، سود، ص ۱۰۰

۲ے ایضاً، ص ۱۰۳

۳ے ایضاً، ص ص ۱۰۴۔۱۰۳

۴ے ایضاً، ص ص ۱۰۶۔۱۰۴

۵ے ایضاً، ص ص ۱۱۱۔۱۰۸

۶ے ایضاً، ص ص ۱۱۲۔۱۱۱

۶۔ سودی سرمایہ کار کاروبار کے اتار چڑھاؤ سے بے نیاز جوں ہی یہ دیکھتا ہے کہ کاروبار میں نقصان کا اندیشہ ہے وہ فوراً اپنی رقم نکال لیتا ہے اور اس طرح اس کا کاروبار سے تعلق ہمدردانہ نہیں خود غرضانہ ہوتا ہے۔(۱ے)

۷۔ بلند شرح سود کے انتظار میں سرمایہ کا ایک بڑا حصہ گردش میں نہیں آپاتا اس طرح مجمو استعداد کم ہو جاتی ہے۔(۲ے)

۸۔ سود کی وجہ سے سرمایہ کا تعلق معاشرے سے منفی ہو جاتا ہے یعنی ضرورت کے وقت شرحِ بلند اور جب ضرورت نہ ہو تو شرحِ سود کم ہو جاتی ہے بالالفاظ دیگر سرمایہ معاشرہ کے مفادا کے مطابق نہیں بلکہ سرمایہ دار کے مفادات کا تابع ہو جاتا ہے۔(۳ے)

۹۔ سود تجارتی چکر کی اہم وجہ ہے۔(۴ے)

۱۰۔ سود کی وجہ سے رفاہِ عامہ کے کاموں کیلئے سرمایہ دستیاب نہیں ہو پاتا کیونکہ ان پر منافع محض برائے نام ہوتا ہے اور اصل زر بمع سود واپس نہیں ہو پاتا ہے۔(۵ے)

۱۱۔ طویل مدتی سرمایہ کاری متاثر ہوتی ہے کیونکہ سرمایہ قلیل مدتی سٹہ بازی میں زیادہ لگتا ہے نتیجے کے طور پر طویل مدتی سرمایہ کاری منفی طور پر متاثر ہوتی ہے۔(۶ے)

۱۲۔ اگر طویل مدتی قرض حاصل ہو جائے تو سرمایہ دار کاروباری حالات سے قطع نظر طویل مدت تک یکساں شرح سے رقم وصول کرتا رہتا ہے جو کسی طرح بھی انصاف کے اصولوں کے مطابق نہیں ہے۔(۷ے)

۱ے مولانا مودودی، سود، ص ص ۱۱۴۔ ۱۱۲

۲ے ایضاً، ص ۱۱۴

۳ے ایضاً، ص ۱۱۵

۴ے ایضاً

۵ے ایضاً، ص ۱۱۶

۶ے ایضاً

۷ے ایضاً، ص ۱۱۸

۱۳۔ حکومتی قرضوں پر سود مولانا کے نزدیک اس لئے غیر معقول ہے کیونکہ ایک شخص
معاشرہ نے پالا پوسا، تعلیم و تربیت اور مواقع فراہم کر کے اس قابل بنایا کہ وہ دولت مند ہو۔
اب اگر معاشرہ کو ضرورت پڑتی ہے تو اس شخص کا قرض پر سود طلب کرنا ایک غیر معقول
ہوگا۔(۱-)

مولانا کے نزدیک بیع اور ربوٰ میں بنیادی تفریق مندرجہ ذیل ہے۔

۱۔ بیع میں منافع بائع کا حق الخدمت ہوتا ہے جبکہ ربوٰ میں اضافہ مہلت کا معاوضہ ہوتا ہے۔

۲۔ بیع میں مبادلہ مساوی ہوتا ہے قیمت کے عوض شے فروخت ہوتی ہے لیکن ربوٰ میں دائن جو
وصول کرتا ہے وہ یقینی ہوتا ہے مدیوں کا منافع تخمینی ہوتا ہے۔

۳۔ بیع میں بائع کا منافع خواہ وہ کتنا ہی کم کیوں نہ ہو صرف ایک دفعہ ہوتا ہے لیکن سود کی شکل میں
دائن مسلسل سود وصول کرتا رہتا ہے۔

۴۔ بیع میں معاملہ شے کی فروخت اور ادائیگی قیمت کے ساتھ ہی ختم ہو جاتا ہے لیکن سود کی صورت
میں مدیوں کو راس المال صرف کرنے کے بعد صرف شدہ شے (راس المال) مزید اضافے کے
ساتھ واپس کرنا ہوتی ہے۔

۵۔ تجارت انسان سے محنت، ذہانت اور وقت طلب کرتی ہے لیکن سود میں دائن ان تمام چیزوں کے
بغیر رقم وصول کرتا رہتا ہے۔(۳-)

مولانا ربا الفضل کی حرمت کے بھی قائل ہیں۔(۴-) اس کے ساتھ وہ اس نقطۂ نظر کے بھی

۱- مولانا مودودی، سود، ص ص ۱۲۱-۱۱۸

۲- ایضاً، ص ۱۴۹

۳- ایضاً، ص ص ۱۵۵-۱۵۲

۴- ایضاً، ص ۱۶۳

خلاف ہیں کہ تجارتی قرضوں پر سود جائز ہے یا ربا سے مراد اصل زر میں ہونے والا وہ بے پناہ اضافہ ہے جو صرف حاجت مند سے وصول کیا جائے۔

۱۔ ان کے نزدیک یہ طرزِ استدلال باطل ہے جس کے تحت حلال و حرام کی تاویل صرف آنحضرت ﷺ کے دور کے حوالے سے کی جائے کیونکہ اسلام کی تعلیمات قیامت تک کیلئے ہیں نہ کہ کسی مخصوص مدت تک کیلئے۔(۱۔)

۲۔ قرآن نے حرمتِ ربا کیلئے لفظ "الربٰو" استعمال کیا ہے جس کے معنی مجرد زیادتی کے ہیں کسی حاجت مند سے زائد وصولیابی اس کے معنی میں شامل نہیں۔

۳۔ قرآن نے واضح طور پر بیع کی تو اجازت دی ہے مگر قرض کی شکل میں اضافی وصولیابی کو شدت سے منع کیا ہے۔

۴۔ قرآن مجید میں سورۃ البقرہ آیت ۲۷۹ میں واضح طور پر کہہ دیا ہے کہ صرف راس المال واپس لیا جا سکتا ہے اسے زائد کچھ نہیں۔

۵۔ احادیث میں بھی مجرد زیادتی سے روکا گیا ہے۔

۶۔ صرف قرض پر اضافی رقم کی وصولیابی سے ہی نہیں روکا گیا بلکہ دست بدست لین دین کی صورت میں بھی تفاضل کو حرام قرار دیا گیا ہے۔

۷۔ اس باب میں اجماعِ امت ہے کہ قرض کے مقصد سے قطع نظر قرض پر ہر قسم کی اضافی رقم ربا اور حرام ہے۔(۲۔)

اس حوالے سے مولانا کے نزدیک ہندوستان دار الحرب نہیں بلکہ دار الکفر ہے اور یہاں بھی سود اسی طرح حرام ہے جس طرح در السلام میں۔(۳۔)

۱۔ مولانا مودودی، سود، ص ۲۴۵

۲۔ ایضاً ص ص ۳۰۰۔۲۷۸

۳۔ ایضاً، ص ۲۶۵

امتناعِ سود کی حکمتِ عملی :

مولانا کے نزدیک امتناعِ سود کیلئے پہلے اسے ہر قیمت پر مکمل قانونی طور پر ختم کرنا ہوگا۔(۱ـ) دوسرے مرحلے میں لوگوں کو اخلاقی تربیت دینی ہوگی تاکہ وہ سود سے مجتنب رہیں۔(۲ـ) اور تیسرے مرحلے میں زکوٰۃ کے نظام کو عملاً نافذ کیا جائے۔(۳ـ) سود کے بطور محرک خاتمے کے نتیجے میں لوگوں کا میلانِ صرف بڑھے گا دوسرے طرف زکوٰۃ سے غریب لوگوں کی قوتِ خرید بڑھے گی اور عام خوشحالی کا دور شروع ہو جائے گا۔(۴ـ) زکوٰۃ کی وجہ سے مال روکنا کسی کے مفاد میں نہیں ہوگا جس سے سرمایہ کاری میں اضافہ ہوگا۔

ان کے نزدیک ایک اسلامی معیشت میں اسراف و تبذیر کی پابندیوں کی وجہ سے قرض صرف معقول ضروریات تک محدود ہو جائے گا۔(۵ـ) عام ضرورتمندوں کو اپنے اعزاء و اقارب یا دوستوں یا اردگرد کے لوگوں سے مدد مل جائے گی۔(۶ـ) اور اگر انہیں یہاں سے مدد نہ مل سکے تو پھر بیت المال سے قرض مل سکے گا۔(۷ـ)

ملازمت پیشہ افراد یا حکومتی ملازمین کو ان کے اداروں سے قرضِ حسنہ مل جائے گا۔(۸ـ) جہاں تک کاروباری ضروریات کا تعلق ہے بینک کاروباری حضرات کے اثاثوں کے بدلے انہیں بلا سود قرض فراہم کریں گے۔(۹ـ) بینک اپنی خدمات کے بدلے سروس چارجز وصول کر سکیں گے۔(۱۰ـ)

۱ـ مولانا مودودی، سود، ص ص ۲۱۳ـ۲۱۱
۲ـ ایضاً، ص ۲۱۳
۳ـ ایضاً، ص ۲۱۴
۴ـ ایضاً، ص ۲۱۵
۵ـ ایضاً، ص ۲۱۷
۶ـ ایضاً، ص ۲۱۸
۷ـ ایضاً، ص ۲۲۰
۸ـ ایضاً،
۹ـ ایضاً، ص ۲۲۱
۱۰ـ ایضاً، ص ۲۲۴

جہاں تک حکومت کا تعلق ہے وہ اپنی ضروریات کیلئے چندے کی اپیل کر سکتی ہے (۱ے) یا لوگوں سے جبری قرض لے سکتی ہے (۲ے) اور نئے نوٹ چھاپ سکتی ہے۔ (۳ے) بلا سودی معیشت کے قیام سے اسلامی حکومت کی حالت بہت جلد اتنی اچھی ہو جائے گی۔ اسے نہ صرف بیرونِ ملک سے قرض لینے کی ضرورت نہیں ہو گی بلکہ وہ ضرور تمند اقوام کو قرض دینے کی پوزیشن میں آجائے گی۔ (۴ے)

جہاں تک ایسے لوگوں کا تعلق ہے جو اس تنظیم کے بعد زائد از ضرورت دولت کے حامل ہوں گے ان کیلئے مولانا کے بقول تین لائحہ عمل ہوں گے۔

۱۔ اپنی زائد از ضرورت دولت رفاہِ عامہ میں لگا دیں۔ (۵ے)

۲۔ اپنی اضافی دولت بینک میں رکھ دیں جو اس سے قرض دیتا رہے گا۔ (۶ے)

۳۔ کسی کاروبار کی خواہش کی صورت میں شرکت و مضاربت کی بنیاد پر کسی کاروبار میں لگا دیں چاہے خود کریں، محدود بہ حصص کمپنیوں یا حکومت کے توسط سے کریں۔ (۷ے)

بینک اور انشورنس کا کاروبار :

مولانا کے نزدیک سود کے خاتمے سے بینک کے کاروبار پر کوئی اثر نہیں ہو گا بلکہ ان کی آمدنیاں پہلے کے مقابلے میں کہیں زیادہ بڑھ جائیں گی۔ (۸ے) مولانا انشورنس کو غیر اسلامی گردانتے ہیں اور

۱ے مولانا مودودی، سود، ص ۲۲۴

۲ے ایضاً، ص ۲۲۵

۳ے ایضاً، ص ۲۲۶

۴ے ایضاً، ص ۲۲۷

۵ے ایضاً، ص ۲۲۹

۶ے ایضاً

۷ے ایضاً، ص ۲۳۰

۸ے ایضاً، ص ۲۳۴

اس کے لئے انہی دلائل کا سہارا لیتے ہیں جو روایتی طور پر قدامت پسندوں کی جانب سے پیش کئے جاتے ہیں یعنی اس میں قمار، سود کی موجودگی اور اسلامی قانون وراثت کی خلاف ورزیوں کی وجہ سے اسے اسلامی معیشت میں ناقابلِ عمل سمجھتے ہیں۔(۱)

۵۔مالیاتِ عامہ

مالیاتِ عامہ کے حوالے سے مولانا نے اسلامی حکومت کی آمدنی کے جملہ ذرائع سے بحث کی ہے مثلاً زکوٰۃ، عشر، خراج، فے، خمس اور دیگر محصولات وغیرہ۔ ان جملہ ذرائع میں زکوٰۃ پر انہوں نے تفصیلی بحث کی ہے جو اسلامی حکومت کا بنیادی فریضہ ہے جو اسلامی حکومت کی عدم موجودگی میں بھی مسلمانوں پر ساقط نہیں ہوتا۔ ان کے نزدیک زکوٰۃ ایک مالی عبادت ہے اور ٹیکس سے الگ ہے۔ ان کے نزدیک محصول انسانوں پر زبردستی عائد کیا جاتا ہے اور وہ اسے بار سمجھتا ہے۔ اس کے علاوہ ٹیکس ان مصارف کو پورا کرنے کیلئے عائد کیا جاتا ہے جن کا فائدہ خود ٹیکس دھندہ اٹھاتا ہے۔ جبکہ زکوٰۃ کی شرح غیر متبدل ہے اور کسی پارلیمنٹ کو اس میں تبدیلی کا کوئی اختیار نہیں نہ ہی ان اجتماعی ضروریات کو پورا کرنے کیلئے ہے جن سے خود ٹیکس دینے والا مستفید ہوتا ہے۔(۲)

زکوٰۃ کا کردار :

مولانا کے نزدیک زکوٰۃ ایک اسلامی معیشت میں بہت مؤثر کردار ادا کرتی ہے مثلاً :۔

۱۔ اس کے ذریعے دولت کی تقسیم کا نظام بہتر ہوتا ہے۔ دولت کے غرباء کی طرف منتقلی سے ان کی قوتِ خرید بہتر ہوتی ہے جس سے مؤثر طلب بڑھتی ہے، صنعتوں کی پیداوار میں اضافہ ہوتا

۱۔ مولانا مودودی، معاشیاتِ اسلام، ص ۴۱۱

۲۔ ایضاً، ص ص ۱۵۶۔۱۵۵

ہے، روزگار کے مواقع پیدا ہوتے ہیں اور مجموعی معاشی خوشحالی بڑھتی ہے۔ (۱)

۲۔ یہ ایک طرح سے سماجی تحفظ کا ایک جامع نظام ہے جس میں وہ فرد جس نے اپنا حصہ نہ بھی دیا ہو فائدہ اٹھا سکتا ہے۔ (۲)

۳۔ بے روزگاروں کو اس سے بے روزگاری الاؤنس دیا جا سکتا ہے۔ (۳)

۴۔ زکوٰۃ کی مدد سے مال و دولت کو متحرک رکھا جاتا ہے۔ کیونکہ لوگ سال کے آخر میں ڈھائی فیصد کمی کے خوف سے اسے متحرک رکھتے ہیں۔ (۴)

تجزیہ:

مولانا مودودی کی معاشی فکر کے تجزیے سے قبل یہ حقیقت بہر حال ذہن میں رکھنا ضروری ہے کہ مولانا کوئی پیشہ ور ماہر معاشیات نہیں تھے آپ کا اصل مقصد اسلام کی ہمہ گیریت اور حقانیت کو ثابت کرنا تھا اور آپ کا خاص مخاطب نئی نوجوان نسل تھی جس کے سامنے آپ نے سیدھے سادے انداز میں اسلام کی تعلیمات کو پیش کیا۔ لہٰذا اس بنیاد پر اگر خالص تیکنیکی انداز میں مروج معاشی اسلوب کے تحت اگر ان کے کام کا تجزیہ کیا جائے تو یہ یقیناً مروجہ اسلوب سے ہٹا ہوا ہے لیکن اگر اس مقصد کو پیش نظر رکھا جائے جو ان کے پیش نظر تھا تو وہ یقیناً اس کے حصول میں کامیاب رہے ہیں۔

اس لحاظ سے مولانا کو یقیناً یہ کریڈٹ جاتا ہے کہ انہوں نے اس موضوع پر جتنی تفصیل سے کام کیا اس کی مثال ان سے پہلے کہیں نہیں ملتی ہے۔ انہوں نے نہ صرف یہ کہ ان معاشی تعلیمات کو پیش کیا ہے جو گذشتہ کئی سو سال سے فقہی انداز میں مرتب ہوتی آ رہی تھیں اور قرآن، حدیث، فقہ اور علم الکلام کے لٹریچر میں موجود تھیں بلکہ انہوں نے اسے ایک منضبط اور مربوط فکری نظام کی شکل میں دنیا کے

---

۱ مولانا مودودی، معاشیات اسلام، ص ص ۱۳۳۔۱۳۲

۲ ایضاً

۳ ایضاً، ص ۲۶

۴ مولانا مودودی، سود، ص ۲۱۷

سامنے پیش کیا۔ انہوں نے صرف اسلامی تعلیمات کو ہی مدون شکل میں پیش نہیں کیا بلکہ اس کے ایک اہم جز و یعنی معاشی نظام کو پورے نظام کے ایک مکمل جز و کی حیثیت سے پیش کیا اور اسے ایک علیحدہ شناخت دی۔ اس حوالے سے بجا طور پر یہ کہا جا سکتا ہے کہ در حقیقت اس موضوع پر بہ حیثیت علم کی ایک علیحدہ شاخ کے مولانا کے بعد ہی کام شروع ہوا ہے۔ اس کا بین ثبوت یہ ہے کہ اسلامی معاشیات پر لکھنے والوں کی اکثریت مولانا کی فکر سے ہی فیضیاب ہے۔ اور چونکہ ان کا کام اردو کے علاوہ عربی اور انگریزی میں بھی دستیاب ہے لہٰذا ان کی فکر سے فیض حاصل کرنے والوں میں ان دونوں زبانوں کے بولنے والے بھی شامل ہیں۔

اس مضمون کے وہ جملہ مباحث جن پر مولانا نے بحث کی ہے ان میں حرمت سود نمایاں اہمیت کا حامل ہے۔ مولانا نے بالتفصیل ان تمام دلائل کو موثر جوابی دلائل دیتے ہوئے رد کیا ہے جو سود کی حق میں پیش کیئے جاتے ہیں۔ نہ صرف یہ کہ سود کے حق میں یہ دیئے جانے والے دلائل کی تردید کی ہے بلکہ اس کے ٹھوس معاشی نقصانات پر بھی بحث کی ہے۔

اسلامی حکومت کے محاصل میں زکوٰۃ کو سب سے زیادہ اہمیت حاصل ہے مولانا نے اس پر بہت تفصیل سے بحث کی ہے اور غالباً شاید ہی کوئی گوشہ ایسا ہو جو انہوں نے تشنہ چھوڑا ہو۔ اس ضمن میں مولانا کا مسلک اسلاف کے مسلک سے مکمل طور پر ہم آہنگ ہے تاہم انہوں نے اس پر اجتہادی انداز میں بھی کام کیا ہے اور مصارف زکوٰۃ کو نمایاں وسعت دی ہے۔

مولانا نے سرمایہ داری، اشتراکیت اور اسلام کے تقابلی مطالعہ پر بھی سیر حاصل بحث کی ہے۔ درحقیقت یہ دونوں نظام انسانی سوچ وفکر کی پیداوار ہیں جو تاریخ کے مختلف ادوار میں انسان کے ذہنی اور فکری ردعمل سے پیدا ہوئے اور چونکہ دونوں سرچشمہ وحی سے سیراب نہیں ہوئے لہٰذا دونوں ہی افراط وتفریط کا شکار ہیں۔ مولانا نے ان دونوں نظاموں پر شدید تنقید کی ہے۔ تاہم اس تنقیدی

جائزے میں بعض جگہ انہوں نے قدرے اختصار سے کام لیا ہے اور جس بنیاد پر وہ تنقید کرتے ہیں اس کی وضاحت کچھ مقامات پر تشنہ محسوس ہوتی ہے۔ مثلاً مولانا کے نزدیک سرمایہ دارانہ نظام کے بنیادی اصول اپنی جگہ پر صحیح ہیں لیکن اصل خرابی اس وقت پیدا ہوتی ہے جب اس کے علمبرداروں نے بنیادی اصولوں سے انحراف کرنا شروع کیا اور بعض اصولوں کو چھوڑ دیا۔ تاہم مولانا نے یہ وضاحت کہیں نہیں کی کہ یہ انحرافات کب اور کیسے شروع ہوئے اور کن اصولوں کو چھوڑنے سے خرابی پیدا ہوئی ؟

اسی طرح سرمایہ دارانہ نظام کے بنیادی مفروضات میں سے صرف ایک مفروضہ کی انفرادی آزادی اجتماع کے مفاد پر منتج ہوتی ہے کو چھوڑ کر باقی مفروضات پر تنقیدی نگاہ نہیں ڈالی۔

اسی طرح سوشلزم پر مولانا کی تنقید سوشلزم کی معاشیات یا سوشلزم کے معاشی پہلو پر نہیں بلکہ اس کے سیاسی، اخلاقی، مذہبی اور تمدنی اثرات پر ہے۔

محمد مظہر الدین صدیقی:

مظہر الدین نے اشتراکیت کی فکری اور عملی بنیادوں پر ایک گہری تنقیدی نگاہ ڈالی ہے۔ اشتراکیت کی فلسفیانہ بنیادوں کو جس خوبی اور تسلسل سے بیان کر کے ان کی فکری اور عملی خامیوں کو جس سادہ آسان اور عام فہم انداز میں انہوں نے بیان کیا ہے۔(۱) وہ بہت کم لوگوں کے حصے میں آیا ہے اس حوالے سے ان کی کتاب ''اشتراکیت اور نظام اسلام'' خاصی اہم ہے جس میں اشتراکی فلسفہ حیات کا ایک تفصیلی جائزہ اور اسلامی نظام معیشت سے ایک علمی موازنہ پیش کیا گیا ہے۔

چوہدری محمد اسماعیل:

چودھری محمد اسماعیل نے اپنی کتاب ''مروجہ معاشیات اور اسلام'' میں سود اور اس سے متعلق امور پر بحث کی ہے ان کے نزدیک اسلامی معاشی نظام کی شناخت

۱۔ محمد مظہر الدین صدیقی، اشتراکیت اور نظام اسلام، ص ص ۱۶۳۔۱۲۹

ہی اقتناعِ سود ہے۔(۱ـ) ان کے نزدیک زمانہ جاہلیت کا سود اور مروج سود میں کسی قسم کا کوئی فرق نہیں ہے۔ ان کے نزدیک حق المحنت سے زائد رقم وصول کرنا بھی سود ہے چاہے وہ غیر معمولی منافع کی شکل میں ہو۔ بٹائی ان کے نزدیک محض سود ہے اس طرح کرایہ بھی سود ہی کی ایک شکل ہے۔(۲ـ)

ان کے نزدیک صرف شرح اور مدت کو سود کے ساتھ مشروط کرنا یا سود کے اجزاء قرار دینا درست نہیں۔ ربا الفضل سے وہ یہ نتیجہ اخذ کرتے ہیں کہ ''سود دراصل لین دین میں اپنے حق المحنت سے تجاوز کر کے زیادہ ستانی یعنی کم دینے اور زیادہ لینے کا نام ہے اور ایسے معاملے کا خاص مدت یا شرح کے ساتھ مشروط ہونا بھی لازمی نہیں۔''(۳ـ)

سورۃ البقرہ کی آیت ۲۷۹ کے الفاظ فلکم رءوس اموالکم (تمہارے لئے اصل مال ہیں) سے وہ یہ استنباط کرتے ہیں کہ یہ الفاظ نقد اور ہر قسم کے اثاثے پر محیط ہیں لہذا انسانوں کو اپنے اصل اموال واپس لینے کا حق ہے اس سے زائد کچھ نہیں۔ اس بنیاد پر بٹائی، کرایہ یا غیر معمولی منافع بھی ربا ہے۔(۴ـ)

ان کے نزدیک قرآن مجید میں جب اللہ تعالیٰ نے بیع کی اجازت دی ہے تو اس سے مراد عام منفی تجارتی ہتھکنڈے نہیں بلکہ محض اشیاء کا آپس میں تبادلہ ہے ''یعنی اپنے روپے کی چیز دے کر اس کے عوض میں دوسرے روپے کی چیز لینا ہے اس میں منافع کا کوئی سوال نہیں۔''(۵ـ) بالفاظ دیگر محض تبادلے کی اجازت ہے اس سے زائد نہیں کیونکہ خرید و فروخت کا بنیادی مقصد محض ایک دوسرے کی

۱ـ چودھری محمد اسمٰعیل، مروجہ معاشیات اور اسلام، ص ۱۳

۲ـ ایضاً، ص ص ۷۳۔۱۷

۳ـ ایضاً، ص ۴۳

۴ـ ایضاً، ص ص ۴۵۔۴۴

۵ـ ایضاً، ص ۴۸

ضروریات کی تکمیل ہے اس میں منافع کا کوئی عنصر نہیں۔ صحابِ سلف بھی اسی مقصد سے تجارت کر
کرتے تھے ان کی تجارت کے اسلوب اور موجودہ تجارت میں کوئی مماثلت نہیں۔(۱-ب)

تجارتی منافع ان کے نزدیک صرف دوسرے کے نقصان سے پیدا ہوتا ہے اور یہی دنیا میں فسا
کی بنیادی وجہ ہے۔ جدید معیشت میں مقابلے کی صورتِ حال کے منفی نتائج اس کے مثبت نتائج سے بہت
زیادہ ہیں جبکہ اسلام کی تعلیمات یہ ہیں کہ نیکی کے کاموں میں سبقت حاصل کرنے کی کوشش کی جانی
چاہیئے۔(۲-ب)

حیدر زماں صدیقی

حیدر زماں صدیقی کے نزدیک اسلام کا معاشی نظام چند بنیادی اقدار پر استوار ہے اس میں
مساوات، عدل کو بنیادی اہمیت حاصل ہے اسلام سرمایہ پرستی کی مذمت کرتا ہے۔ اکتناز و احتکار کی
ممانعت کرتا ہے۔ امتناع سود کی وجہ اخلاقی ہے۔ یعنی استحصال کا خاتمہ۔ نظام زکوۃ سے جملہ مسائل کا بڑی
حد تک خاتمہ ممکن ہے۔ اشتراکیت کسی معاشی مسئلہ کا کوئی حل نہیں یہ ایک محدود اور اخلاقی اقدار سے
بے بہرہ نقطۂ نظر ہے۔(۳-ب)

اسلامی معاشی نظام بہترین نظام معیشت ہے جس میں دولت کے جمع کرنے کی شدید ممانعت
ہے اور دیگر احکامات کے ذریعے معیشت کو متوازن رکھا جاتا ہے۔(۴-ب) اسلامی نقطۂ نگاہ سے کوئی شخص
اتنی زمین رکھ سکتا ہے جتنی وہ کاشت کر سکے۔(۵-ب)

۱-ب چودھری محمد اسمٰعیل، مروجہ معاشیات اور اسلام، ص ص ۵۴-۶۱
۲-ب ایضاً ص ص ۷۷-۶۴
۳-ب حیدر زماں صدیقی، اسلام کا معاشیاتی نظام، ص ص ۹۵-۳۵
۴-ب ایضاً، ص ص ۱۱۸-۱۰۰
۵-ب ایضاً ص ۱۷۵

باب نمبر ۶

اسلام کی معاشی تعلیمات کی سوشلسٹ تعبیر

غلام احمد پرویز

فکرِ پرویز جہاں دیگر کئی حوالوں سے روایتی فکر سے بالکل الگ اور جدا ہے۔ اسی طرح معاشی معاملات میں بھی ان کے خیالات روایتی فکر سے ۱۸۰ درجے کا زاویہ لئے ہوئے ہیں۔ وہ اسلام کی معاشی تعلیمات کی تشریح و تعبیر سوشلسٹ زاویہ نگاہ سے کرتے ہیں۔ اگرچہ وہ خود سوشلسٹ فکر کے بڑے ناقدین میں سے ہیں اور میکانکی نظریۂ حیات پر مبنی اس فکر کو کسی بھی صورت قبول کرنے کو تیار نہیں۔(۱ـ) سوشلزم پر ان کی تنقید اس کی دھریت اور مادہ پرستانہ نقطۂ نگاہ کی وجہ سے ہے۔(۲ـ) لیکن اگر اس سوشلسٹ نظام میں خدا اور نتیجے کے طور پر اخلاقی اقدار متعارف کروا دی جائیں تو وہ بعینہ وہی نظام بن جائے گا جس کے وہ خود علمبردار ہیں۔

پرویز صاحب کی معاشی فکر کا آغاز فرد سے ہوتا ہے: وہ ان کے نزدیک دو چیزوں یعنی انسانی جسم اور نفس یا انسانی ذات یا الوھیاتی توانائی (Devine Energy) پر مشتمل ہے۔(۳ـ) انسانی جسم عام طبعی قوانین کے تحت مصروف عمل ہوتا ہے اور اس کی نشوونما کا انحصار "لینے" پر ہوتا ہے۔ یعنی اس کی پرورش کھلانے پر منحصر ہوتی ہے جبکہ نفس / انسانی ذات کی ترقی کا انحصار "دینے" پر ہے۔ بالفاظِ دیگر زیادہ سے زیادہ انفاق پر ہے۔(۴ـ)

انسان جتنا زیادہ انفاق کرے گا اس کی ذات کی نشوونما اسی قدر ہوگی اور ذات کی نشوونما ہی انسانی

۱ـ غلام احمد پرویز، نظامِ ربوبیت، ص ص ۷۲ـ۷۱

۲ـ ایضاً، ص ۳۵۵

۳ـ غلام احمد پرویز، لغات القرآن، ج ۲، ص ۷۸۵

۴ـ غلام احمد پرویز، نظامِ ربوبیت، ص ۸۹

زندگی کا بنیادی مقصد ہے۔

ان کے نزدیک اب یہ انسان کا اپنا اختیار ہے کہ وہ ان دونوں میں سے کس کی نشوونما چاہتا ہے عارضی یا فوری مفاد کے طالب لوگوں کے لئے جو محض مفادِ عاجلہ اور مفادِ خویش کے خواہشمند ہوں ان کیلئے قرآن پرویز صاحب کے مطابق "حیٰوۃ الدنیا" کی اصطلاح استعمال کرتا ہے۔(ا۔) یہ ایک مخصوص مکتبۂ فکر ہے جس کے حامل صرف دنیاوی مفاد کے طالب ہوتے ہیں۔

اس کے بر خلاف دوسرا لائحہ عمل یہ ہے کہ انسان مستقبل کے مفادات کو سامنے رکھے اور ان کیلئے اپنے حال یا فوری مفادات کی قربانی دے۔ اس لائحہ عمل کو اپنانے سے انسانی ذات کی نشوونما ہوتی ہے جس سے دنیا اور آخرت دونوں سنور جاتے ہیں۔ اس لائحہ عمل کو وہ اسلامی زندگی یا اپنی مخصوص اصطلاح میں "نظامِ ربوبیت" کہتے ہیں۔(۲۔) وہ مجموعی نظام جس کا نظامِ ربوبیت ایک حصہ ہے جو "الدین" کہلاتا ہے۔ انسانی ذات کی نشوونما انفرادی طور پر ممکن نہیں یہ صرف اجتماعی طور پر ممکن ہے۔(۳۔) ایسے لوگ جو اوّل الذکر فکر کے حامل ہوتے ہیں وہ محض مال و زر کے اسیر ہو جاتے ہیں اس صورت میں دولت ضروریات کی تکمیل کا ذریعہ نہیں بلکہ ہوسِ زر کی تسکین کیلئے جمع کی جاتی ہے۔ یہ صورتِ حال پورے معاشرے میں دولت کی اندھی دوڑ شروع کرا دیتی ہے اور پورا معاشرہ دو حصوں میں منقسم ہو جاتا ہے۔ ایسے لوگ جو اکتسابِ رزق کی بہتر صلاحیتوں کے حامل ہوتے ہیں وہ کم تعداد میں ہونے کے باوجود دولت کی وسیع مقدار پر قابض ہو کر اسے اپنے لئے مخصوص کر لیتے ہیں اور عام لوگوں کی اکثریت نان شبینہ کو محتاج ہو جاتی ہے۔ اس صورت میں حصولِ دولت کیلئے جائز یا ناجائز ذرائع کی کوئی تمیز نہیں رہتی۔ غریبوں اور کمزوروں کا استحصال عام ہو جاتا ہے اور اخلاقی اقدار ختم ہونے سے قومیں تباہ ہو جاتی ہیں۔(۴۔) یہی صورتِ حال بین الاقوامی سطح پر پیدا ہو جاتی ہے اور ہر قوم کی خواہش یہ ہوتی ہے

ا۔ غلام احمد پرویز، نظام ربوبیت، ص ۸۹

۲۔ ایضاً، ص ۸۹

۳۔ غلام احمد پرویز، سلیم کے نام خطوط، ج ۳، ص ۱۳۳

۴۔ ایضاً، ص ۹۲

کہ وہ خود زیادہ سے زیادہ منفعتیں سمیٹ کر دوسری اقوام کو محروم کر دے۔(۱-)

لیکن ایسے لوگ سخت خسارے میں رہنے والے ہیں کیونکہ از روئے قرآن روزِ قیامت ان کے اعمال کو تولنے کیلئے میزان تک کھڑی کرنے کی ضرورت نہیں ہوگی۔ یہ وہ لوگ ہیں جو انسانی سطح تک پہنچتے ہی نہیں ان کی آخری منزل جہنم کی آگ ہوگی۔(۲-)

کامیابی صرف ثانی الذکر لوگوں کیلئے ہے جو انفاق کی راہ اختیار کرتے ہیں بالفاظِ دیگر مفادِ عامہ کیلئے اپنی دولت کھلی رکھتے ہیں۔(۳-)

پرویز صاحب کے نزدیک کائنات کا پورا ڈھانچہ محض "دینے" کے اصول پر استوار ہے۔ یہ ایک عالمگیر اصول ہے مثلاً انسانی جسم میں خون مسلسل ایک عضو سے دوسرے عضو میں گردش کرتا ہے۔ غذا مختلف اعضاء سے گذرتی ہے ہر عضو اپنا کام کرنے کے بعد متعلقہ اشیاء دوسرے اعضاء کو دے دیتا ہے اگر کوئی بھی عضو مثلاً دل خون تھام لے یا معدہ غذا روک لے تو انسانی موت واقع ہو سکتی ہے۔(۴-) اسی طرح خارجی کائنات میں بھی یہی اصول کار فرما ہے مثلاً اگر سورج توانائی روک لے تو زمین پر حیات ختم ہو جائے اس طرح یہ ایک بین الاقوامی اصول ہے۔(۵-)

اس ضمن میں وہ قرآن مجید کی مختلف آیات سے ان فوائد کو بیان کرتے ہیں جن میں انفاق کے متعدد فوائد گنوائے گئے ہیں۔ تاہم انفاق بے غرض ہونا چاہیئے اور مقصود محض اپنی ذات کی نشوونما ہونا چاہیئے۔(۶-)

ان کے نزدیک قرآن جس معاشرے کو جنتی معاشرہ کہتا ہے اس میں تمام افراد کا مشترکہ نصب

۱- غلام احمد پرویز، سلیم کے نام خطوط، ج ۳، ص ۹۰

۲- ایضاً، ص ص ۹۷-۹۶

۳- ایضاً، ص ۹۷

۴- غلام احمد پرویز، نظامِ ربوبیت، ص ص ۱۰۸-۱۰۷

۵- ایضاً، ص ۱۰۸

۶- ایضاً، ص ۱۰۰

العین محض انفاق ہوتا ہے۔(۱ـ) یہ ایک ایسا معاشرہ ہوتا ہے جس میں عام افراد کو بھوک، لباس
مکان کی کوئی فکر نہیں ہوتی جو امن و سلامتی سے مامور ہے، عدل و انصاف جس کی نمایاں خصوصیات
اور انسانوں کی مضمر صلاحیتوں کی نشوونما کے تمام مواقع دستیاب ہیں۔(۲ـ)

اس جنت کے حصول کیلئے ان کے پاس ایک عملی پروگرام ہے جو مختلف مراحل پر مشتمل۔
ان مراحل میں پہلا مرحلہ یہ ہے کہ انسان چند بنیادی تصورات پر ایمان رکھے۔ یہ تصورات مندرجہ
ہیں۔

۱۔ وحدتِ قانون پر ایمان یعنی کائنات میں کارفرما ایک ہی خالق کے ایک ہی قانون پر ایمان با
دیگر وحدتِ مخلوق یا نوعِ انسانی کی امتِ واحد کی شکل میں تعمیر پر ایمان۔

۲۔ حیات بعد الموت پر ایمان یعنی ذات کی نشوونما کیونکہ حیات بعد الموت صرف متوازن شخصیت
حق ہوگی۔ یہاں تک کہ خیر کی تعریف ہی یہ ہے کہ ہر فعل جو ذات کی نشوونما کرے وہ خیر
اور جو فعل اس میں ضعف و انتشار پیدا کرے وہ شر ہے۔(۳ـ)

دوسرے مرحلے میں وہ لوگ جو ان مسلمات کو قبول کر لیں ان پر مشتمل ایک جماعت تشکیل
دی جائے جس کا مقصد نوعِ انسانی کی ربوبیت ہو۔(۴ـ)

تیسرا مرحلہ اس فکر کے ابلاغ کا ہے جو لوگ اس پروگرام کو قبول کرتے چلے جائیں وہ اس کا ز
سے زیادہ ابلاغ کریں یہاں تک "اقامت الصلوٰۃ" کا مرحلہ آن پہنچے۔(۵ـ) یہ وہ مرحلہ ہے جہاں ا
اپنی تمام زندگی کے جملہ معاملات میں کلیتاً قوانینِ خداوندی کی اطاعت کرنے لگیں(۶ـ) اور یہ اطاع

۱ـ غلام احمد پرویز، نظام ربوبیت، ص ۱۰۰
۲ـ غلام احمد پرویز، اسلام کیا ہے؟ ص ۱۲۹
۳ـ G, A.Parwez, Islam a Challenge to Religion, PP. 216-218.
۴ـ غلام احمد پرویز، نظام ربوبیت، ص ۱۴۶
۵ـ ایضاً، ص ۱۴۶
۶ـ ایضاً، ص ۱۴۸

بالرضا ہو گی اور تمام افراد عدل واحسان کے اصولوں پر کار فرما ہو جائیں گے۔(۱ـ)

تاہم یہ جنت صرف اجتماعی طور پر ہی حاصل ہو سکتی ہے جب بنی نوع انسان اپنے آپ کو قانو ربوبیت کے مطابق ڈھال لے۔(۲ـ)اس جنت کا قیام افراد ملت اور مرکزِ ملت کے مابین ایک معاہد۔ سے عمل میں آتا ہے۔اس معاہدے میں مشتری اللہ کی ذات ہوتی ہے جبکہ بائع مومنین ہوتے ہیں۔ا مومنین کی جان ومال کے بدلے ان سے جنت کا وعدہ کرتا ہے وہ نظام جو قرآنی احکامات کے مطابق مرتہ ہوا سے قرآن دنیا کی جنت سے تعبیر کرتا ہے۔(۳ـ)اس معاہدے میں اللہ سے مراد مرکزِ ملت۔ عہدِ رسالت ﷺ میں یہ خود نبی ﷺ کی ذات اقدس تھی آپ ﷺ کے بعد مرکزِ ملت بہ حیثیہ نمائندہ خداوندی تمام معاملات میں خدا کا نمائندہ ہو جاتا ہے۔(۴ـ)باالفاظِ دیگر انسانی دنیا میں اللہ ۔ کام انسانی ہاتھوں سے پایہ تکمیل تک پہنچتے ہیں۔ مثلاً جب اللہ یہ کہتا ہے کہ وہ اپنے کلمہ کو بلند کرے گا یا حق کی ہو گی یا اللہ کا دین غالب آئے گا تو یہ کام دنیا میں جماعت مومنین کے ہاتھوں ہی انجام پا۔ ہیں۔(۵ـ)

اس خارجی کائنات میں ربوبیت اللہ کی ذمے داری ہے جسے وہ انسب انداز میں پورا کرتا ہے لیکہ انسانی دنیا میں یہ انسانی ہاتھوں / مرکز ملت کے ہاتھوں پوری ہوتی ہے اس میں وہ تمام فرائض شامل ہیں جو خدا کی طرف منسوب ہیں۔(۶ـ)

ان منجملہ فرائض میں سب سے اہم فریضہ رزق کی فراہمی ہے فکرِ پرویز کی رو سے اللہ کی یہ ذمے

۱ـ غلام احمد پرویز، نظام ربوبیت، ص ۱۴۸

۲ـ ایضاً، ص ۱۰۲

۳ـ غلام احمد پرویز، سلیم کے نام خطوط، ج ا، ص ص ۱۵۷۔۱۵۶

۴ـ ایضاً، ص ۱۳۱

۵ـ غلام احمد پرویز نظام ربوبیت، ص ۱۵۸

۶ـ ایضاً، ص ۱۵۹

داری کہ "ہم تمہارے رزق کے ذمے دار ہیں اور تمہاری اولاد کے رزق کے بھی۔"(۱ـ) م
کے ہاتھوں انجام پاتی ہے (۲ـ) اور یہ ذمے داری بتدریج بڑھتے بڑھتے چرند پرند اور حیوانات
محیط ہو جاتی ہے "روئے زمین پر چلنے والا کوئی جاندار ایسا نہیں جس کے رزق کی ذمے داری
ہو۔"(۳ـ) اس طرح بتدریج تمام جانداروں کی ربوبیت کی ذمے داری مرکزِ ملت
ہے۔(۴ـ) مرکز کی ذمے داری صرف ربوبیت تک ہی محدود نہیں ہوتی بلکہ ایسے معاشرے کی
بھی ہوتی ہے جس میں انسانی ذات کی مکمل نشوونما ممکن ہو سکے اور وہ حیات بعد الموت کے مرا
کرنے کے قابل ہو جائے۔(۵ـ) تاہم "خدا کی ذمے داری اس وقت تک ہے جب تک آپ ا
کو اس کے قائم کردہ نظام کے ماتحت رکھیں جب آپ اس نظام سے باہر چلے جائیں گے اور اس کی
سے اپنے آپ کو بے نیاز سمجھنے لگ جائیں گے تو اس وقت اس کی ذمے داری بھی اٹھ جائے گی۔"(

انفاق کا کلیدی کردار

مرکزِ ملت یہ ذمے داری افراد کے انفاق کی مدد سے پورا کرتا ہے اس معاشرہ کے تمام اف
بھرپور صلاحیت سے کماتے ہیں اور اپنی ضروریات کی تکمیل کے بعد باقی دولت اللہ کی راہ میں کھلی
ہیں۔(۷ـ) کیونکہ ان کی ذات کی نشوونما کا یہ بہترین راستہ ہے جو ان کا مقصود ومنتہا ہے۔

۱ـ القرآن، سورۃ الانعام، آیت ۱۵۲
۲ـ غلام احمد پرویز، عمر فاروق شاہکار رسالت، ص ۲۷
۳ـ القرآن، سورۃ الھود، آیت ٦
۴ـ غلام احمد پرویز، اسلام کیا ہے؟، ص ۱۳۲
۵ـ ایضاً، ص ۱۳۲
٦ـ غلام احمد پرویز، من ویزداں، ص ۱۳۲
۷ـ القرآن، سورۃ البقرہ، آیت ۲۱۹

محنت بہ حیثیت واحد عامل پیدائش

پرویز صاحب کے اس مجوزہ نظامِ معیشت کا اہم ترین پہلو صرف محنت کے معاوضے کو تسلیم کیا جاتا ہے یعنی معاوضہ محنت بقدرِ محنت۔ اس کیلئے ان کا بنیادی استدلال قرآن مجید کی سورۃ النجم کی آیت ہے جس میں ارشادِ ربانی ہے۔ ''انسان کیلئے صرف وہی کچھ ہے جس کے لئے اس نے محنت کی۔''(۱) اس آیت کی بنیاد پر ان کے نزدیک سرمائے کی کسی بھی شکل کا معاوضہ مثلاً کرایہ، بٹائی اور مضاربت وغیرہ جائز نہیں کیونکہ ان تمام اشکال میں سرمایئے کا معاوضہ وصول کیا جاتا ہے۔(۲-)

اس حوالے سے ان کی دوسری دلیل یہ ہے کہ انسان کی آمدنی دو بنیادی عوامل پر منحصر ہوتی ہے یعنی محنت اور کمانے کی صلاحیت کا فرق۔ افراد کی آمدنیوں میں تفاوت درحقیقت ثانی الذکر عامل کی وجہ سے ہوتا ہے لیکن سوال یہ ہے کہ یہ اکتسابِ رزق کی صلاحیت کیا انسان کی اپنی ہے؟(۳-)

درحقیقت یہ استعداد چار عوامل یعنی وراثتی صلاحیتوں، ابتدائی ماحول، تعلیم وتربیت اور مواقع کی دستیابی پر منحصر ہوتی ہے اور یہ تمام تر عوامل اللہ کی دین ہیں۔ ان پر انسان کا قطعی کوئی کنٹرول نہیں۔ انسان کا یہ کہنا کہ اس نے جو کچھ کمایا ہے اس کی اپنی ہنرمندی کا نتیجہ ہے صحیح نہیں ہے۔(۴-) صرف اول الذکر عامل یعنی محنت انسان کی اپنی ہے لہذا اسے صرف اتنا معاوضہ رکھنا چاہیئے جو بقدرِ محنت ہو۔ بہتر استعداد چونکہ اللہ کی عنایت کردہ ہے لہذا اس کے نتیجے میں حاصل ہونے والی آمدنی اللہ کو واپس کر دینی چاہیئے۔ یعنی اس کا انفاق کر دینا چاہیئے۔(۵-)

۱- القرآن، سورۃ النجم، آیت ۳۹

۲- غلام احمد پرویز، معراج انسانیت، ص ص ۳۶۹-۳۶۸

۳- غلام احمد پرویز، نظام ربوبیت، ص ۱۲۱

۴- ایضاً، ص ۱۲۲

۵- غلام احمد پرویز، مطالب الفرقان، ج ۱، ص ۱۱۰

زمین کی نجی ملکیت کی نفی :

اس حوالے سے ان کی تیسری دلیل یہ ہے کہ اس زمین سے انسان جو کچھ بھی حاصل کر
اس کے لئے خام مال اور قوانین اللہ کی دین ہیں یعنی زمین سے حاصل ہونے والی کوئی بھی شے ال
مشیت سے طے کردہ قوانین کے تحت انسان کو ملتی ہے اور کسی بھی جگہ یہی صورتِ حال ہے یعنی خام
اللہ کا عنایت کردہ ہے اور محنت انسان کی ہے لہٰذا انسان کا حق صرف اس کی محنت کے اعتبار سے
ہے اس سے زائد نہیں۔ زائد آمدنی ربوبیت عامہ کیلئے وقف ہونی چاہئے۔(۱-ب)اس طرح معاوضہ
بقدرِ محنت کا تصور ان کے انفاق پر غیر معمولی زور کیلئے بنیاد فراہم کرتا ہے۔

فکرِ پرویز کے تحت معاوضہ چونکہ صرف محنت کا ممکن ہے لہٰذا زمین کی نجی ملکیت بھی م
نہیں۔ یہ تصور ہی باطل ہے۔(۲-ب) ان کے نزدیک زمین ہوا، پانی، روشنی، حرارت کی طرح ایک م
شے (Free Good) ہے لہٰذا اس کی نجی ملکیت ممکن نہیں۔ ان کا یہ استدلال قرآن مجید کی
آیات کی بنیاد پر ہے پہلی آیت سورۃ حٰم سجدہ کی یہ آیت ہے۔ "اور اس نے اس کے اوپر پہاڑ کھڑے
دیئے اور زمین کو پیداواری صلاحیت دی اور چار ایام میں اس کی پیداوار کے اندازے مقرر کر دیئے
اسے تمام حاجت مندوں کیلئے کھلا رہنا چاہئے۔"(۳-ب)اس کے علاوہ سورۃ الرحمٰن کی یہ آیت "زمین
مخلوقات کیلئے ہے۔"(۴-ب) بھی انہیں اس نتیجے پر پہنچاتی ہے کہ زمین کی نجی ملکیت ممکن نہیں۔ تا
دلچسپ امر یہ ہے کہ ان کے نزدیک ارض کی ملکیت کی دعوے دار ریاست بھی نہیں ہو سکتی یہ اس
تحویل میں رہے گی کیونکہ وہ خدا کی ملکیت ہے اور اس کی ملکیت میں کسی کی شراکت ممکن نہیں۔(۵-

---

۱-ب غلام احمد پرویز، مطالب الفرقان، ج۱، ص ۱۲۳
۲-ب غلام احمد پرویز، نظام ربوبیت، ص ۱۲۶
۳-ب القرآن، سورۃ حٰم السجدہ، آیت ۱۰، ترجمہ از غلام احمد پرویز، مفہوم القرآن، ج ۳، ص ۱۱۱۰
۴-ب القرآن، سورۃ الرحمٰن، آیت ۵۵
۵-ب غلام احمد پرویز، ذاتی ملکیت، ماہنامہ طلوع اسلام، جلد ۲۱، نمبر ۵، شمارہ مئی ۱۹۸۶ء، ص ۱۵

چونکہ زمین کی ذاتی ملکیت نہیں ہو سکتی لہذا زمین کو بٹائی یا کرایے پر دینا جائز نہیں۔ (ا۔)

نجی ملکیت کا استرداد :

زمین کی نجی ملکیت کے استرداد سے وہ یہ نتیجہ اخذ کرتے ہیں کہ عام اشیاء کی نجی ملکیت بھی نہیں کیونکہ عام استعمال کی تمام اشیاء خواہ وہ کوئی ہوں وہ بالواسطہ یا بلاواسطہ ان چیزوں سے بنتی ہیں جو زمین سے حاصل ہوتی ہیں اب اگر زمین کی نجی ملکیت ممکن نہیں تو زمین سے حاصل ہونے والی اشیا بھی ملکیت ممکن نہیں وہ بھی خدا کی ملکیت ہیں۔ (۲۔)

جہاں تک اس ضمن میں قرآن مجید کی ان چھیاسی (۸۶) آیات کا تعلق ہے جو نجی ملکیت کا ا[illegible] کرتی ہیں ان کے متعلق پرویزؔ صاحب کا یہ خیال ہے کہ یہ اس عارضی دور سے متعلق ہیں جن میں ربوبیت اپنی حتمی شکل میں قائم نہ ہوا ہو۔ لہذا قرآن کے دیگر احکامات کی طرح یہ بھی تدریجی عمل ذریعے نظام ربوبیت کے قیام سے بتدریج پیچھے ہٹتے چلے جائیں گے۔ (۳۔)

عبوری دور میں نظام ربوبیت کے قیام سے مراد نظام سرمایہ داری، ملائیت اور مذہبی پیشوائیت زنجیروں میں جکڑے ہوئے معاشرہ کے اندر ایک ایسا قرآنی معاشرہ تشکیل دینا ہے جو ایسے سعادت افراد پر مشتمل ہو جو دوسروں کو محنت کے استحصال سے اجتناب کریں اور اپنی کمائی راہِ خدا میں رکھیں۔ (۴۔)

ا۔ غلام احمد پرویزؔ، معراج انسانیت، ص ص ۳۶۹۔۳۶۸

۲۔ غلام احمد پرویز، نظام ربوبیت، ص ۱۹۰

۳۔ ایضاً، ص ۱۹۳

۴۔ پروفیسر محمد آصف، قرآنی نظام ربوبیت کی عملی تشکیل، ص ۸۷

دولت جمع کرنے کی ممانعت :

ان کے نزدیک نظام ربوبیت میں دولت جمع نہیں کی جاسکتی۔ اس ضمن میں ایک طرف قرآ
اس حوالے سے شدید وعید سدِ راہ ہوگی تو دوسری طرف چونکہ نجی ملکیت کا کوئی تصور نہیں ہے
دولت جمع کرنے کا کوئی مصرف نہیں ہوگا۔(۱ـ) تعلیم کے ذریعے افرادِ معاشرہ کی ایسی تربیت کی ج
گی کہ وہ محض مفادِ کلی کے خوگر ہو جائیں گے۔(۲ـ)

تجارتی نفع سے انکار

ایک ایسے معاشرے میں جہاں افراد کی منجملہ ضروریات کی فراہمی معاشرہ یا مرکز ملت پر ہو
میں تجارت یا تجارت سے نفع حاصل کرنے کی بھی ضرورت نہیں ہوگی۔ تمام تر ذمے داری محض م
ملت کی ہوگی۔(۳ـ) اسی طرح اشیاء جب براہِ راست ضرورت مندوں تک پہنچادی جائیں گی تو ظ
ہے قیمت کا بھی سوال پیدا نہیں ہوگا۔(۴ـ)

اجرت کی مساوات

اس نظام میں اجرت میں تفاوت کا کوئی تصور نہیں ہوگا۔ تمام افرادِ معاشرہ اپنی مکمل استعداد ـ
مطابق کام کریں گے اور مرکز ملت ان کی جملہ ضروریات کا کفیل ہوگا۔ چونکہ سب محنت کررہے ہو
گے لہذا بلا استثنیٰ سب کی اجرت یکساں ہوگی خواہ کتنا ہی اعلیٰ تعلیم یافتہ یا ان پڑھ مزدور کیوں نہ ہو وہ ای
ہی اجرت کے حقدار ہوں گے۔(۵ـ) تاہم معذوروں، مساکین یا اس نوع کے دیگر افراد کی کفالت

۱ـ غلام احمد پرویز، نظامِ ربوبیت، ص ۱۵۵
۲ـ ایضاً، ص ۱۵٦
۳ـ ایضاً، ص ۱٦۲
۴ـ ایضاً، ص ۱٦۲
۵ـ ایضاً، ص ۱۲۷

ذمے داری مرکزِ ملت پر ہو گی۔(۱۔)

نظامِ زکوٰۃ :

پرویز صاحب کے نزدیک قرآن نے زکوٰۃ کی اہمیت پر بہت زور دیا ہے لیکن اس کی تفاصیل کہیں متعین نہیں کیا کیونکہ زکوٰۃ کا اصول غیر متبدل ہے لیکن اس کی جزئیات ہر زمانے کی ضروریات مطابق بدلتی رہیں گی۔ ان کے نزدیک "آج جو حکومت نظامِ ربوبیت قائم کرنا چاہے وہ اس مقصد حصول کیلئے اپنی مداتِ آمدنی کی جزئیات خود متعین کرے گی اور اس طرح سے حاصل کردہ آمدنی کو ، کی نشوونما (زکوٰۃ) پر صرف کرے گی یہ جزئیات حکومت کی طرف سے عائد کردہ ہر ٹیکس کی شرح نصاب، طریق وصولی، نیز اس آمدنی کے مناسب اخراجات وغیرہ پر محیط ہو گی۔"(۲۔) جبکہ صدقا سے مراد ہنگامی یا اچانک ضروریات کو پورا کرنے کیلئے حکومت کی جانب سے عائد کردہ ہنگامی ٹیکس ہیں میں عطیات بھی شامل ہیں تاہم ان کی وصولیابی اور خرچ دونوں حکومت کی ذمے داری ہیں۔ قرآن میں اس کی شرح یا حدود کا تذکرہ نہیں البتہ چند مصارف کو ضرور گنوایا گیا ہے۔(۳۔)

ربوٰا :

پرویز صاحب کے نزدیک "قرآن کریم نے جو معاشی نظام تجویز کیا ہے اس میں سود کی کہیں گنجائش نہیں جب اس میں دولت کا جمع کرنا ہی منع ہے تو پھر سود تو کجا، اس میں قرضہ کا بھی سوال نہ پیدا ہوتا اس میں فالتو سرمایہ کسی کے پاس رہتا ہی نہیں سارے معاشرے میں بٹ جاتا ہے۔"(۴

۱۔ غلام احمد پرویز، نظام ربوبیت، ص ۱۲۷

۲۔ غلام احمد پرویز، سلسبیل، ص ۱۱۵

۳۔ ایضاً، ص ۱۱۷

۴۔ غلام احمد پرویز، لغات القرآن، ج ۲، ص ۷۱۹

سود اس وجہ سے حرام ہے کہ یہ کسی محنت کا معاوضہ نہیں ہوتا جبکہ پرویز صاحب کے نزدیک معا
صرف محنت کا ہے۔(۱-) "سرمایئے پر ہر قسم کی بڑھوتری حرام ہے خواہ اس کی شکل کوئی بھی کیوں
ہو۔ قرض دینے والا صرف راس المال (اصل زر) واپس لے سکتا ہے اس سے زائد نہیں۔" (۲-)

تقسیمِ دولت

فکرِ پرویز کے تحت دولت کی منصفانہ تقسیم پر غیر معمولی زور دیا جاتا ہے ان کے نزدیک
امراء انبیاء اکرام کی دعوت کی مخالفت میں ہمیشہ پیش پیش رہتا تھا کیونکہ "آسمانی انقلاب جس کے د
حضرات انبیاء کرام تھے اسی غیر خداوندی نظام کو مٹانے کیلئے آتا تھا جس میں رزق کے سرچشمے انسانو
کے پاس رہتے ہیں وہ ان ذرائع رزق کو انسانوں کے ہاتھوں سے چھین کر قانونِ خداوندی کے سپرد کر
ہے تاکہ اس سے تمام نوعِ انسانی کی پرورش ہو سکے۔" (۳-) یہی وجہ ہے کہ رزق کے سرچشمے س
کیلئے یکساں طور پر کھلے رہنے چاہئیں۔(۴-) ان کے نزدیک فساد کی بنیادی وجوہ پوری انسانی تاریخ میں
تین بنیادی رہی ہیں یعنی استبدادِ حکومت، مذہبی پیشوائیت اور سرمایہ داری (۵-) یہی تین طبقات انب
کی مخالفت میں سب سے آگے رہتے تھے "تاریخِ عالم پر غور کیجئے دعوتِ انقلاب کی مخالفت ہمیشہ
گوشوں سے ابھرتی نظر آئے گی ایک گوشہ ملکیت والوں کا (خواہ وہ قیصر ہوں یا سرمایہ دار) اور دوسرا گو
مذہبی پیشواؤں کا۔ اس لئے کہ یہ دونوں گوشے دوسروں کی گاڑھے پسینے کی کمائی پر تن آسان زندگی بس
کرنے کے خوگر ہوتے ہیں۔" (۶-) یہیں سے تقسیمِ دولت میں عدم مساوات کی ابتداء ہوتی ہے ا

۱- غلام احمد پرویز، لغات القرآن، ج ۲، ص ۷۲۱
۲- غلام احمد پرویز، قرآنی قوانین، ص ۱۲۲
۳- غلام احمد پرویز، جوئے نور، ص ۱۲
۴- ایضاً، ص ۷۹
۵- غلام احمد پرویز، برقِ طور، ص ۲
۶- غلام احمد پرویز، شعلۂ مستور، ص ۱۹۷

غالبًااسی کی پیش بندی کے طور پر ان کے مجوزہ نظامِ ربوبیت میں نجی ملکیت (ماسواء عام ضروریات کی ا
کے) کا کوئی تصور نہیں اور تمام وسائل و ذرائع پیداوار مرکزِ ملت (حکومت) کی تحویل میں
گے۔ (۱ب)

تنوع

بالعموم اس قسم کے نظام میں جو مکمل طور پر مرکزی طور پر منضبط ہو اشیا کی پیداوار غیر مت
یکسانیت کا شکار ہو جاتی ہے تاہم پرویز صاحب اس امر کی ضمانت دیتے ہیں کہ نظامِ ربوبیت میں ایسا
ہو گا اور اس میں انفرادی ذوق کا خیال رکھا جائے گا۔ (۲ب)

مختصراً اس نظام میں :۔

۱۔ کوئی فرد بھوکا، ننگا یا بے گھر نہیں رہے گا تمام افراد معاشرہ کے لئے بنیادی ضروریات کی فرا
معاشرہ کی ذمے داری ہو گی۔

۲۔ معاشرہ ہر شخص کی تعلیم و تربیت اور علاج معالجے کا ذمے دار ہو گا۔

۳۔ ماسوا معذور لوگوں کے ہر شخص اپنی پوری استعداد سے کام کرے گا اور اپنی محنت کے ما
میں صرف اتنا رکھے گا جو اس کی ضروریات کے لئے کافی ہو باقی تمام رقم وہ مرکزِ ملت کو واپس
دے گا۔

۴۔ رزق کے تمام سرچشمے زمین، کارخانوں یا کسی بھی شکل میں مرکز ملت کی تحویل میں ہوں
اور مرکز ملت انہیں لوگوں کی فلاح و بہبود کے لئے خرچ کرے گا۔

۵۔ چونکہ تمام ضروریات کا کفیل معاشرہ ہو گا لہذا دولت سمیٹنے اور جائیدادیں بنانے کا کوئی سوال

۱ب غلام احمد پرویز، من و یزداں، ص ۱۱۵

۲ب غلام احمد پرویز، نظام ربوبیت، ص ۱۹۰

پیدا نہیں ہوگا۔(۱ے)

تجزیہ

پرویز صاحب کی معاشی فکر پر متعدد اعتراضات وارد ہوتے ہیں مثلاً اس سوال یا اعتراض جواب میں کہ تاریخ میں اس نظامِ ربوبیت کی کوئی مثال یا نظیر ہمیں کیوں نہیں ملتی۔ اس ضمن میں خیال ہے کہ "تاریخ ظنی ہے۔"(۲ے) ہماری تاریخ دورِ ملوکیت و سرمایہ داری کے آغاز میں لکھی گئ دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ تاریخ وروایات جو ہم تک پہنچی ہیں وہ اس قدر اختلافات، تناقصات اور تضاد سے پر ہے کہ معمولی سے معمولی مسئلہ کا حل بھی ممکن نہیں ہے۔(۳ے) تاہم وہ خود بھی اپنے استد کے حق میں جو زیادہ سے زیادہ دلیل لا سکے ہیں وہ شام و مصر کی مفتوحہ زمینوں سے متعلق حضرت عمرؓ فیصلے ہیں اس سے زائد نہیں لہذا اس بابت پرویز صاحب کے نقطۂ نظر کو کم از کم تاریخی تائید حاصل ہوتی۔

پرویز صاحب جس استدلال کی بنیاد پر نجی ملکیت کا انکار کرتے ہیں وہ بھی خاصا محل نظر اسلامی نقطۂ نگاہ سے زمین کی نجی ملکیت کا کوئی تصور نہیں ہے لیکن اس سے یہ نتیجہ اخذ کر لینا کہ چونکہ اشیاء زمین سے حاصل ہوتی ہیں لہذا اشیاء کی نجی ملکیت بھی ممکن نہیں کوئی قابلِ قبول مفروضہ نہیں یہ مفروضہ اس وقت یقیناً درست ثابت ہو سکتا تھا اگر زمین سے حاصل ہونے والی تمام اشیا مکمل حا (Finished Goods) میں ہوتیں اور انسان انہیں براہ راست قبضے میں لے لیتے۔ لیکن چونکہ نہیں ہے بلکہ زمین سے حاصل ہونے والی اشیا خام حالت میں ہوتی ہیں انسان اپنی محنت سے ان میں پیدا کرتا ہے اور یہی افادہ ان کی نجی ملکیت کا سبب بنتا ہے اور یہ حق ایسا ہے جیسے خود اللہ تعالیٰ نے تسلی ہے لہذا کوئی اسے چھین نہیں سکتا۔

۱۔ غلام احمد پرویز، قرآنی معاشرہ میں کیا ہوگا؟، ماہنامہ طلوع اسلام، جلد ۲۳، نمبر ۱، شمارہ جنوری ۱۹۷۰، ص ص ۷۲۔۱

۲۔ غلام احمد پرویز، سلیم کے نام، ج ۳، ص ۲۳۲

۳۔ غلام احمد پرویز، نظام ربوبیت، ص ۱۹۰

پرویز صاحب کی بنیادی غلطی حقوق اور احکام میں واضح فرق نہ کر سکنا ہے نجی ملکیت ایک
ہے، حکم نہیں۔ حکم حالات سے مشروط ہوتا ہے جو حالات کی تبدیلی کی صورت میں تبدیل ہو سکتا
جب کہ حقوق عارضی طور پر استثنائی حالات میں معطل تو کیے جا سکتے ہیں انہیں مطلق ساقط یا ختم نہیں
سکتا پرویز صاحب انسانی حق کو احکام تصور کرتے ہوئے ساقط کرنا چاہتے ہیں جو ممکن نہیں۔

پرویز صاحب کے معاشی ڈھانچے پر سب سے بنیادی اعتراض انفاق پر غیر معمولی انحصار
یہ تصور کر لیتے ہیں کہ ان کے مجوزہ نظامِ ربوبیت میں ہر شخص مسلسل انفاق کر رہا ہو گا یہ ظاہر ہے
نہیں ہے مال و دولت کو اللہ کی راہ میں کھلا رکھنا اتنا مشکل امر ہے کہ خود باری تعالیٰ نے اس کو پہ
چڑھنے کے مترادف قرار دیا ہے۔ (ا) اب ظاہر ہے ہر شخص تو یہ پہاڑ سر کرنے سے رہا۔

پرویز صاحب کا یہ نقطۂ نظر کہ نظامِ ربوبیت میں ایک اعلیٰ تعلیم یافتہ اور ان پڑھ کو یکساں معا
دیا جائے گا کیونکہ وہ دونوں محنت کر رہے ہوں گے عملی حقائق سے بہت بعید ہے۔ تفاوتِ درجات ا
بدیہی حقیقت ہے جس سے انکار نا ممکن ہے۔ سوشلزم کی ناکامی کی بنیادی وجہ فطرت سے یہی جنگ
اور ظاہر ہے انسان فطرت کو نہیں ہرا سکتا یہ ممکن ہی نہیں۔

پرویز صاحب کا یہ استدلال کہ قیمتوں کی میکانیت کے بغیر پیدا کی جانے والی اشیاء میں تنوع
کیا جا سکے گا یا کہ تمام لوگوں کو اشیاء ان کی پسند کے مطابق فراہم کی جائیں گی کسی صورت ممکن نہ
ہے۔ اور حرفِ آخر یہ کہ جس نظام میں اشیاء کی قیمتوں کا تعین ہی نہ ہو سکے جیسے کہ سوشلزم میں ہوتا
وہ نظام کسی بھی صورت ایک معاشی نظام کہلا ہی نہیں سکتا بدقسمتی سے پرویز صاحب کے نظامِ ربوبی
کے ساتھ بھی یہی صورت حال ہے۔

ا۔ القرآن، سورۃ البلد، آیات ۱۰ تا ۱۶

جہاں تک فکرِ پرویز کے معاشی پہلو کا تعلق ہے اس کی سب سے نمایاں خصوصیات معاوضہ محنت بقدر محنت کے تصور کو اساس بنانا ہے۔ ان کے نزدیک معاوضہ صرف محنت کا ہے۔ سرمائے کی کسی بھی شکل کا معاوضہ خواہ ااس کی صورت کچھ ہی کیوں نہ ہو ان کے نزدیک حرام ہے۔

ان کی اس فکر کا اگر ارتقائی تجزیہ کیا جائے تو یہ بات سامنے آتی ہے کہ اس کی ابتدا بہت خام حالت میں شاہ ولی اللہ کے یہاں ہوتی ہے۔ اقبال نے بھی اس فکر کی آبیاری بالواسطہ انداز میں اپنی نظم میں کی اور بالآخر فکر پرویز کی شکل میں یہ فکر ایک مکمل شکل میں سامنے آگئی جس میں ہر قسم کی شکل کے معاوضے کا مکمل استرداد کرتے ہیں۔ اب اگر سرمائے کی تمام اشکال کا معاوضہ حرام ہے تو معاوضہ صرف محنت کا ممکن ہوسکتا ہے جو فکر پرویز کا بنیادی استدلال ہے۔ اسی بنیاد پر وہ غیر مکتب آمدنی کے تمام ذرائع مثلاً مزارعت مضاربت اور کرایہ وغیرہ کو تسلیم نہیں کرتے۔

اگر بہ نظر غائر دیکھا جائے تو اسلامی معاشی فکر کے مروج تصورات جن کے تحت غیر مکتسب آمدنی کو جائز متصور کیا جاتا ہے ان کے مقابلے میں فکر پرویز ایک بالکل متضاد صورت میں نظر آتی ہے اگر چہ یہ فکر عمومی قبولیابی حاصل نہیں کرسکی تاہم اس حوالے سے ان کے بعض دلائل یقیناً ایسے ہیں جن پر مزید غور وخوص کی ضرورت ہے۔

پرویز صاحب کے عہد کا اگر تجزیہ کیا جائے تو ان کا عہد سوشلزم کے عروج کا دور ہے۔ جب سابقہ سو شلسٹ بلاک کی طرف سے سوشلزم کو سرمایہ دارانہ نظام کے مقابل ایک متبادل نظام کی حیثیت سے پیش کیا گیا۔ سوشلسٹ نظام کے تحت ریاست کو پوری معیشت میں مرکزی حیثیت حاصل ہے۔ اور ریاست ہی تمام افراد کی بنیادی ضروریات کی کفیل ہوتی ہے جو کردار ایک سوشلسٹ معیشت میں ریاست ادا کرتی ہے بعینہ وہی صورت حال فکر پرویز کے حوالے سے نظام ربوبیت میں بھی ہے۔

ان کے نظام ربوبیت میں ریاست افراد ریاست کی تمام ضرریات کی کفیل ہوتی ہے جس میں غذا، لباس، تعلیم، علاج، روزگار وغیرہ شامل ہیں۔ ان ضروریات کی تکمیل کے لئے معیشت کے تمام وسائل مکمل طور پر ریاست کی تحویل میں ہوں گے۔ افراد معاشرہ اپنی پوری استعداد کے مطابق کام کریں گے اور اپنی ضروریات کے بقدر رکھ کر باقی تمام آمدنی راہ خدا میں کھلی رکھیں گے۔ فکر پرویز کی ایک اور نمایاں خصوصیت یہ بھی ہے کہ ان کے نزدیک زکوۃ کی شرح اور مدات دونوں غیر متبدل نہیں ہیں بلکہ ان دونوں کا تعین اسلامی حکومت اپنی ضرورت کے مطابق کرے گی۔ اس حوالے سے بھی روایتی فکر اور فکر پرویز میں نمایاں بعد ہے۔

اسلامی سوشلزم کی تحریک

پرویز صاحب کی فکر نے جو بیج بویا تھا وہ اسلامی سوشلزم نامی تحریک کی شکل میں تناآور در خ
شکل میں سامنے آیا۔ ۶۰ء کی دہائی میں پاکستان میں معاشی ترقی کے لئے تقسیم دولت میں دانست
مساوات کا ہارورڈ اسکول کا فلسفہ ملک میں تقسیم دولت میں شدید عدم مساوات کا سبب بنا۔ اور جب اس
خلاف رائے عامہ بیدار ہوئی تو فکری سطح پر اس کے خلاف ردِ عمل اسلامی سوشلزم کی تحریک کی شکل
سامنے آیا۔ اس تحریک کے اہم علمبرداروں میں خلیفہ عبد الحکیم، غلام رسول مہر، محمد سرور، صفدر
پروفیسر محمد عثمان، کنیز فاطمہ، مسعود کھدر پوش، رحمت اللہ طارق وغیرہ شامل تھے۔

اس تحریک کے نمائندہ افراد بیشتر حالات میں فکرِ پرویز کی خوشہ چینی کرتے نظر آتے ہیں
خود پرویز صاحب نے اسلامی سوشلزم کی اصطلاح کو تسلیم نہیں کیا ان کے نزدیک اسلام اور سو
دونوں ایک دوسرے کی نقیض ہیں لہذا یہ اصطلاح "جمع بین النقیضین" ہے۔ (۱)

اس تحریک کو خاصی مشکل اس اصطلاح کی تعریف کے ضمن میں رہی اور کوئی واضح یا م
تعریف اس کے مبلغ پیش نہیں کر سکے تعریف تو درکنار وہ اس کی حدود کا تعین کرنے میں بھی
رہے۔ اگرچہ ان کی جانب سے اس امر پر مسلسل زور دیا گیا کہ اسلامی سوشلزم سے مراد وہی اقتصادی
ہے جو اسلام نے تجویز کیا تھا اور جس کی عملی شکل خلفائے راشدین نے پیش کی تھی لہذا لفظی بحث
الجھے بغیر اور اسے کفر و ایمان کا مسئلہ بنائے بغیر اس مقصود و منتہا کو سامنے رکھا جائے جس کی یہ تحر
علمبردار ہے۔ (۲) تاہم یہ تحریک کسی بھی مرحلے میں یہ واضح کرنے میں ناکام رہی کہ سوشلزم
اسلامی سوشلزم میں کیا جوہری فرق ہے؟۔

اس تحریک کی جانب سے جن بنیادی نکات پر زور دیا گیا ہے وہ مندرجہ ذیل ہیں۔

۱۔ غلام احمد پرویز، نظام ربوبیت، ص ص ۳۰۶۔۳۰۵

۲۔ محمد حنیف رامے، اسلامی سوشلزم، مرتب، پروفیسر محمد عثمان، قرآن کا اشتراکی رجحان، ص ۶۲

ا۔ حاکمیت صرف اللہ کی ہے

اللہ ہی خالق و مالکِ کل ہے لہذا حاکمیت صرف اللہ کی ہے اور انسانی معاشرے میں اس کی شکل قرآن کی حاکمیت ہے لہذا ایک اسلامی ریاست میں صرف قرآن کی حکمرانی ممکن ہے اگر ایسا نہ کیا گیا تو یہ ظلم اور کفر ہو گا۔ (۱)

۲۔ اسلامی ریاست کے فرائض

ایک اسلامی ریاست اللہ کی جانب سے افرادِ ملت کی ضروریاتِ زندگی کی تکمیل کی ذمے دار ہو گی۔ (۲) حتیٰ کہ اگر حکومت اپنا یہ سب سے بنیادی فریضہ انجام نہیں دے سکتی تو اسے لوگوں سے اطاعت کے مطالبہ کرنے کا بھی حق نہیں پہنچتا۔ (۳)

۳۔ معاوضہ صرف محنت کا ہے

یہ اس تحریک کا سب سے پسندیدہ موضوع تھا جس پر بہت کچھ لکھا گیا اس دعوے کی بنیاد قرآن مجید فرقان حمید کی سورۃ النجم کی آیت ۳۹ پر رکھی گئی جس میں ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ ''انسان کے لئے اس کی محنت سے ماسوا کچھ نہیں۔'' اس بنیاد پر سرمایہ داری اور زمینداری دونوں زمین بوس ہو جاتے ہیں۔ (۴) کیونکہ سرمایہ محض مزدور کی وہ زائد محنت ہے جو سرمایہ دار محنت کش کو ادا نہیں کرتا اور اس طرح وہ اپنے سرمائے کو بڑھاتا چلا جاتا ہے۔ (۵) یہ آیت ہر قسم کے محنت کے استحصال کا دروازہ بند کر دیتی ہے اور انسان کو مجبور کرتی ہے کہ وہ خود کمائے اور کھائے۔ (۶) اگر قدرِ محنت کا یہ اصول

۱۔ محمد حنیف رامے، اسلامی سوشلزم مرتب، فقیر بخش بگٹی، اسلامی سوشلزم، ص ۵۲

۲۔ ایضاً، ص ۵۳

۳۔ ایضاً تعارف از محمد حنیف رامے، ص ۱۱

۴۔ ایضاً، ص ۱۷

۵۔ ایضاً، مجتبیٰ فاروقی، اسلامی سوشلزم کیا ہے، ص ۳۷

۶۔ محمد حنیف رامے، اسلامی سوشلزم، مرتب، فقیر بخش بگٹی، اسلامی سوشلزم، ص ۵۳

تسلیم کر لیا جائے تو سود کا از خود خاتمہ ہو جاتا ہے۔(۱۔)

۴۔ زمین کی نجی ملکیت کا خاتمہ یا حدِ ملکیت کا تعین

زمین کی نجی ملکیت کے حوالے سے اس تحریک کی دو آراء تھیں پہلی رائے کے مطابق زمین کی نجی ملکیت کا کوئی وجود نہیں۔ زمین اور زمین میں جو کچھ ہے وہ انسانوں کا مشترکہ ورثہ ہے۔(۲۔) قرآن کی مختلف آیات کے استشہاد سے یہ ثابت کیا گیا کہ از روئے قرآن جاگیرداری یا زمینداری صریحاً ممنوع ہیں۔(۳۔) تاہم بعض مفکرین کی نظر میں یہ ملکیت صرف قابلِ کاشت اراضی کی حد تک ممکن ہے ا ایسی زمین جو اس کا مالک زیرِ کاشت نہ لا رہا ہو وہ اس سے چھینی جا سکتی ہے۔(۴۔) ریاست زمین کی ملکیت متعین کر سکتی ہے زمین کا لگان سود کی طرح حرام ہے۔(۵۔)

۵۔ انفاق پر زور

انفاق پر اس تحریک کی جانب سے بہت زور دیا گیا اور اس حوالے سے سورۃ البقرہ کی آیت ۱۹ بار بار حوالہ دیا گیا جس میں زائد از ضرورت تمام دولت اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کا حکم دیا گیا ہے ا اسلامی معاشرے میں کوئی شخص محض اتنی دولت رکھ سکتا ہے جو اس کی ضروریات کی کفیل ہو اس زائد دولت رکھنا اسلام سے بغاوت کے مترادف ہے۔(۶۔) در حقیقت فاضل دولت ہی عیاش

۱۔ محمد حنیف رامے، اسلامی سوشلزم، مرتب، ص ۱۸

۲۔ ایضاً شاکر رضوانی، سوشلزم اور اسلام، ص ۱۰۰

۳۔ ایضاً، ص ۱۰۱

۴۔ ایضاً، فقیر بخش بگٹی، اسلامی سوشلزم، ص ۵۲

۵۔ ایضاً، خلیفہ عبدالحکیم، اسلامی سوشلزم، ص ۳۵

۶۔ ایضاً، ص ۳۷

طرف لے جاتی ہے۔(۱۔ب)اس تحریک کے اکابرین کے نزدیک اشتراکیت کے بنیادی اصول یعنی ہر ایک سے اس کی اہلیت کے مطابق کام لیا جائے گا اور کام کے مطابق معاوضہ دیا جائے گا۔ اور اگلے مرحلے یعنی کمیونزم میں ہر ایک سے اس کی اہلیت کے مطابق کام لیا جائے گا اور ضرورت کے مطابق ادا کیا جائے" قرآن ہی سے ماخوذ ہیں۔(۲۔ب)ان کے نزدیک علامہ اقبال کی سوشلزم کی پسندیدگی یا اس انقلاب سے ب امیدی کی وجہ بھی سوشلزم کی اسلام سے یہی یکسانیت تھی۔(۳۔ب)اس مکتبۂ فکر کے نزدیک زکواۃ خیرات سے متعلق آیات اسلام کے ابتدائی دور کے متعلق ہیں کیونکہ قرآن اپنے مخصوص اسلوب کے تحت معاشرہ کو بتدریج منزل مقصود تک لے جاتا ہے۔ اس ضمن میں شراب کی بندش اور امتناعِ سود میں تدریج کی مثالیں دی جاسکتی ہیں۔ اس پس منظر میں جب اسلامی ریاست و معیشت کی بنیادیں مضبوط گئیں تو ایسے احکامات دیئے گئے جن میں دولت کو مکمل طور پر کھلا رکھنے کا حکم ہے یہی وجہ ہے آنحضرت ﷺ نے وراثت میں ایک سادہ درہم بھی نہیں چھوڑا۔ آپ ﷺ کا یہ عمل قل العفو کے قرآ حکم کی عملی تفسیر ہے۔(۴۔ب)اسی بنیاد پر انفاق کو قوانینِ وراثت پر ترجیح حاصل ہے اگر نجی ملکیت کو محف اس لئے قائم رہنا چاہیئے کہ قرآن کے قوانینِ وراثت معطل نہ ہو جائیں تو غلاموں اور لونڈیوں کی تجار بھی اسلام میں روا رہنی چاہیے اور خمر و قمار اور زناکاری بھی کسی نہ کسی صورت میں باقی رہنی چاہیے اور بھلا دینا چاہیے کہ نبی کریم ﷺ نے زکواۃ کے احکام کو معطل ہونے بچانے کی خاطر اپنی زندگی میں مال نہیں کیا بلکہ روحِ قرآن کے تحت زائد مال کو راہِ خدا میں خرچ کر کے اپنی ضرورت پر دوسروں ضرورت کو ترجیح دیتے ہوئے زکواۃ کی نوبت ہی نہیں آنے دی۔(۵۔ب)

۱۔ ایضاً، ڈاکٹر جیلانی برق، اسلام اور سوشلزم کا معاشی نظام، ص ۶۹

۲۔ محمد حنیف رامے، اسلامی سوشلزم، مرتب، غلام جیلانی برق، اسلام اور سوشلزم کا معاشی نظام، ص ۷۰

۳۔ ایضاً، ص ۷۱

۴۔ ایضاً، عبدالحمید جودۃ السحار، اسلام اور اشتراکیت، ص ص ۷۷۔۷۸

۵۔ ایضاً، تعارف از مصنف، ص ۱۲

تاریخ کی مادی تعبیر

سوشلزم کی بنیاد چونکہ تاریخ کی مادی تعبیر پر ہے لہٰذا اس تحریک کے مبلغین نے سوشلزم کی اسلام سے یکسانیت ثابت کرنے کے لئے قرآن کی اس انداز میں تفسیر کی جو سوشلسٹ نقطۂ نگاہ سے قریب ترین ہو۔ اس مقصد کے لئے یہ دلیل پیش کی گئی کہ قرآن مجید میں داستان آدم میں "شجر" کا استعارہ انفرادی ملکیت کے لئے ہے۔ قرآن نے انسانوں اور مختلف اقوام کے باہمی تصادم کی بنیاد مال پر رکھی ہے جسے سوشلسٹ انداز فکر کے تحت جدلیت کہا جاتا ہے مختلف انبیاء کرام علیہم السلام بالخصوص حضرت نوح علیہ السلام، حضرت ہود علیہ السلام، حضرت صالح علیہ السلام اور حضرت شعیب علیہ السلام کے واقعات میں غریب اور امیر کی باہمی کشمکش اور سرمایہ دار کی تباہی، تاریخ کی مادی تعبیر کے سوا کیا ہے؟۔(۱ے)

یہ تحریک در حقیقت اسلام کی روایتی تفسیر و تعبیر کے خلاف ایک ردِ عمل تھی جس کے تحت انتہائی معمولی شرعی واجبات کی ادائیگی کے بعد نجی ملکیت کی محدود حد تک اجازت دے دی گئی ہے عام مسائل زندگی کی طرف سے آنکھیں بند کر کے اس کے خسارے کو عبادات کی اہمیت میں بے تحاشہ غلو کے ذریعے پورا کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔

یہی وجہ ہے کہ اس تحریک کو دورِ حاضر میں مرتب ہونے والی شریعت کہا گیا جو اسلام کے مقابل نہیں بلکہ اسلام کے زیر اثر اسلام ہی سے فیض یاب ہونے والی فقہ ہے جو اس تصور کے خلاف تھی کہ اسلام محض عبادات کا مجموعہ ہے اور ضروریات زندگی محض دنیوی مسئلہ ہیں۔(۲ے) اس حوالے سے ایک ایسی شریعت کی بات کی گئی جو تیرہ سو سال پرانی ملوکیت زدہ فقہ پر مبنی نہ ہو بلکہ اسلام کی روح کے مطابق ہونے کے ساتھ ساتھ عصرِ حاضر سے بھی آنکھ ملانے کے قابل ہو۔(۳ے) ان مقاصد کے حصول

۱۔ محمد حنیف رامے، اسلامی سوشلزم، مرتب، تعارف از مصنف، ص ۱۲

۲۔ ایضاً، ڈاکٹر کنیز فاطمہ یوسف، اسلامی سوشلزم، ص ۴۲

۳۔ ایضاً، ص ۴۳

لئے اس تحریک کی جانب سے جو لائحہ عمل اختیار کیا گیا وہ اشتراکی تھا اور اسی بنیاد پر نجی ملکیت کے خاتمے اور وسائل و ذرائع پیداوار حکومت کی تحویل میں دینے کا مطالبہ کیا گیا تاکہ بڑے پیمانے پر جاری غریبوں کے استحصال کا خاتمہ ہو سکے۔

اس لائحہ عمل کا جواز یہ پیش کیا گیا کہ اگر اسلام میں اجتہاد کا دروازہ کھلا ہوتا تو شاید ان مقاصد کو حاصل کرنے کی حکمت عملی مختلف ہوتی لیکن اس دور میں چونکہ مساوات کی تعلیم سوشلزم سے مل رہی ہے لہٰذا اسی مناسبت سے اس کا یہی نام اور لائحہ عمل اختیار کیا گیا ہے۔(۱) تاہم اس ضمن میں بنیاد قرآن مجید ہونا چاہیے روایتی فقہ حجت نہیں بن سکتی اس سے فائدہ اٹھایا جاسکتا ہے تاہم، ہم اس کے مکلف نہیں ہر عہد کی ضروریات کے مطابق فقہ مرتب ہو سکتی ہے۔(۲)

تجزیہ:

اسلام کی معاشی تعلیمات کی سوشلسٹ انداز میں تعبیر صرف پرویز صاحب تک محدود نہیں۔ اسلامی تعلیمات کی اس انداز میں تفسیر کی ایک ابتدائی کوشش ہمیں مولانا عبیداللہ سندھی کی تحریروں میں بھی ملتی ہے لیکن مولانا کی شخصیت کا سیاسی پہلو چونکہ بہت نمایاں ہے مزید براں انہوں نے خود اپنی معاشی فکر کے حوالے سے زیادہ نہیں لکھا۔ لہٰذا اس حوالے سے ان کی شخصیت زیادہ نمایاں نہیں ہو سکی۔ جہاں تک اسلامی سوشلزم تحریک کا تعلق ہے اس تحریک کی کامیابی یہ تھی کہ انہوں نے اسلامی معاشی نظام کے متذکرہ بالا پہلوؤں پر خصوصی زور دیا اسلامی فقہ پر نظر ثانی کی ضرورت، سرمائے کے استحصال کا خاتمہ، انفاق پر زور اور معاوضہ محنت بقدر محنت کے اصول کو اجاگر کیا۔ تاہم ان مقاصد کو حاصل کرنے کی غلط حکمت عملی کی وجہ سے یہ تحریک ناکام رہی۔ دراصل نظریہ حیات (Ideology) ایک نامیاتی عمل (Organic Process) ہوتا ہے اس میں ملاوٹ یا اشتراک نہیں ہو سکتا اس تحریک کی بنیادی خامی یہی تھی کہ دو متضاد نظریہ ہائے حیات یعنی اسلام اور سوشلزم کو یکجا کرنے کی کوشش کی گئی جو ظاہر ہے ممکن نہ تھا اور نہ ہے۔

۱۔ ایضاً، پیش لفظ از فتح محمد ملک، ص ۸

۲۔ مجتبیٰ فاروقی، اسلامی سوشلزم کیا ہے؟، ص ۳۹

باب نمبر ۷

اسلامی معاشی فکر۔ عہد جدید کے تناظر میں

عہدِ حاضر میں اسلامی معاشی فکر نہ صرف یہ کہ تیز رفتار ارتقاء پذیر ہوئی ہے بلکہ اس کے تنوع، گہرائی، وسعت اور نفس مضمون سب میں نمایاں اضافہ ہوا ہے۔ ویسے تو ان کوششوں کا آغاز جیسا کہ پچھلے ابواب میں واضح کیا گیا ہے اس صدی کے چوتھے عشرے سے ہو گیا تھا لیکن لکھنے والوں کی تعداد، معاشی موضوعات کے تنوع اور اس کی جزئیات پر بحث غرضیکہ ہر لحاظ سے چھٹے اور ساتویں عشرے اور مابعد کو نمایاں اہمیت حاصل ہے اس دور کے اہم مفکرین میں ڈاکٹر نجات اللہ صدیقی، ڈاکٹر محمد عمر چھاپرا، ڈاکٹر سید محمد حسن الزماں، محمد عبدالمنان، محمد اکرم خان، مفتی محمد تقی عثمانی اور شیخ محمود احمد وغیرہ شامل ہیں۔ یہ وہ حضرات ہیں جو اسلامی معاشیات کے موضوع پر گذشتہ تین یا زائد دہائیوں سے تسلسل سے کام کر رہے ہیں ان کی فکر کا ماحصل تحقیقی مقالات اور کتب کی شکل میں سامنے آتا رہا ہے۔ ذیل کے صفحات میں ہم ان کی فکر کا تفصیلی تعارف پیش کریں گے جبکہ باب کے آخر میں ہم ان مصنفین کی کوششوں کا جائزہ لیں گے جنہوں نے نسبتاً کم عرصے میں اسلامی معاشی فکر کی ٹھوس خدمت کی ہے۔

اس دور میں متذکرہ بالا اصحابِ فکر کے علاوہ جن اصحاب نے اس موضوع پر قلم اٹھایا ہے ان میں چند اہم نام مندرجہ ذیل ہیں۔

مولانا محمد طاسین، مفتی محمد شفیع، پروفیسر خورشید احمد، محمود احمد غازی، پروفیسر رفیع اللہ شہاب، ڈاکٹر عبدالحسن محمد صادق، نیر منظور، مشتاق احمد، محمد شریف چوہدری، شجاعت علی صدیقی، افضال الرحمٰن، اور ضیاء الدین احمد وغیرہ شامل ہیں۔ گذشتہ صدی کے آخری ربع کے آغاز میں مکہ معظمہ میں منعقد ہونے والی پہلی بین الاقوامی اسلامی اقتصادی کانفرنس ۱۹۷۶ء نے کئی مسلم ماہر اقتصادیات کی اس موضوع سے دلچسپی پیدا کی۔ اسلامی اقتصادیات پر مختلف معیاری جرائد کا اجراء

میں آیا۔ معاشیات کے کئی طلباء نے ملکی اور مغربی جامعات ۔ ہے اس موضوع پر مقالات لکھ کر پی ایچ ڈی کی سند حاصل کی مثلاً وقار مسعود، شاہ رخ، اختر سعید وغیرہ۔

ذیل کے صفحات میں متذکرہ بالا اکابرین کی فکر کے چیدہ چیدہ تاہم نمائندہ افکار کو زیر بحث لایا گیا ہے۔

ڈاکٹر محمد نجات اللہ صدیقی

عہدِ حاضر میں اسلامی معاشیات کے موضوع پر لکھنے والوں میں سب سے اہم نام ڈاکٹر محمد نجات اللہ صدیقی کا ہے جو گذشتہ تقریباً پینتالیس سال سے اس موضوع پر پوری یکسوئی سے لکھ رہے ہیں ان کی تصانیف میں شرکت مضاربت کے شرعی اصول، اسلام کا نظریۂ ملکیت اور Some Aspects of Islamic Economy وغیرہ شامل ہیں۔

ان کی سب سے پہلی کاوش قاضی ابو یوسف یعقوب کی کتاب ''کتاب الخراج'' کا اردو ترجمہ۔ جو ''اسلام کا نظام محاصل'' کے نام سے کیا گیا ہے۔

اس ترجمے میں مترجم کا ۷۶ صفحات پر مشتمل ایک مبسوط مقدمہ بذات خود ایک جامع دستاویز ہے جس میں کتاب، مصنف اور مصنف کے عہد کا جائزہ بالتفصیل لیا گیا ہے۔(۱-) جو اس اہم کتاب اس کے مصنف اور اس کے عہد کا ایک مکمل، جامع اور تجزیاتی جائزہ ہے۔

انشورنس اسلامی معیشت میں

ان کے خیال میں انشورنس کا خالص نظریہ تمام غیر اسلامی عناصر سے پاک ہے اور موجودہ

۱۔ قاضی ابو یوسف یعقوب، اسلام کا نظام محاصل، مترجم محمد نجات اللہ صدیقی، مقدمہ از مصنف

میں انشورنس میں جو غیر اسلامی عناصر داخل ہو گئے ہیں انہیں انشورنس کی تنظیم نو کے ذریعے دور کیا جاسکتا ہے۔ اس مقصد کے لئے وہ یہ تجویز کرتے ہیں کہ انشورنس کے شعبے کا بیشتر کاروبار حکومت کے پاس ہونا چاہیے جب کہ جزوی طور پر اسے نجی شعبے کے حوالے کیا جا سکتا ہے۔(۱ـ)

عہد حاضر کی مسلم معاشی فکر کا ایک سروے

اس سروے میں نجات اللہ صدیقی نے ۱۹۷۵ء تک دنیا کی تین بڑی زبانوں یعنی عربی، اردو اور انگلش میں اسلامی معاشی فکر کے حوالے سے لکھنے والوں کی فکر کا مختلف حوالوں سے ایک جامع سروے کیا ہے۔ اس سروے میں تینوں زبانوں کے اس عہد تک اہم مفکرین کی آراء مندرجہ ذیل موضوعات کے حوالے سے اس سروے میں جمع کی گئی ہیں۔

۱۔ اسلام کا معاشی فلسفہ

اس موضوع کے تحت اسلام میں تصورِ ملکیت، تعاون، ترقی اور نمو اور پیداواری تعلقات پر مفکرین کی آراء مجتمع ہیں۔

۲۔ اسلامی کا معاشی نظام

اس عنوان کے تحت اسلامی معاشی نظام کے مقاصد، صارف، آجر، تاجر اور پیداکار اور حکومت کے معیشت میں کردار کو زیرِ بحث لایا گیا ہے۔

۳۔ اسلامی معاشی نظام چند خصوصی پہلو

ان پہلوؤں میں مالیات عامہ، زکواۃ، وراثت، سماجی تحفظ اور انشورنس، زر اور بینکاری، بلا بینکاری، اسلامی ترقیاتی بینک، محنت اور آبادی سے متعلق پہلو شامل ہیں۔

۱ـ محمد نجات اللہ صدیقی، انشورنس اسلامی معیشت میں، ص ص ۹۰۔ ۲۰

۴۔ اسلام کی عہد حاضر کے معاشی نظاموں اور نظریات پر تنقید

اس حوالے سے سرمایہ داری، سود کے جدید نظریات، تخمینی سرگرمیوں، لاٹری، سوشلزم او
کمیونزم وغیرہ پر مسلم مفکرین نے جو تنقید کی ہے اس کا احاطہ کیا گیا ہے۔

۵۔ اسلامی تناظر میں معاشی تجزیئے کی ترقی

اس حوالے سے صرف، پیداوار، عاملین پیدائش، تبادلہ، قیمت اور نفع کا تعین، زکواۃ کا کردا
سود کی ممانعت اور اسلامی معاشیات کی نوعیت پر مختلف اسلامی معاشی مفکرین کی رائے پیش کی گئی ہے۔

۶۔ اسلام میں معاشی فکر

مختلف اسلامی مفکرین جن میں ابن خلدون، ابن تیمیہ، ابو یوسف، نصیر الدین طوسی، شاہ ولی ا
اور دیگر اصحاب کی فکر کے معاشی پہلوؤں پر مختلف اصحاب نے جو کچھ لکھا اس کا بیان اس حصے میں کیا
ہے۔ اس طرح مجموعی طور پر ایک خاص عہد تک ان موضوعات پر مسلم معاشی فکر کا خلاصہ بہت جا
انداز میں پیش کیا گیا ہے۔ جس سے اس عہد کی اسلامی معاشی فکر کو سمجھنے میں بہت مدد ملتی ہے۔

شرکت اور مضاربت کے شرعی اصول

چونکہ اس امر پر تقریباً اتفاق رائے ہے کہ بلا سود بنکاری کا ڈھانچہ شرکت و مضاربت
اصولوں پر استوار ہو سکتا ہے لہذا شرکت و مضاربت کے اصولوں کی تفہیم ایک بنیادی ضرورت ہے
ضرورت کے پیش نظر ڈاکٹر نجات اللہ صدیقی نے اس موضوع پر سب سے پہلے اردو میں کتاب مر
کی۔ کتاب کا بنیادی ماخذ فقہ کی امہات کتب ہیں۔

شرکت و مضاربت کا بنیادی جواز ان طریقوں پر صحابہ کرام کا عمل اور بعض طریقوں پر آنحضرت محمد ﷺ
خود عمل پیرا ہونا ہے۔ تاہم احادیث و آثار سے ان کا جواز تو ثابت ہوتا ہے ان سے متعلق

تفصیل دستیاب نہیں ہوتی یہ تفصیلات بعد میں فقہاء اسلام نے مرتب کیں۔ (۱)

شرکت سے مراد دو یا دو سے زائد افراد کی کسی کاروبار میں متعین سرمایوں کے ساتھ اس معاہدے کے تحت شرکت ہے کہ سب مل کر کاروبار کریں گے اور کاروبار کے نفع / نقصان میں متعین نسبتوں سے شریک ہوں گے۔ حنفی، حنبلی اور شافعی فقہ میں یہ شرکت، شرکتِ عنان کہلاتی ہے۔ البتہ فقہ مالکی میں اسے "شرکتِ مفاوضہ" کہا جاتا ہے۔ جب کہ مضاربت یہ ہے کہ ایک فریق سرمایہ فراہم کرے اور دوسرا اس سرمایے سے کاروبار کرے۔ سرمایہ فراہم کرنے والا فریق رب المال جب کہ کاروبا کرنے والا عامل کہلاتا ہے۔ رب المال کاروبار میں ایک متعین نسبت سے منافع کا حصہ دار ہوتا ہے لیکن نقصان تمام تر صرف رب المال کو برداشت کرنا ہوگا عامل کوئی نقصان برداشت نہیں کرنا ہوتا۔ رب المال اور عامل دونوں ایک سے زائد ہو سکتے ہیں۔ (۲)

مضاربت کے تحت سرمایہ فراہم کرنے والے فریق کی مالی ذمے داری اس کے فراہم کر سرمایے کی حد تک محدود ہوگی الّا یہ کہ اس نے اپنی جانب سے قرض لینے یا ادھار خریدنے کی اجازت دے کر اس ذمے داری کو اور وسعت دے دی ہو۔ اس معاہدے کو کوئی فریق کسی وقت بھی فسخ کر سکتا ہے۔ فریقین کی تعداد دو سے زائد ہو تو باقی فریقین کے حق میں اسے برقرار رکھا جا سکتا ہے۔ یہ معاہدہ متعین مدت کے لئے بھی ممکن ہے۔ یہ معاہدہ کسی فریق کی موت سے ختم ہو جاتا ہے اور اگر فریقین کی تعداد دو سے زائد ہو تو باقی فریقین کے حق میں اسے برقرار رکھا جا سکتا ہے۔

ان احکامات میں سے اکثر پر چاروں فقہی مکاتیب کے درمیان اتفاق ہے۔ (۳)

۱۔ محمد نجات اللہ صدیقی، شرکت و مضاربت کے شرعی اصول، ص ص ۷۔۱۴

۲۔ ایضاً ص ص ۲۰۔۱۵

۳۔ ایضاً ص ص ۲۴۔۱۷

اسلام کا نظریہ ء ملکیت

معاشی امور میں جدید اسلامی قانون سازی کا مسئلہ ایک اہم مسئلہ ہے اس حوالے سے مسئلہ ملکیت کو بنیادی اہمیت حاصل ہے۔ اگرچہ اس حوالے سے اسلامی فقہ میں خاصا لٹریچر موجود ہے تاہم جدید تمدنی حالات کے پیش نظر ایسے اصول مرتب کرنے کی ضرورت ہے جن کو جدید اسلامی قانون سازی کی بنیاد بنایا جاسکے۔ (اـ)

ملکیت کے اسلامی نقطہ نگاہ سے انسان کو کسی بھی شے حتیٰ کہ خود اپنی ذات پر بھی مالکانہ حقوق حاصل نہیں ہیں۔ انسان کو جو بھی مالکانہ حقوق حاصل ہیں وہ اللہ کی عطا ہیں انسان محض نائب کے طور پر اللہ کی متعین کردہ حدود و مقاصد کے تحت صرف تصرف کا مجاز ہے۔ لہذا انسانی ملکیت مطلق نہیں بلکہ محدود اور مقید ہے۔ ان مال و املاک کا جو انسان کو اللہ نے عطا کی ہیں صحیح مصرف یہ ہے کہ انہیں مقصد زندگی کے حصول کا ذریعہ سمجھا جائے اور وحدت بنی آدم کے تصور کے تحت ان کی زیادہ سے زیادہ منصفانہ تقسیم کی جائے۔ اس حوالے سے انسانی کردار ایثار و تعاون اور صلہ رحمی اور مواسات کا ہونا چاہیے۔ اسلام فرد کی پسند و اختیار کو چند حدود کا پابند رکھتا ہے جو اجتماعی خیر و فلاح کے لئے لازمی ہے۔

ریاستی یا اجتماعی ملکیت کے بنیادی اصول مندرجہ ذیل ہیں۔

ا۔ فرد، ریاست اور اجتماع تینوں مال و املاک رکھنے اور مالکانہ تصرفات کرنے کے مجاز ہیں۔

۲۔ ان مالکانہ تصرفات میں اعتدال و توازن ضروری ہے تاکہ جملہ فریق اپنے فرائض انجام دے سکیں۔

۳۔ نجی ملکیت میں ریاست کی ایسی مداخلت جس کا مقصد اسلامی مقاصد کا حصول ہو اور جو ظلم کے دائرے میں نہ آتی ہو جائز ہے۔

ا۔ محمد نجات اللہ صدیقی، اسلام کا نظریہ ملکیت، ج ا، ص ص ۱۵۔ ۴

۴۔ اسلامی ریاست کو بندگان خدا کی نمائندہ حیثیت میں فرد کی املاک پر کچھ خصوصی اختیارات حاصل ہیں۔

۵۔ ریاست، افراد کے حقوق میں مداخلت قرآن وسنت کی روشنی میں ہی کرے گی۔(۱ے)

جہاں تک ذرائع پیداوار کا تعلق ہے اجتماعی ملکیت کے خلاف صریح دلائل کا تقاضا ہے کہ انہیں قومی ملکیت میں نہ لیا جائے کیونکہ یہ عمل افراد سے آزادی اظہار اور آزادی ضمیر چھین لیتا ہے اور جمہوریت کے تقاضے بھی مجروح ہوتے ہیں۔ اس کے علاوہ اس سے ارتکاز دولت کی راہ بھی کھل جاتی ہے۔ لہٰذا ذرائع پیداوار نجی ملکیت میں رہنے چاہیں۔ یہ دلیل کہ ذرائع پیداوار کی انفرادی ملکیت استحصال کا ذریعہ بنتی ہے ٹھیک نہیں ہے۔ یہ عمل صرف استحصال کا ''امکان'' پیدا کرتا ہے جسے باآسانی اخلاقی تربیت اور جواب دہی کا احساس پیدا کر کے ختم کیا جاسکتا ہے۔(۲ے)

اس کے علاوہ مؤثر احتساب سے بھی اس استحصال کے پیدا ہونے کی راہ روکی جا سکتی ہے۔(۳ے) جہاں تک حصولِ ملکیت کے شرعی طریقوں کا تعلق ہے ان میں مباح اشیاء پر قبضہ کر کے، معاہدات کے ذریعے انتقالِ ملکیت، وراثت کے ذریعے انتقالِ ملکیت اور ملکیت کے ثمرات سے حاصل ہونے والی اشیاء شامل ہیں۔ ملکیت صرف محنت پر منحصر نہیں، بلکہ اس کا تعلق چند منسانیت اعمال ووظائف سے بھی ہے اگر ملکیت بغیر محنت کے حاصل ہو لیکن عمومی طور پر باعث فلاح ہو تو اسلام اسے مفید خیال کرتا ہے۔

اسلامی نقطۂ نگاہ سے حقِ ملکیت چار طرح کے حقوق پر مشتمل ہے۔

(الف) استعمال اور تصرف کا حق

(ب) مزید نفع کمانے کے لئے کاروبار میں لگانے کا حق

۱۔ ایضاً ص ۶۴۔۱۷

۲۔ ایضاً ص ۱۲۴۔۶۵

۳۔ ایضاً ص ۱۲۵

(ج) انتقالِ ملکیت کا حق اور

(د) تحفظ کا حق۔

زیرِ ملکیت اشیاسے منفعت حاصل کرنے کی ایک شکل انہیں کرایہ پر دینا بھی ہے۔ کرایہ پ
صرف وہی اشیاء دی جاسکتی ہیں جو صرف نہ کی جاتی ہوں بلکہ استعمال کی جاتی ہوں مثلاً زمین، مشین
فرنیچر یادیگر دیرپا اشیاء صرف اور جانور وغیرہ۔ تاہم نقد سرمایہ کرایہ پر نہیں دیا جاسکتا کیونکہ اسے خرچ
کئے بغیر اس سے استفادہ حاصل کرنا ممکن نہیں۔ سرمایہ خود باقی رہتے ہوئے اپنے فوائد استعمال منتقل
کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتا لہٰذا اس کا کرایہ (سود) جائز نہیں۔

اس طرح زمین کا کرایہ اس صورت میں جائز ہے جب اس کے فوائد استعمال معلوم اور ان
حصول یقینی ہو اس لئے مزارعت کی منصفانہ شکلیں جائز ہیں۔ (۱)

نجی ملکیت کے لامحدود حق کو اعتدال و توازن میں رکھنے کے لئے اس کے استعمال کو کچھ شرائط
پابند بھی کر دیا گیا ہے مثلاً (الف) مال ضائع کرنے کی ممانعت، (ب) غیر شرعی مصارف پر مال صرف
کرنے کی ممانعت، (ج) اسراف اور بے اعتدالی کی ممانعت، (د) عیش کوشی اور تنعم کی ممانعت، (
ملکیت کے ایسے استعمال کی ممانعت جو دوسروں کے لئے ضرر رساں ہوں اور (ی) ذی روح املاک
استعمال میں ان کی قوت برداشت کا لحاظ اور ان کے حقوق کی ادائیگی وغیرہ۔ لیکن سماجی مصالح کا تحفظ
مقاصد ملکیت کا حصول صرف حدود و قیود سے ممکن نہیں لہٰذا اس ضمن میں مالک پر کچھ مثبت پابندیاں
اسلام عائد کرتا ہے۔ ان پابندیوں میں (الف) نفقات واجبہ، (ب) فریضہ زکواۃ، (ج) انفاق، (د) قرض
عاریت اور (ی) حقوقِ ارتفاق کی ادائیگی وغیرہ شامل ہیں۔ (۲)

ایک اسلامی ریاست کے ذرائع ملکیت کو اس طرح گنوایا جاسکتا ہے۔ (۱) مشترکہ قومی املاک

۱۔ ایضاً ص ص ۱۸۳۔۱۲۶

۲۔ ایضاً ص ص ۲۵۲۔۱۸۵

استفادہ، (۲) ریاست کے لئے مخصوص غیر مملوکہ زمینیں مثلاً سرکاری عمارات، جنگلات، پل، سڑکیں وغیرہ، (۳) معدنی ذخائر، (۴) شرعی محاصل سے حاصل ہونے والے آمدنی، (۵) جزیہ اور خراج سے حاصل ہونے والی آمدنی، (۶) معاہدہ بیع یا نشو نمائے ملکیت سے حاصل ہونے والی نئی املاک، (۷) ریاستی کاروبار کے منافع، (۸) افراد، اداروں یا دیگر ممالک سے حاصل ہونے والے عطایا اور اوقاف، (۹) غنائم، (۱۰) فئے، (۱۱) لقطہ اور (۱۲) لاوارث افراد یا اداروں کے ترکے۔ (۱ے)

اسلامی ریاست کے یہ وسائل بھی اللہ کی امانت ہیں لہٰذا فرد کی طرح ریاست بھی ان کے استعمال میں چند حدود کی پابند ہے جن میں سے چند اہم یہ ہیں۔

۱۔ ریاست کے جملہ مالکانہ تصرفات حق پر مبنی اور شرعی مقاصد کے تابع ہونے چاہیں۔

۲۔ زکواۃ اور عشر کی آمدنی متعینہ شرعی مقاصد پر خرچ کی جانی چاہیے۔

۳۔ ریاست اپنی مخصوص املاک کسی فرد یا قوم کو منتقل نہیں کر سکتی۔

۴۔ قابلِ انتقال ریاستی املاک کی منتقلی، اجتماعی مجموعی مصالح کے پیش نظر ہونی چاہیئے۔

اسلامی ریاست کی معاشی ذمہ داریوں میں کفالتِ عامہ، معاشی ترقی اور تقسیمِ دولت میں تفاوت کم کرنا شامل ہے۔ (۲ے)

اسلامی ریاست درج ذیل حوالوں سے انفرادی ملکیت میں مداخلت کے حق کی حامل ہے۔

(۱) حجر / مالکانہ تصرفات پر پابندی، (۲) احتساب: منکر سے روکنے اور معروف کا پابند بنانے کے لئے ضابطہ بندی، (۳) تسعیر / قیمتوں، اجرتوں، کرایوں اور منافعوں کی شرحوں کا تعین، (۴) مزید محاصل عائد کرنا، (۵) اموال فاضلہ کا مطالبہ، (۶) خریداری یا رعایت یا قرض کے لئے جبر کا استعمال (۷) قومی تحویل میں لینا، (۸) تحدیدِ ملکیت، (۹) معاشی منصوبہ بندی اور (۱۰) مالی سزائیں۔ (۳ے)

اس طرح یہ کہا جاسکتا ہے کہ اسلام نہ تو مطلق انفرادی ملکیت کا قائل ہے جو اجتماعی زندگی کے

۱۔ ایضاً ج ۲، ص ۸

۲۔ ایضاً ص ۹۱۔۷۷

۳۔ ایضاً ص ۱۶۶

تقاضوں سے متصادم ہو اور نہ ایسی اجتماعیت کی تعلیم دیتا ہے جو انفرادیت کو ختم کر دے یہ ان دونوں کے مابین انفرادی اور اجتماعی سطح پر ایک راہِ اعتدال ہے۔(۱ے)

اسلامی معیشت کے چند پہلو

''اسلام کا معاشی نظام کچھ اصولوں کا مجموعہ ہے جو مختلف قسم کے حالات میں منطبق ہونے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔۔۔لہذا اسلامی معاشی نظام کی اشکال مختلف ہو سکتی ہیں لیکن ان کے پیچھے بنیادی روح ایک ہی ہوتی ہے۔''(۲ے) یہی وجہ ہے کہ مختلف مسائل پر آراء مختلف ہو سکتی ہے تاہم چونکہ بنیاد ایک ہی ہوتی ہے لہذا وہ بتدریج ایک رائے میں تبدیل ہو جاتی ہیں۔(۳ے)

ہر معاشرے اور اس کے اداروں کو ایک مخصوص ربط باہم مجتمع رکھتا ہے اسلام میں یہ ربط توحید کا تصور ہے جس کے نتیجے میں اخلاقی اقدار کی پابندی از خود لازم ہو جاتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اسلامی معاشرے میں کامیابی کا معیار اخلاقی اقدار کی زیادہ سے زیادہ پابندی ہے۔ یہی اخلاقی صفات معاشی پہلو کی اساس ہیں۔ لہذا ایک اسلامی معیشت کی بنیاد ایثار و تعاون پر رکھی جاتی ہے۔ مادی ترقی کی اہمیت اپنی جگہ لیکن روحانی ترقی کا کوئی بدل نہیں ہے۔ لہذا ایک اسلامی معیشت میں محض اعلیٰ معیارِ زندگی مقصودِ حیات نہیں بلکہ اصل معیار یہ ہے کہ انسان نے دوسروں کے لئے کیا کیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ایک اسلامی معیشت میں اجتماعی مفاد، انفرادی مفاد پر برتری رکھتا ہے۔ یہاں ہر فرد اپنے افعال کی معاشرتی لاگت سے واقف ہوتا ہے۔(۴ے)

اسلام کا معاشی نظام چند بنیادی خصوصیات کا حامل ہے جن کا تعین چند قرآنی معیارات سے ہوتا ہے:

۱۔ ایضاً ص ۲۸۳

۲۔ Dr. M.N Siddiqui, Some Aspects of Islamic Economy, P.4

۳۔ ایضاً ص ۶

۴۔ ایضاً ص ۲۱

ہے۔ چونکہ قرآنی تصور حیات آخرت تک محیط ہے لہذا قرآنی اصول و ضوابط صرف دنیا تک محدود نہیں
رہتے بلکہ ان کی اطاعت اور عدم اطاعت کے نتائج قیامت تک محیط ہو جاتے ہیں۔ دوم ایک اسلا
معاشرے اور معیشت میں فرد اور معاشرہ میں کوئی تضاد نہیں ہوتا۔ غلط اور صحیح کا معیار دونوں کے لیے
یکساں ہے۔ قرآن کا بنیادی مطالبہ فلاح کا حصول ہے اسی وجہ سے تمام سرگرمیوں بمعہ معاشی سرگرمیو
کا بھی محور فلاح کا حصول ہی ہوتا ہے اور فلاح کا انحصار انسان کے اخلاقی طرزِ عمل پر ہے نہ کہ مادی خوش
حالی کی جدوجہد پر، لہذا اخلاقی اقدار کی پاسداری ہی اصل کامیابی ہے۔(۱)

معاشی ادارے اور اسلام

فلاح کے وسیع تر معنوں میں مادی فلاح ایک لازمی جز ہے لہذا کاروباری ادارے اپنے روا
مقصد یعنی انتہائی منافع کے لئے جدوجہد کر سکتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے اپنے صحاب
مختلف تجارتی سرگرمیوں میں حصہ لینے کی تاکید فرمائی۔ اسی نقطۂ نگاہ سے انسان کی معاشی سرگرمیو
کے مقاصد ذاتی اور خاندانی ضروریات کی تکمیل، کسی ہنگامی حالت سے نمٹنے کی تیاری کے ساتھ س
خدمات اور اللہ کی راہ میں انفاق ہوتے ہیں۔ ان مقاصد کی تکمیل کے لئے ایک مسلمان کا طرزِ ع
کاروباری اشخاص اور صارفین سے عدل اور احسان (Benevolence) کا ہوتا ہے۔(۲)

اسلام یوں تو تمام شعبہ ہائے زندگی میں عدل سے کام لینے کا حکم دیتا ہے تاہم معاشی حوالے
عدل سے مراد، معاشی انتخاب کے مرحلے میں اقدار پر مبنی انتخاب ہوتا ہے۔ فیصلے کا تعلق پیداوار، تف
یا کسی بھی دیگر مرحلے سے ہو ایک انتخاب بہر حال اخلاقی اقدار پر مبنی ضرور ہوتا ہے اور یہی مسلما
انتخاب ہوتا ہے۔ عدل کے اس تصور کے تحت انجام دی جانے والی کاروباری سرگرمیاں لازماً ایماندا

۱۔ ایضاً ص ۳۵

۲۔ Dr. M.N Siddiqui, The Economic Enterprise in Islam PP.11-14.

اور دیانت سے مشروط ہوتی ہیں جب کہ دھوکہ، چوری، فراڈ، اور ذخیرہ اندوزی جیسے منفی افعال سے
دوری پر منتج ہوتی ہیں۔(۱-)

دوسری طرف احسان سے مراد دوسروں کو ان کے واجبات سے زیادہ دینا اور دوسروں سے اپ
حق سے کم لینا ہے۔ یہ عدل سے زائد یا اس کا اگلہ مرحلہ ہے اس کے تحت انجام دی جانے والی سرگرمیا
ہمدردانہ رویہ، برداشت، نرم خوئی اور ایک دوسرے کا دھیان رکھنے سے عبارت ہوتی ہیں۔ احسان
سماجی مفاد کے لئے ذاتی مفاد کی قربانی کا نام ہے۔ مروجہ مارکیٹ کے نظام کی بنیاد دو اصولوں یعنی صارف
کے عقلی طرز عمل(Rational Behaviour of Consumer)اور مکمل مقابلے Perfect
(Competition پر رکھی گئی ہے جہاں تک صارف کے عقلی طرز عمل میں صرف کے انداز کا تعل
ہے اسلامی نقطۂ نگاہ سے صارف صرف مناسب مقدار میں اشیاء صرف کرے گا ان اشیاء میں حرام
پر تعیش اشیاء نہیں ہوں گی اور صرف انتہائی تسکین صارف۔ کا منتہائے مقصود نہیں ہو گی بلکہ وہ انہ
کہیں بہتر مقاصد کے حصول کا ذریعہ بنائے گا۔(۲-)

تقسیم کے حوالے سے اسلامی نقطۂ نگاہ سے دولت کی تقسیم غیر منصفانہ نہیں ہونی چاہیئے۔
شخص کو مناسب زندگی گزارنے کے قابل آمدنی لازمی ملنی چاہیے اور اس کے لئے اسے غیر معمولی مح
نہ کرنی پڑے۔ سود کی حرمت کے ساتھ ساتھ قیمتیں اعتدال پر مبنی چاہیں۔(۳-)اس طرح پید
کے حوالے سے ایک اسلامی معیشت میں حرام اشیاء وخدمات پیداوار فراہم نہیں کی جائیں گی۔ ا
تعیش کی پیداوار میں کمی اور اشیاء صرف کی پیداوار میں اضافہ ہو گا۔ ایک اسلامی آجر کا منتہا محض ا
منافع نہیں ہو گا بلکہ اس کا طرز عمل اخلاقی اقدار کے تابع ہو گا اور اس طرح عدل واحسان کے تقاض

۱۔ ایضاً ص ۵۵-۵۲
۲۔ ایضاً ص ۸۸-۶۱
۳۔ ایضاً ص ۸۸

کے پیش نظر ذاتی منفعت کے ساتھ ساتھ اجتماعی مفاد کو بھی سامنے رکھے گا۔(۱ے)

یہ امر قابل ذکر ہے کہ جدید معاشیات میں بھی انتہائی منافع بطور ایک واحد مقصد کے اب آجروا
کے سامنے نہیں رہا ہے۔ کیونکہ استحکام، تحفظ، کام کا تسلسل اور اچھی ساکھ وغیرہ کے مقاصد انتہائی منا
کے تصور کی جگہ لے رہے ہیں۔ لہذا یہ کہا جاسکتا ہے کہ ایک اسلامی معیشت میں آجر بنیادی فیصلے منا
کے مقصد کو سامنے رکھتے ہوئے ہی کریں گے تاہم یہ فیصلے عدل کی حدود میں ہوں گے۔(۲ے)

اسلام کے یہ اصول مارکیٹ کی دیگر شکلوں یعنی اجارہ داری، چند اجارہ (Oligopoly)
اجارہ دارانہ مقابلے (Monopolistic Competition) میں اسی طرح کارآمد ہیں جس طرح مکم
مقابلے کے حالات میں۔ کیونکہ ان تمام حالات میں بھی آجر جب معاشرتی مفاد کو ترجیح دیں گے تو
کے طور پر اشیاء کی قیمتیں کم ہو جائیں گی اور آجروں کے منافع مناسب حدود میں آجائیں گے۔(۳ے)

متذکرہ بالا کتب کے علاوہ نجات اللہ صدیقی متعدد تحقیقاتی مقالوں میں چند اہم نکات کو زیر
لائے ہیں مثلاً:۔

۱۔ اسلامی معاشی تحقیقات کی راہ میں حائل مشکلات کی نشاندہی کے ساتھ اس موضوع کے شعبوں کا بیان جو تحقیقاتی نقطۂ نگاہ سے توجہ طلب ہیں۔(۴ے)

۲۔ ان کے نزدیک ترقی ایک چہار جہتی عمل ہے یعنی پیداوار میں اضافہ، تقسیم میں انصاف، ماحو توازن اور کلچرل کوالٹی۔ ان وجوہ کی نشاندہی بھی کی گئی ہے جنکی وجہ سے مسلم ممالک میں اس حو سے ترقی حاصل نہیں ہو سکی۔(۵ے)

۱ے ایضاً ص ۱۰۲

۲ے ایضاً ص ۱۰۷

۳ے ایضاً ص ۱۲۱-۱۳۲

۴ے M.N Siddiqui, Problems of Islamic Research in Economics, Islamic Thought, Aligarh, (4:4-5) Oct/Dec; 1957, PP. 1-8.

۵ے M.N Siddiqui, An Islamic Approch to Economic Development, London: Muslim Institute for Research & Planning, June 1979, P.8.

۳۔ اسلامی تاریخ کی ابتدائی چار صدیوں میں حکومتی قرض کی مختلف خصوصیات کا جائزہ لیا ہے ا
تناظر میں عہدِ حاضر کی صورت حال کا تجزیہ کیا ہے۔(۱۔)

ڈاکٹر محمد عمر چھاپرا

ڈاکٹر عمر چھاپرا کا نام اسلامی اقتصادیات کے حوالے سے کسی تعارف کا محتاج نہیں ہے۔
اسلامی اقتصادیات پر گہری بصیرت کے حوالے سے ایک محترم مقام کے حامل ہیں۔ اس موضوع
مختلف پہلوؤں کے بارے میں ان کے افکار و خیالات کا ایک اجمالی جائزہ مندرجہ ذیل ہے۔

اسلام کا معاشی نظام

قرآن و سنت میں معاشی حوالے سے چند بنیادی اصول دیئے گئے ہیں جن سے مختلف اوقات
جگہوں پر تفصیلات اخذ کی جاسکتی ہیں۔ یہ اصول دو(۲) حصوں میں منقسم ہیں پہلے حصے کا تعلق اسلا
معاشی نظام کے مقاصد اور نوعیت سے ہے۔ دوسرے حصے کا تعلق ان مخصوص اقدامات سے ہے جو
مقاصد کے حصول کے لئے اسلام تجویز کرتا ہے مثلاً اسلام کا سماجی۔ سیاسی ڈھانچہ، نظامِ زکواۃ، قانو
وراثت اور حرمتِ ربٰو وغیرہ۔

اسلامی معاشی نظام کے اہم مقاصد میں اسلام کی اخلاقی اقدار کی حدود میں معاشی فلاح و بہبو
حصول، بین الاقوامی بھائی چارہ اور انصاف اور آمدنی کی منصفانہ تقسیم وغیرہ شامل ہیں۔(۲۔)

معاشی فلاح و بہبود کے حوالے سے ایک مناسب شرحِ نمو کا حصول مسلم معاشرہ کے اقتصا
اہداف میں شامل ہے تاہم یہ فلاح و بہبود صرف مادی خوشحالی تک محدود نہیں اس میں اخلاقی، روحانی

۱۔ Dr. M.N. Siidiqui, An Overview of Public Borrowing in Early Islamic History, Review of Islamic Economics, Leicester, 2(2), 1993, 1-16

۲۔ M Umer Chapra, The Economic System of Islam, PP1-4

مذہبی نمو بھی شامل ہے۔

بین الاقوامی بھائی چارہ اور عدل و انصاف کے حوالے سے اسلام کا بنیادی مقصد عدل کا قیام ا
استحصال کا خاتمہ ہے اور اس ضمن میں رنگ، نسل، علاقہ، زبان یا دیگر امتیازات بے معنی ہیں۔ اس
حوالے سے محنت کشوں کو خصوصی اہمیت حاصل ہے۔ اسلام ایک طرف خصوصی قواعد و ضوابط کے
ذریعے آجر اور اجیر میں توازن برقرار رکھتا ہے تو دوسری طرف وہ یہ زور دیتا ہے کہ اجرت کی سطح کم از
اتنی ضرور ہونی چاہیے کہ مزدور مناسب غذا اور لباس حاصل کر سکے۔

دولت کی منصفانہ تقسیم کے نقطۂ نگاہ سے اسلام ایسا پروگرام اور لائحہ عمل دیتا ہے جس سے
فرد کو ایک مناسب معیار زندگی کی فراہمی ممکن ہو سکے۔ اس مقصد کے لئے اسلام ترغیب، تعلیم، نظ
زکواۃ اور قوانینِ وراثت کی مدد سے دولت کی منصفانہ تقسیم کو یقینی بناتا ہے۔(۱-ب)

اسلامی معاشی نظام اور اخلاقی اقدار

اسلام بہ حیثیت دین تمام شعبہ ہائے زندگی میں اخلاقی اقدار کی حکمرانی چاہتا ہے۔ معاشی نقطۂ
نظر سے اخلاقی اقدار کی وجہ سے انسان صرف جائز ذرائع سے آمدنی حاصل کرتا ہے اور اسے صرف
جائز اور شرعی مقاصد کے لئے کرتا ہے۔ قرآن و حدیث میں متعدد مقامات پر معاشی معاملات میں اخلا
اقدار کی حکمرانی کی تعلیم ملتی ہے۔(۲-ب)

حکومت کا کردار

ایک اسلامی ریاست چند مخصوص مقاصد کی حامل ہوتی ہے۔ اس کا بنیادی فرض خدا کی حاکم

M. Umer Chapra, The Economic System of Islam, PP. 4-20.

۲۔ ایضاً ص ۵۳۔۱۱

کے تصور کو مستحکم بنانا ہے۔ "خدا کی حاکمیت سے مراد ان اخلاقی قوانین کی حاکمیت ہے جو قرآن و سنت نے دیئے گئے ہیں۔" (۱ـ)

ایک اسلامی ریاست کے بنیادی فرائض میں لوگوں کی جان و مال کا تحفظ، کاروباری اخلاقیات کا، مارکیٹ کی میکانیت کا تحفظ، عام فلاحی اخراجات اور سماجی تحفظ کی فراہمی شامل ہے۔

ان میں سے پہلا فریضہ یعنی عام لوگوں کی جان و مال کا تحفظ بین الاقوامی طور پر طے شدہ ہے اسلامی حکومت کی ذمے داریوں میں بھی اسے اولین ترجیح حاصل ہے۔ دوسرے فریضہ یعنی کاروبار اخلاقیات کے نفاذ کو اسلامی حکومت ترغیب، تعلیم و تربیت اور ماحول کی تخلیق کے ذریعے یقینی بناتی ہے

مارکیٹ کی میکانیت کے حوالے سے حکومت اس میکانیت کے مضر اثرات کے خاتمے اور معا استحکام اور نمو کے لئے اس میکانیت میں انفرادی آزادی متاثر کئے بغیر مداخلت کر سکتی ہے۔ تاہم مداخلت صرف اس صورت میں ممکن ہے جب قیمتوں میں اضافہ مصنوعی قلت کا نتیجہ ہو، کسی ہنگا حالت میں رسد میں اضافے کی ترغیب ممکن نہ ہو لیکن عام قدرتی عوامل کے نتیجے میں قیمتوں کی میں کمی بیشی کی صورت میں حکومت مداخلت نہیں کر سکتی۔ حکومت مفاد عامہ اور سماجی انصاف تقاضوں کے تحت معیار بندی یا اشتہار بازی پر پابندی جیسے اقدامات اٹھا سکتی ہے۔ (۲ـ)

ایک اسلامی حکومت مختلف قسم کے محاصل عائد کر سکتی ہے تاہم ان کا مبنی بر انصاف لازمی ہے۔ اسلامی حکومت قومیانے کا اختیار رکھتی ہے۔ ایسے منصوبے جو براہ راست سماجی منفعت حامل ہوں انہیں حکومتی تحویل میں ہی رہنا چاہیے۔

عام فلاحی اخراجات جن میں تعلیم، صحت اور دیگر عوامی فلاح کے اخراجات شامل ہیں متنازعہ طور پر حکومت کے ذمے داری ہیں۔

M. Umer Chapra, The Economic System of Islam, P. 53.

۲۔ ایضاً ص ص ۶۰۔ ۵۴

اس طرح سماجی تحفظ کے اخراجات بھی حکومت کی ذمے داریوں میں شامل ہیں۔(۱-ب)

حکومت کے ذرائع آمدنی

حکومت کے ذرائع آمدنی میں زکواۃ، قدرتی وسائل سے حاصل ہونے والی آمدنی، محصولات او
قرض وغیرہ شامل ہیں۔ زکواۃ کی آمدنی صرف ان مدات پر خرچ کی جاسکتی ہے جو قرآن مجید میں بیان کے
گئے ہیں قدرتی وسائل اور دیگر ذرائع سے حاصل ہونے والی آمدنی حکومت اپنی صوابدید کے مطابق خرچ کر
سکتی ہے۔(۲-ب)

اسلام اور معاشی چیلنج

اسلامی معاشی نظام دیگر نظام ہائے معیشت سے اس بنیاد پر مختلف ہے کہ اس کی جڑیں شریعہ
میں پیوست ہیں اور اسی سے اس کا دنیا کے بارے میں نقطۂ نظر، مقاصد اور حکمت عملی متعین ہوتی ہے
شریعت کے مقاصد میں "ہر وہ شے شامل ہے جس سے انسانوں کو فلاح حاصل ہو یا جو حیات طیبہ کے
لئے ضروری ہوں۔"(۳-ب) وہ تمام تر چیزیں جو ان مقاصد کی تکمیل کے لئے ضروری ہوں "ان میں
مناسب غذا، لباس، تعلیم، ذہنی اور جسمانی ترقی، رہائش، ماحول، طبی سہولیات، ٹرانسپورٹ اور وہ تم
اشیاء جو سماجی تقاضوں کی تکمیل کے لئے ضروری ہوں اور حلال ذرائع رزق کی دستیابی کے مواقع وغیرہ
شامل ہیں۔ وسائل کی تفویض اور تقسیم انہی ضروریات اور تقاضوں کی تکمیل کے لئے ہوگی ا
تقاضوں کی مؤثر اور بہتر تکمیل سے مذکورہ بالا مقاصد حاصل کئے جاسکتے ہیں۔"(۴-ب)

M. Umer Chapra, The Economic System of Islam, PP. 63-69.

M.Umer Chapra, The Islamic Welfare State and its Role in the Economy, PP. 21-22.

M.Umer Chapra, Islam & the Economic Challenge, P.7.

۴۔ ایضاً ص ۸

موجودہ نظام ہائے معیشت چونکہ اخلاقی اقدار کو تسلیم نہیں کرتے لہذا ان سے ان مقاصد
تکمیل کی توقع نہیں کی جا سکتی لہذا مسلمان ممالک کو ایک مختلف نظامِ معیشت کی ضرورت ہے جو انسا
فلاح کے تمام تر تقاضے پورے کرنے کے ساتھ ساتھ اخوت، عدل اور مساوات پر مبنی ہو۔ اس کی مد
سے نہ صرف موجودہ عدم توازن ختم کیا جا سکے بلکہ وسائل کی تفویض نو اس طرح سے ہو کہ کارکرد
اور عدل کے تمام تقاضے انسب حد تک پورے ہو سکیں یہ متبادل نظام ظاہر ہے صرف اسلام ہو سکتا ہے

اسلام کے تین بنیادی اصول ہیں یعنی توحید، خلافت، اور عدل۔ یہی تین اصول اسلامی معاش
نظام کی حکمت عملی متعین کرتے ہیں ان میں توحید سے مراد یہ ہے کہ اللہ خالق کائنات ہے اور وہ اس
سب سے مؤثر عامل بھی ہے۔

اصول خلافت کے تحت انسان زمین پر خدا کا نائب یا خلیفہ ہے جسے اختیار و ارادہ کی قوت دی گ
ہے اور وہ اپنے اور اپنے معاشرے کی حالت اگر تبدیل کرنا چاہے تو کر سکتا ہے اس سے انسان کے قدر
وسائل پر امین ہونے کا تصور پیدا ہوتا ہے۔

عدل کے تصور کی رو سے تمام وسائل قدرت جن کا انسان خلیفہ ہونے کے ناطے امین ہے عدا
و انصاف سے شریعت کے مقاصد کے حصول کے لئے استعمال کئے جانے چاہیں۔ (۱) ان مقاصد میں
سے چار بنیادی اہمیت کے حامل ہیں۔

۱۔ بنیادی ضروریات کی تکمیل ۲۔ باوقار ذریعہ آمدنی

۳۔ آمدنی اور دولت کی منصفانہ تقسیم ۴۔ نمو اور استحکام

ان مقاصد کے حصول کے لئے اسلام کی معاشی ترقی کی حکمت عملی مندرجہ ذیل ہے۔

۱۔ ایضاً ص ۲۰۸۔۱۹۹

اسلام اور معاشی ترقی

دولت کی منصفانہ تقسیم کے لئے وسائل کی تفویض نو (Reallocation) لازمی ہے
موجودہ لادینی رجحانات کے حامل ڈھانچے میں ممکن نہیں لیکن اسلام کی درج ذیل چہار جہتی حکمت ع
کی مدد سے ممکن ہے۔(۱)

۱۔ مطالبات کی بہتات کی تقطیر

اخلاقی تقطیر کے ذریعے فرد کا ترجیحاتی پیمانہ (Preference Scale) تبدیل کر ے
اسلام غیر ضروری اور غیر منصفانہ مطالبات کو ختم یا بڑی حد تک محدود کر دیتا ہے۔

۲۔ ترغیب

اللہ کے حضور جواب دہی کا تصور ایک مؤثر محرک کی حیثیت سے فرد اور معاشرے کے مفادار
میں تطبیق پیدا کرتا ہے۔

۳۔ سماجی۔ معاشی ڈھانچے کی تعمیرِ نو

سماجی ، معاشی ڈھانچے کی تعمیرِ نو کے ذریعے اخلاقی اقدار اس طرح راسخ کر دی جاتی ہیں
افراد کے لئے ذاتی مفادات کی تکمیل صرف اجتماعی بہبود کی حدود میں ممکن ہوتی ہے۔ اس مقصد کے ۔
توجہ انسانی کردار کی تبدیلی، دولت کی منصفانہ تقسیم، حکومتی ور نجی سطح دونوں پر غیر ضروری اخراجار
میں کمی اور مالیاتی نظام کی ہیئتِ نو پر دی جاتی ہے۔

۴۔ حکومت کا کردار

حکومت کا کردار اس حوالے سے تکمیلی ہوتا ہے اس کی ذمے داری صحت مند سماجی اور معا

M.Umer Chapra, Islam & Economic Development P. 59.

ماحول کی تخلیق ہے یا ایسے اداروں کی تخلیق جو اس عمل میں معاون ثابت ہوں اس مقصد کے لئے ایک
لچکدار پالیسی کی ضرورت ہے۔(۱ب)

معاشی ترقی کے مقصد کے حصول کے لئے درج ذیل پالیسی اقدامات تجویز کئے جاسکتے ہیں۔

۱۔ انسانی عامل کا مؤثر کردار

یہ ایک وسیع البنیاد پالیسی قدم ہے جس کے تحت فرد کی اخلاقی، روحانی، معاشی تربیت جو بہ
تعلیم سے ممکن ہے اولین قدم ہے۔ اس کے علاوہ سماجی و معاشی انصاف کے لئے جو اقدامات مثلاً د
ترقی، آجیر اور اجیر کے درمیان بہتر تعلقات، اسلامی اصولوں پر بینکاری نظام کی ترویج، قیمتوں پر غ
ضروری کنٹرول کا خاتمہ اور تعلیم کا زیادہ سے زیادہ پھیلاؤ شامل ہیں۔

۲۔ ارتکازِ دولت میں کمی

اسلامی ممالک میں ارتکازِ دولت اور غیر منصفانہ تقسیم کے خاتمے کے لئے زرعی اصلاحات
چھوٹے اور درمیانے درجے کے کاروبار کی ترقی کی حکمت عملی کا اختیار کرنا، لمیٹڈ کمپنیوں کی ملکیت میں
توسیع اور مالیاتی نظام کی اسلام کی تعلیمات کی روشنی میں تنظیم نو جیسے اقدامات اٹھائے جانے لازمی ہیں اس
ضمن میں سب سے اہم قدم زرعی اصلاحات ہیں جو اب لازمی بلکہ ناگزیر ہیں۔(۲ب)

۳۔ معاشی تنظیمِ نو

معاشی تنظیم نو کے لئے یہ ضروری ہے کہ غیر ضروری صرف کم کیا جائے بالخصوص تعیشات

۱۔ M.Umer Chapra, Islam & Economic Development, PP. 60-63.

۲۔ ایضاً ص ص ۸۳۔۶۵

اخراجات کم سے کم کئے جائیں۔ مالیات عامہ کی تشکیل نو کا مقصد عمومی فلاح ہونا چاہئے۔ اس مقصد
لئے رشوت میں کمی، وسائل کے مؤثر استعمال، زراعانتوں (Subs idies) میں کمی اور انتقالی ادائیگیو
(Transfer Paymensts) کے بہتر استعمال سے معاشی تنظیم نو کی جائے۔ اس کے ساتھ سا
نج کاری میں اضافہ اور محصولاتی ڈھانچے پر نظر ثانی بھی لازمی ہے۔ اس کے علاوہ غیر پیداواری اخراجا
میں زیادہ سے زیادہ کمی کے ذریعے بجٹ کے خسارے کو کم کیا جانا چاہئے۔ بچتوں اور سرمایہ کاری
اضافے، توازن ادائیگی کی اصلاح اور بہتر شرح مبادلہ، کرنسی کی فرسودگی کی رفتار میں کمی کے
اقدامات اٹھائے جانے چاہیں۔ معاشی تنظیم نو کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ معیشت پر حکومت کا
کنٹرول ختم کیا جائے اور اکثر بلاجواز قسم کی پابندیاں ختم کی جائیں۔

مبنی بر انصاف نمو کا سب سے تعمیری طریقہ یہ ہے کہ افراد کی صلاحیتوں کی نشوونما کے مواقع فرا
کئے جائیں اور چھوٹی اور درمیانے درجے کی صنعتوں / کاروبار کو زیادہ سے زیادہ فروغ دیا جائے۔ (۱)

۴۔ مالیاتی تنظیم نو

پورے مالیاتی ڈھانچے کی تنظیم نو کی ضرورت ہے جس کے تحت چھوٹے اور درمیانے در
کے کاربار اور صنعتوں کو زیادہ سے زیادہ فروغ دیا جانا چاہئے۔ اس مقصد کے لئے قلیل اور طویل مد
منصوبہ بندی کی ضرورت ہے۔ (۲)

معاشیات کا مستقبل: اسلامی تناظر میں

۱۹۳۰ کی عظیم کساد بازاری نے سے (Say) کے قانون اور آزاد معیشت aissez

---

۱۔ ایضاً ص ۱۱۲۔۸۴

۲۔ ایضاً ص ۱۱۳

(Faire کی منطقی خامیوں کو واضح کر دیا اور یہ ثابت ہو گیا کہ منٹس مارکیٹ کی معیشت تنہا اپنے نامکمل
اور غیر لچکداریت کی وجہ سے مستقل طور پر مکمل روزگار کی سطح برقرار نہیں رکھ سکتی۔ کینز نے اس نظر
خلا کا حل مؤثر طلب میں کمی تجویز کیا اور مالیاتی اور زری پالیسی دوں کے ذریعے حکومت کی مؤثر مداخلت
اس کے حل کے طور پر تجویز کیا بالفاظ دیگر حکومت کی مداخلت سے مارکیٹ کے نظام کی خامیوں
اصلاح ممکن ہے۔(۱ے)

تاہم اب موجودہ صورت حال میں جب حکومت بھی مکمل روزگار اور معیشتی توازن حاص
کرنے میں ناکام ہو گئی ہے تو اب سوال یہ ہے کہ ان مقاصد کو کیسے حاصل کیا جائے؟ روایتی ماہر
معاشیات کے پاس اس کا کوئی جواب نہیں ہے۔ یہاں یہ امر اہم ہے کہ اخلاقی اقدار سے لاتعلقی اور اف
کو صرف ذاتی مفاد کا خوگر بنا دینے سے سماجی مقاصد کا حصول ممکن نہیں۔ صرف ذاتی مفاد پر غیر معم
زور دینے کے نتیجے میں مغربی معیشتوں نے غیر معمولی شرح نمو بہر حال حاصل کر لی لیکن اس کے ن
میں بے پناہ سماجی ٹوٹ پھوٹ واقع ہوئی اور سماج کا سب سے بنیادی ادارہ خاندان ٹوٹ پھوٹ گیا۔ قر
اور محبت کے جذبات ختم ہو گئے، جنسی بے راہ روی نے فروغ پایا اور نئی نسل کی جذباتی، روحانی اور ماد
ترقی سب ہی منفی طور پر متاثر ہوئیں۔(۲ے)

یہ صورت حال اس امر کی متقاضی ہے کہ زندگی کے مادی اور روحانی پہلوؤں میں توازن پیدا
جائے اور ذاتی مفاد کے جذبے کو کم کیا جائے۔ یہی وجہ ہے کہ اب ایک نئے اقتصادی ماڈل کی تلاش زور
گئی ہے اور اب عمومی طور پر یہ تسلیم کیا جانے لگا ہے کہ ذاتی مفاد اور مقابلے کا رجحان انسان کی قوتِ عمل ک
پیچھے دو لازمی قوتیں نہیں ہیں۔ اخلاقی اقدار، اخوت، تعاون، سماجی اور اقتصادی حوالوں سے ایسے اداروں
تعمیر جو نئی ترجیحات بالخصوص اخلاقی ترجیحات پر مبنی ہوں ان کی تعمیر پر زور دیا جا رہا ہے۔(۳ے)

Dr. M. Umer Chapra, The Futı re of Economics: An Islamic Prespective P. 28.

۲۔ ایضاً ص ۴۲

۳۔ ایضاً ص ۴۵

یہ صوت حال ہمیں لامحالہ اسلامی معاشیات کے طریق، مقاصد اور ماڈل کی طرف لے جا
ہے۔ لہذا ضرورت اس امر کی ہے کہ اسلام کو بہ حیثیت ایک ماڈل دنیا کے سامنے رکھا جائے۔ اس وقت
دنیا انسانیت کے اتحاد اور انسانی اخوت کے مقصد سے نزدیک تر ہو رہی ہے اور جو بلا شبہ اسلامی مقاصد
شریعت یعنی توحید اور خلافت سے بہت نزدیک ہے۔(۱)

منصفانہ زری نظام

ایک اسلامی معیشت میں نظام زر و بینکاری معیشت کے دیگر شعبوں کی طرح معیشت کے سماجی
اقتصادی اہداف کے حصول میں مدد گار ثابت ہوتے ہیں۔ معیشت کے بنیادی مقاصد میں مکمل روزگار
کی سطح اور انسب شرحِ نمو کا حصول، سماجی۔ اقتصادی عدل اور دولت کی منصفانہ تقسیم، زر کی قدر میں
استحکام اور بچتوں میں اضافہ وغیرہ شامل ہیں۔ ان مقاصد کا حصول نظام زر اور بینکاری کو اسلامی تعلیمات
کے مطابق ڈھالے بغیر ممکن نہیں۔(۲)اس حوالے سے اسلامی تعلیمات کی اساس امتناعِ سود ہے
سود کے امتناع کی بنیادی وجہ سود کی استحصالی نوعیت ہے اسلام چونکہ ہر قسم کے استحصال کے خاتمے
مدعی ہے اور سود استحصال کا ایک بڑا ذریعہ ہے لہذا اسلام میں سود حرام ہے۔(۳)

اسلام سود کے متبادل کے طور پر مضاربہ اور شرکت کے تصورات پیش کرتا ہے جو نفع / نقصان
میں شرکت پر مبنی ہیں تاہم ان تصورات کو رائج کرنے کے لئے مالیاتی ڈھانچے میں مناسب اصلاح کی
ضرورت ہے۔ اس حوالے سے اہم ترین قدم اخلاقی اقدار کا فروغ ہے۔ اس کے علاوہ بلا سود بینکاری کے
فروغ کے لئے ضروری قانون سازی بھی کی جائے۔ اس مقصد کے لئے جو نیٹ ورک درکار ہو گا وہ روا

۱۔ ایضاً ص ۵۰

Dr. M.Umer Chapra, Towards a Just Monetory System, PP. 33-49.

۳۔ ایضاً ص ۶۴

زری ڈھانچے یعنی مرکزی بینک، تجارتی بینکوں، مالیاتی اداروں اور انشورنس کارپوریشنز وغیرہ پر مشتمل
گا۔ اس نظام میں چونکہ سود کا عنصر موجود نہیں ہوگا لہذا مالیاتی قوانین پر نظر ثانی لازمی ہوگی تاکہ ا
پورے نظام کو اسلامی معاشی نظام کے تقاضوں کے مطابق ڈھالا جا سکے۔ اس ضمن میں مرکزی بینک
کردار بنیادی اور رہنمایانہ ہوگا۔ بینک اور دیگر مالیاتی ادارے مرکزی بینک کی ہدایات کے مطابق قر
دے سکیں گے۔(۱ـ)

عام تجارتی بینکوں اور مسلم تجارتی بینکوں میں بنیادی فرق یہ ہوتا ہے کہ عام تجارتی بینک صرف
تجارتی مقاصد کے لئے کام کرتے ہیں جب کہ مسلم بینک بیک وقت تجارتی اور سرمایہ کار بینک ہوتا ہے
اس کے علاوہ اسلامی بینک چونکہ مضاربہ کے اصول پر کام کرتے ہیں لہذا ان کا کام کرنے کا انداز بھی ع
تجارتی بینکوں سے مختلف ہوتا ہے۔ اسلامی بینک مالیات کاری کے لئے مضاربہ کے علاوہ ا
فنانس(Lease Finance)، بیع موجل اور بیع مرابحہ کے طریقوں سے بھی مالیات کاری کرتے
ہیں۔(۲ـ)

اسلامی بینکوں کی ایک اور خصوصیت ان کی مالیات کاری کا شریعت کے مقاصد کے تابع ہونا
ہے جو مادی اور روحانی فلاح پر منتج ہوتا ہے۔

ایک اسلامی معیشت میں زر کی طلب معاملاتی اور احتیاتی معاملتوں سے پیدا ہوتی ہے تخمی
مقاصد کے لئے اسلامی معیشت میں کوئی جگہ نہیں۔(۳ـ) لہذا ایک اسلامی زری پالیسی کی تشکیل ز
کے اسٹاک کے لئے ہوتی ہے شرح سود کے لئے نہیں۔ اسلامی بینک زر کی رسد کو پیداوار میں اضافے
قیمتوں میں استحکام اور قلیل و طویل مدتی مقاصد شریعت کو سامنے رکھتے ہوئے کنٹرول کرتا ہے اور زر

Dr. M.Umer Chapra, Towards a Just Monetory System, PP.100-115.

۲۔ ایضاً ص ۱۶۹

۳۔ ایضاً ص ۱۸۷

طلب و رسد کو متوازن رکھتا ہے۔(۱۔)اس مقصد کے لئے مرکزی بینک سالانہ بنیادوں پر زر کی رسد میں
اضافے کو متعین کرے گا۔ یہ تعین معاشی مقاصد، مناسب شرح نمو اور زر کی قدر میں استحکام کے
مقاصد کی روشنی میں ہوگا جس کا سہ ماہی بنیادوں سے جائزہ لیا جاتا رہے گا۔ اس طرح زر کی رسد ایک
قطعی غیر متوقع اتار چڑھاؤ کے حامل عنصر یعنی سود سے محفوظ رہے گی۔ ایسی صورت میں جبکہ تم
حکومتی پالیسیاں شرعی مقاصد کے حصول کے لئے بنائی جائیں گی تو زری پالیسی کو بھی اپنے نتائج حاصل
کرنے میں مدد ملے گی اور زری پالیسی کے مطلوبہ نتائج بآسانی حاصل ہو سکیں گے۔(۲۔)

نفع / نقصان کا اسلامی نظام وسائل کی تفویض سودی نظام کی بہ نسبت کہیں بہتر انداز میں کر
ہے نہ ہی اس سے بچتوں پر کوئی منفی اثرات مرتب ہوتے ہیں بلکہ اس کی مدد سے تشکیل سرمایہ کی ر
بڑھ جاتی ہے اور مجموعی نظام سودی نظام کی بہ نسبت زیادہ مستحکم ہوتا ہے۔(۳۔)اسٹاک ایکسچینج کی تر
کے لئے ضروری ہے کہ مستقبل کے سودوں اور دیگر غیر منصفانہ تجارتی معاملات پر پابندی عائد
جائے۔(۴۔)

مسلمان ممالک کے قرض کا مسئلہ بھی اسلامی معاشی اصولوں کی مدد سے حل ہو
ہے۔(۵۔)

ڈاکٹر ایس ایم حسن الزماں

اسلامی معاشیات کے حوالے سے عہد حاضر کی فکر کا ایک اور معتبر نام ڈاکٹر ایس ایم حسن الز

۱۔ ایضاً ص ۱۸۹

۲۔ ایضاً ص ۲۲۰۔۲۱۹

Dr. M.Umer Chapra, The Prohibition of Riba in Islam; An Evalution of Some Objec tions, The American Journal of Islamic Studies, (2:1) July 1985, PP. 23-40.

Dr. M.Umer Chapra, The Role of Stock Exchange in An Islamic Economy JRIE, Jeddah, (3:1) 1985, PP. 75-82.

Dr. M.Umer Chapra, Islam & International Debt Problem, Journal of Islamic Studies, London, 3(2), 1992, PP. 49-77.

کا ہے اسلامی معاشیات کے حوالے سے آپ نے مختلف موضوعات پر قلم اٹھایا ہے ان کی فکر کے مختلف
پہلوؤں کا تجزیہ درج ذیل ہے۔

ابتدائی اسلامی ریاست کے معاشی فرائض

قرآن سے ہمیں فرد اور معاشرے کی معاشی زندگی کے بنیادی اصول ضرور ملتے ہیں تاہم قرآن
نے انہیں ایک نظام کی شکل میں مربوط نہیں کیا ان اصولوں کی کچھ تشریح آنحضرت ﷺ نے اور
صحابہ کرام نے کی۔(۱-ب)

وہ بنیادی اصول جو قرآن معاشی حوالے سے فراہم کرتا ہے ان میں سے سب سے اہم نجی ملکیت
کا اصول ہے۔ اسلام انسانوں کی نجی جائیداد اور دولت کا حق اور اسے ذاتی و پیداواری مقاصد میں لانے کا
حق تسلیم کرتا ہے تاہم یہ حق مطلق نہیں ہے۔ اسلام کا قانونِ وراثت اس کی سادہ سی مثال ہے جس
کے تحت متوفی کی جائیداد اس کے وارثوں میں قرآن کے قانونِ وراثت کے تحت تقسیم ہو جاتی ہے
اسے تبدیل نہیں کیا جاسکتا۔(۲-ب)

زمین کی ملکیت کو بہر حال اس سے استثنیٰ حاصل ہے ابتدائی تاریخی حوالوں سے ٹھوس ثبوت
ساتھ انہوں نے ثابت کیا ہے کہ ابتدائی عہد اسلام میں آنحضرت ﷺ اور آپ ﷺ کے جانشینوں
زمین استعمال اور منتقل کر حق سمیت لوگوں کو دیں۔ تاہم مطلق ملکیت کا حق بہر حال حکومت کو حاصل
تھا اور یہ حق ان کے استعمال اور منتقلی میں مداخلت کی صورت میں بھی تھا۔ زمینیں قومی تحویل میں بھی
گئیں۔ حکومت کو کسی بھی خطۂ زمین کو اپنے تصرف میں لانے کا حق تھا۔ اس طرح زمین کی نجی ملکیت
مطلق انداز میں تسلیم نہیں کی گئی۔(۳-ب)

Dr. S.M Hassan-uz-Zaman, The Economic Funtions of the Early Islamic State, P.3

۲۔ ایضاً ص ۸

۳۔ ایضاً ص ۸۹

قرآن کی معاشی تعلیمات کو انفرادی اور اجتماعی دو (۲) حصوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔ انفراد
سطح پر اسلام کی تعلیمات عدل اور احسان جب کہ اجتماعی یا سماجی تعلیمات عدل اور انصاف کی اخلاقی اقد
پر مبنی ہیں۔(۱ـ)

ایک اسلامی ریاست کی اہم معاشی خصوصیات میں امتناعِ سود سب سے اہم ہے جب کہ دوسر
خصوصیت نظامِ زکوٰۃ ہے۔ قرآن مجید میں زکواۃ کی شرح اور اس کی استثنائی حدود کا بیان نہیں ہے جب
اس کی تفصیل ان سرکلرز میں ملتی ہے جو آنحضرت ﷺ نے زکوٰۃ وصول کرنے والوں اور قبائلی سردار
کو لکھے تھے۔ زکواۃ کی مدات قرآن مجید میں ہیں اور زکواۃ انہیں پر خرچ کی جانی چاہیے۔(۲ـ)

اسلامی ریاست کی ایک اور اہم خصوصیت اس کی اخلاقی اساس ہے اور ابتدائی عہد میں
مسلمانوں سے لے کر اکابرین تک اعلیٰ اخلاقی اقدار کے مجسم ہونے تھے۔(۳ـ)

ابتدائی عہد میں میں حکومت کے اہم ذرائع آمدنی میں غنائم، خمس، زکواۃ، صدقہ، جزیہ، خر
اور دیگر متفرق ذرائع شامل تھے اس حوالے سے بیت المال کا ایک اہم کردار تھا۔

بیت المال کا تصور

بیت المال کا تصور، اس کے اہم ذرائع آمدنی واخراجات، وغیرہ قرآن میں بیان کر دیئے گئے ہیں
آنحضرت ﷺ نے انہی خطوط پر اسے منظم کیا۔(۴ـ) اس عہد میں صدقہ، سماجی اخراجات کی مالیہ
کاری کا ایک عام طریقہ تھا۔

۱۔ ایضاً ص ۱۴
۲۔ ایضاً ص ۴۴
۳۔ ایضاً ص ۶۵
۴۔ ایضاً ص ۱۰۳

زکواۃ

قرآن زکواۃ / صدقہ کی ادائیگی کا حکم دیتا ہے جو مال و دولت اور زرعی پیداوار پر ادا کرنا ہوتا ہے
اس سے متعلق قوانین و ضوابط آنحضرت ﷺ نے قطعی اور واضح طور پر متعین کر دیئے ہیں۔ زکواۃ
امیروں سے وصولیابی اور فقراء میں تقسیم کا کام آنحضرت ﷺ کے عہد میں شروع ہوا جب اس مقص
کے لئے مختلف قبائل سے زکواۃ وصول کرنے والے افراد بھیجے گئے۔ زکواۃ کی ادائیگی سے مسلمان ان تم
مالیاتی ذمے داریوں سے بری نہیں ہو جاتے تھے جو ان پر معاشرے یا ریاست کی جانب سے عائد ہو
تھیں۔(۱-)

اس حوالے سے ایک اہم نکتہ یہ بھی ہے کہ عام دعووں کے برعکس کہ حضرت ابو بکر صدیقؓ ۔
زکواۃ کی ادائیگی سے انکار کرنے والوں کے خلاف جہاد کیا۔ یہ بات بالتحقیق ثابت کی گئی ہے کہ مسلمانو
نے زکواۃ کی ادائیگی نہیں روکی تھی البتہ اس فریضے کو مرکزی حکومت کی بجائے مقامی نظام کا فرض سم
لیا تھا۔(۲-)

جزیہ اور خراج

قرآن مجید میں جزیہ کی کوئی شرح بیان نہیں کی گئی ہے اور نہ ہی یہ تجویز کیا گیا ہے کہ آیا یہ فی کس
مجموعی طور پر عائد ہوگا۔ یہ محصول ابتدائی عہد میں غیر مسلموں پر عائد کیا جاتا تھا۔ یہ مسلمانوں پر عائ
نہیں ہوتا تھا بلکہ اگر کوئی غیر مسلم اسلام قبول کر لے تو اس پہ بھی موقوف ہو جاتا تھا۔ نبی کریم ﷺ
کے دور میں ہی اس مد سے حاصل ہونے والی رقم ۶۵،۰۱۰ درہم ہو چکی تھی۔(۳-)

۱۔ ایضاً ص ۱۴۵
۲۔ ایضاً ص ۱۴۷
۳۔ ایضاً ص ۱۸۰

اخراجات

بیت المال کے اخراجات میں سے زکواۃ اپنے متعینہ مدات پر ہی خرچ کی جاتی تھی تاہم ذرا
آمدنی سے پنشن، دفاعی اخراجات اور ترقیاتی کام انجام دیئے جاتے تھے۔ ابتدائی عہد میں حضرت ابو
صدیقؓ کے عہد تک تمام آمدنی وصول ہوتے ہی تقسیم کر دی جاتی تھی۔ وسائل محدود ہونے کی وجہ
یہ رقم بھی محدود ہوتی تھی تاہم شام و عراق کی فتح کے بعد بڑی مقدار میں دولت مدینے پہنچنے کے
صورت حال تبدیل ہو گئی اس عہد میں تقسیم عطایا (سالانہ پنشن) اور ارزاق (ماہانہ راشن) کی مدات
تحت ہوتی تھی۔ (۱)

دفاعی اخراجات، بیت المال کے اخراجات کی دوسری سب سے اہم مد تھی۔ ابتداء
مسلمانوں سے یہ توقع کی جاتی تھی کہ وہ فوجی خدمات کے لیئے بغیر کسی معاوضے کی توقع کے دستیاب ہ
گے تاہم ان کی اپنی معاشی سرگرمیوں کے سبب ان کے لئے بسا اوقات مشکل ہو جاتا تھا تاہم پنشن
ادارے کی وجہ سے وہ اگر ہمہ وقت دستیاب ہو گئے تو دوسری طرف دفاعی اخراجات بہت بڑھ گئے۔
کے علاوہ دفاعی اخراجات میں ہتھیاروں کی تیاری، فوج کے زیر استعمال جانوروں کی نگہداشت وغ
شامل تھے۔ (۲)

ترقیاتی اخراجات میں زمین کی ترقی واصلاح، نہروں اور بندوں کی تعمیر، عوامی بہبود، نئے شہر
کی تعمیر و ترقی، بازار [illegible] مساجد کی تعمیر، مواصلات، دواخانوں کی تعمیر، قرض، زراعانت کی فراہمی
دیگر فلاحی اخراجات شامل تھے۔ (۳)

۱۔ ایضاً ص ۲۸۷۔۲۸۶

۲۔ ایضاً ص ۳۰۱

۳۔ ایضاً ص ۳۲۱۔۳۱۲

ابتدائی اسلامی ریاست کی معاشی پالیسیوں کے مقاصد

ابتدائی اسلامی ریاست کی معاشی پالیسیوں کے اہم مقاصد میں صرف کے رجحان میں اضـ
تقسیم دولت میں بہتری، اشیائے ضرورت کی قیمتوں میں استحکام، پیداوار میں اضافہ اور دیگر فلاحی
گرمیاں شامل تھیں۔(۱)

کلیاتِ فقیہہ کا معاشیات پر اطلاق

شریعت کے قوانین ان اصولوں کے مجموعے او۔ ان کے ذیلی ضوابط کو ظاہر کرتے ہیں
صحت اور درستگی کے ساتھ عظیم مسلم قانونی ماہرین نے قرآن وسنت سے اخذ کئے ہیں۔ تاکہ کسی
قانون، ادارے یا پالیسی کے اسلامی یا غیر اسلامی ہونے کا تعین کیا جاسکے۔ یہ متن(Text) کی رو
باقاعدہ شرح ہے جو انسانی معاشرے کے مختلف حالات پر نہ صرف منطبق ہوتی ہے بلکہ انسانوں کو مختـ
حالات سے عہدہ براہونے کے لئے رہنما خطوط بھی فراہم کرتی آئی ہے۔

ڈاکٹر حسن الزماں نے عمومی طور پر قبول کئے جانے والے ان قوانین(Legal Maxims
انتخاب کیا ہے اور انہیں عصرِ حاضر کے حالات پر منطبق کرنے کی کوشش کی ہے۔ ان قوانین کا تـ
افراد اور معاشرے کی معاشی زندگی سے ہے۔ یہ اصول وسیع تر بنیادوں پر شبہ اور یقینیت، تلافی ضـ
قوانینِ رخصت، داد وستد(Give & Take) منفعت بمقابلہ ذمے داری، عوامی فلاح وبہبود، فر
کی سزا اور دیگر معاملات سے متعلق ہیں۔ اس حوالے سے قواعد فقیہہ میں کافی کام ہوا ہے۔ بعض
محض قانونی ضوابط زیرِ بحث لائے گئے ہیں۔ تاہم تقریباً بیشتر صورتوں میں ماہرین نے ان اصولوں
اطلاق کو عبادات یا قرونِ وسطیٰ میں مروج چند معاشی سرگرمیوں تک محدود رکھا ہے۔ اس مطالعہ میں

۱۔ ایضاً ص ص ۳۲۲۔ ۳۲۳

۲۔ S.M Hassa-uz-Zaman, The Economic Relevance of the Sharia Max-
, Abstract.

اصول وضوابط کو عصر حاضر کی معاشی سرگرمیوں، اداروں او پالیسیوں پر منطبق کرنے کی کوشش کی
ہے۔اس مطالعے میں تمام اصول شامل نہیں ہیں جو ممکنہ طور پر معاشی معاملات پر منطبق ہو سکتے
اور نہ ہی متنازع اصولوں کو زیر بحث لایا گیا ہے۔(ا) چند اہم اصول اوران کے اطلاق کی مثالیں مند
ذیل ہیں۔

مثال کے طور پر منفعت بمقابلہ ذمے داری (Benefit Versus Liability) کے حوا
سے مختلف قوانین ہیں اس حوالے سے ایک سادہ اصول یہ ہے کہ " قانون کے تحت ایک امر جائز ذ
داری تخلیق نہیں کرتا"۔ یعنی کوئی بھی ایسا امر جس کی قانون کے تحت اجازت ہو اگر وہ کوئی شخص ا
دیتا ہے تو اس کے اوپر کوئی ذمے داری عائد نہیں ہوتی۔ مثال کے طور پر ایک شخص اپنی مزروعہ ز
میں کوئی کنواں کھودتا ہے اور اس کنویں میں کسی شخص کا کوئی جانور گر کر ہلاک ہو جاتا ہے تو کنویں کا ما
جانور کے مالک، کے نقصان کی تلافی کا پابند نہیں ہے کیونکہ کنویں کا مالک کا فعل خلافِ قانون ن
تھا۔(۲)

اسی طرح سے اس حوالے سے ایک دیگر قانون یہ ہے کہ " نقصان اور منفعت ساتھ ساتھ
ہیں" اِس اصول کی بنیاد ایک حدیث کے یہ الفاظ ہیں "الخراج بالضمان" یعنی نفع اور ذمے داری سا
ساتھ چلتے ہیں۔(Return goes with Liability) یہ اصول کاروباری اور معاشی لحاظ
یکساں اہمیت رکھتا ہے اور مختلف حالات میں قابلِ اطلاق ہے۔ مثلاً اس اصول کی بنیاد پر شراکت دا
کا کوئی سا بھی ایسا معاہدہ جس میں ایک شریک صرف منافع کا حقدار ہو اور دوسرا شریک نقصان کی
ذمے داری اٹھائے۔ شرعی نقطۂ نگاہ سے غلط ہے۔(۳)

ا۔ ایضاً
۲۔ ایضاً ص ۴۱
۳۔ ایضاً ص ۴۳

اسی طرح سے کرایہ داری کا کوئی ایسا معاہدہ جس میں کرایہ دار کسی زلزلے یا سیلاب یا کسی ا
تباہی کی وجہ سے مکان کو پہنچنے والے نقصان کی تلافی کا بھی ذمے دار ہو شرعی لحاظ سے باطل ہے۔
اصول کی بنیاد پر ایک امین اپنے پاس جمع کروائی گئی رقم کی سرمایہ کاری سے حاصل ہونے والے منافع کا
وقت حقدار ہے جب کہ اسے رقم جمع کروانے والے کی جانب سے خفی یا جلی اجازت دی گئی ہو۔ لیکن
جمع کروانے والا اس منافع کا مطالبہ صرف اس صورت میں کر سکتا ہے کہ جب وہ ممکنہ نقصان کی بھی ذ
داری قبول کرنے کو تیار ہو جو اس سرمایہ کاری کے نتیجے میں ممکن ہے۔ اس طرح یہ اصول بلا سود بینک
کی اساس بھی بنتا ہے۔(۱ــ)

اسی طرح سے ایک اور اصول ''حکومتی صوابدید بالمقابل عوامی فلاح'' ublic Welfare
vis-a-vis the Discreton of the Government) کا ہے۔ جائیداد کی ملکیت کا ح
اسلامی معاشی نظام کی بنیادی خصوصیت ہے۔ شریعت کا بنیادی مقصد لوگوں کے مال و دولت اور آمد
تحفظ بھی ہے اور یہ مقصد صرف اسی صورت میں حاصل ہو سکتا ہے جب معاشرہ کا قانون لوگوں کی
ملکیت کا تحفظ کرتا ہو۔ متعدد احادیث میں اس امر پر بہت زور دیا گیا ہے۔ اسی بنیاد پر مختلف قوانین
کیے گئے ہیں مثلاً ''کوئی شخص کسی دوسرے کی ملکیت اس کی اجازت کے بغیر فروخت نہیں کر سکتا۔'
طرح سے ایک دوسرا قانون یہ ہے کہ ''کسی شخص کی جانب سے کسی دوسرے شخص کی جائیداد پر تصر
(استعمال یا فروخت) کا حکم باطل ہے۔'' یہ اصول حکومت پر بھی منطبق ہوتا ہے جو اس طرح بیان کیا
ہے ''لوگوں کی جائیداد سے متعلق اختیار کو لازمی طور پر لوگوں کی منفعت کے لئے استعمال
چاہیے۔''(۲ــ)

یہ حکم حکومت کے ہاتھ میں نجی ملکیت کے استعمال / حصول یا کنٹرول سے متعلق

۱۔ ایضاً ص ۴۴

۲۔ ایضاً ص ۴۷

اختیارات دیتا ہے۔ تاہم یہ اختیار مندرجہ ذیل شرائط سے مشروط ہے۔

۱۔ حکومت کے جملہ اقدامات لوگوں کی عمومی فلاح اور مفاد میں ہونے چاہیں۔

۲۔ حکومت نجی ملکیت میں کوئی شے بغیر معاوضہ ادا کیئے نہیں لے سکتی۔

۳۔ کچھ ماہرین کے نزدیک اس طرح کا کوئی بھی قدم لوگوں کی تائید سے ہی ہونا چاہیئے۔

لہذا قانونی طور پر نجی ملکیت کی دیگر افراد کی جانب سے غلط استعمال یا ناجائز تصرف کی ممانعت ہونی چاہیے۔(۱)

اسی طرح دیگر متعدد اصولوں کے ماخذ اور ان کے عملی اطلاق سے بحث کی گئی ہے جو عہد حاضر میں بنیادی اسلامی اصولوں کے عملی اطلاق کے لئے بنیاد فراہم کرتی ہے۔

مالی واجبات کی اشاریہ بندی (Indexation)

اسلامی نقطۂ نگاہ سے ادائیگیوں کا نظام دو مختلف طرح کے اصولوں پر مبنی ہے معاوضے کی ادائیگی مختلف سماجی، معاشی اور طبعی عوامل سے مشروط ہوتی ہے جب کہ قرض کی ادائیگی شریعت کے متعین اصولوں کے تحت ہوتی ہے۔ اس بحث میں قرضوں اور دیگر مالی واجبات کے بارے میں شرعی نقطہ نظر سے جائزہ لیا گیا ہے۔(۲)

اشاریہ سازی کا طریق دنیا کے متعدد ممالک میں مختلف حوالوں سے جزوی طور پر اجرتوں پنشنوں، سماجی تحفظ کی ادائیگیوں اور دیگر مقاصد کے لئے استعمال کیا جاتا رہا ہے۔ تاہم ہر جگہ اس کا طریق کار جزوی اور بسا اوقات کلی طور پر مختلف رہا ہے۔ اس کے حق اور مخالفت میں مختلف دلائل دیئے جاتے رہے ہیں مثلاً اس عمل کے حق میں دیئے جانے والے چند اہم دلائل مندرجہ ذیل ہیں۔

۱۔ ایضاً ص ۴۸

۲۔ ڈاکٹر ایس ایم حسن الزماں، مالی واجبات کی اشاریہ بندی، اردو ترجمہ عبدالقیوم ونیس، ص ۱۰

۱۔ افراطِ زر کی وجہ سے زر اپنے دو بنیادی فرائض یعنی ذخیرۂ قدر اور آئندہ ادائیگیوں کے معیار کی صحیح ادائیگی نہیں کرپاتا جو اشاریہ سازی کی مدد سے درست انداز میں ادا کر سکتا ہے۔

۲۔ اس کی مدد سے افراط زر کی تلافی ممکن ہے اور اس کی مدد سے معاشی استحکام و نمو اور دولت کی منصفانہ تقسیم ممکن ہے کیونکہ یہ عمل بچتوں کو ایک محرک فراہم کرتا ہے۔

۳۔ افراط زر کی شرح میں کمی کی صورت میں اگر اشاریہ سازی موجود نہ ہو تو خاصا بگاڑ پیدا ہو جاتا ہے۔ اشاریہ سازی کی مدد سے اس بگاڑ کو کم کیا جا سکتا ہے۔

۴۔ اشاریہ سازی کی عدم موجودگی میں جب کہ افراط زر کا کوئی اندازہ نہ ہو تو مستقبل کے منصوبوں اور معاہدوں پر برا اثر پڑ سکتا ہے۔

۵۔ اس کا ایک مثبت اثر سرمایہ کاری کے فیصلوں پر ہوتا ہے جن میں سے تخمین کا عنصر خارج ہونے سے وسائل کا پیداواری مقاصد کے لئے استعمال ممکن ہو جائے گا۔(۱)

تاہم اشاریہ سازی کی مخالفت میں دیئے جانے والے دلائل مقداری اور معیاری دونوں لحاظ سے اول الذکر پر فوقیت رکھتے ہیں یہ دلائل مندرجہ ذیل ہیں۔

۱۔ زر کی قوت خرید کی ضمانت کی تجویز مستقبل میں زر کی قدر کے بارے میں متوقع بے یقینی پر مبنی ہے لیکن اگر قدر زر تبدیل نہ ہو تو یہ سارا عمل بے معنی ہو جاتا ہے۔

۲۔ اشاری سازی کے نتیجے میں زر کے دو الگ الگ معیار ہو جائیں گے یعنی سکہ رائج الوقت کے ساتھ ساتھ قوتِ خرید کی ایسی دوسری اکائی جو قرض کے معاہدوں میں استعمال ہو گی عملی مسائل پیدا کر دے گی۔

۳۔ اشاریہ سے منسلکہ اور غیر منسلکہ مالیاتی اثاثوں کی بیک وقت موجودگی نے بے شمار مسائل کو جنم

۱۔ ایضاً ص ص ۲۳۔۲۱

ہے خصوصاً ایک ایسی صورت حال میں جب افراط زر کی شرح میں بہت زیادہ فرق ہو۔

۴۔ مصارفِ زندگی کا اشاریہ استعمال کرنے سے سکے کی قوتِ خرید میں کمی کا سارا بار مقروض پ
پڑتا ہے۔

۵۔ عملی طور پر اس عمل کا کسی ملک کی معیشت پر کوئی قابلِ ذکر اثر نہیں ہوا اور نہ ہی افراط زر پر اس کا
کوئی نمایاں اثر سامنے آسکا ہے بلکہ الٹا اس عمل نے افراط زر میں اضافہ ہی کیا ہے۔

۶۔ بین الاقوامی تجارت میں یہ تصور قطعی طور پر ناقابل عمل ہے۔(۱)

اسلامی نقطۂ نگاہ قرضہ اسی جنس اور مقدار میں واپس کیا جانا چاہئے جس میں لیا گیا ہے قطع نظ
اس کے کہ ادائیگی کے وقت اس کی قیمت بدل چکی ہو۔ اس بنیادی اصول کی روشنی میں اشاریہ سازی کے
خلاف اسلامی نقطہ نگاہ سے بہت ٹھوس دلائل موجود ہیں مثلاً :

۱۔ یہ تصور انصاف کے بنیادی اصولوں کے خلاف ہے کیونکہ اس میں قرض دہندہ کے نقصان کی
تلافی مقروض سے کرنے کی کوشش کی جاتی ہے جو اس نقصان کا ذمہ دار نہیں۔ افراط زر کئ
پیچیدہ عوامل کا نتیجہ ہوتا ہے جن کا فرداً فرداً تعین ممکن نہیں۔

۲۔ اشاریہ سازی کا عمل صرف افراط زر میں ممکن ہے تفریط زر میں اس کے لئے کوئی تیار نہیں
ہوتا۔

۳۔ اشاریہ بنانے کا عمل بذات خود بہت سارے اندازوں، تخمینوں اور اوساط پر مبنی ہوتا ہے یہ اوسا
کچھ طبقات کے لئے ظلم اور کچھ کے لئے بلاجواز منفعت بخش ثابت ہوتی ہیں۔

۴۔ ظلم کا ایک پہلو یہ ہے کہ ہر بچت کنندہ کے نقصان کی تلافی کے لئے اشیاء صارفین کا واحد مجموعہ استعما
کیا جاتا ہے جو صحیح نہیں ہے اسے انفرادی نقصان کی بنیاد پر الگ الگ ہونا چاہیے۔(۲)

۱۔ ایضاً ص ۲۸۔۲۴

۲۔ ایضاً ص ۳۷

۵۔ مسلسل افراط زر میں اشاریہ سازی بغیر ذمے داری۔ لئے حصولِ نفع کا ذریعہ بن جاتی ہے جو اسلا
نقطۂ نگاہ سے درست نہیں۔

۶۔ اشاریہ سازی کا مطلب یہ ہو گا کہ دائن، قرض دی گئی رقم کا نہیں بلکہ اس کی قدر واپس وصو
کرنے کا حقدار ہے یہ قرض کی روح کے خلاف ہے اور فقہا نے اسے ناجائز قرار دیا ہے۔

۷۔ ایک بلاسودی معیشت میں قومی اور مخیرانہ مقاصد ہے، لئے قرضوں کی اشاریہ سازی کا کوئی جوا
نہیں۔

۸۔ بلاسودی بنکاری نظام میں اگر افراط زر کی شرح منافع کی شرح سے زیادہ ہو تو بینکوں کی طرف
سے شرکت کی بنیاد پر روپیہ لگانے اور قرض کھاتہ کھولنے کی حوصلہ شکنی ہو گی۔

۹۔ یہ بلاواسطہ طور پر سودی معاملات سے مشابہ ہو جاتی ہے۔

۱۰۔ اشاریہ سازی کا نظام ملک کے زری نظام میں انتشار پیدا کر دے گا کیونکہ زر کے مخزن کے لحا
سے ایک ہی زر کی مختلف قیمتیں ہو جائیں گی اور ایک ہی زر مختلف مقامات پر مختلف قیمتوں
حامل ہو جائے گا جس سے زری نظام درہم برہم ہو سکتا ہے۔

مندرجہ بالا دلائل بنیاد پر یہ کہا جاسکتا ہے کہ اشاریہ سازی کا عمل اسلامی تعلیمات سے موافقت
نہیں رکھتا اور کئی قباحتیں پیدا کر سکتا ہے۔(۱)

قرآن کے معاشی رہنما خطوط Economic Guidlines in the Quran

قرآن مجید کا انداز عام انسانی تصانیف جیسا نہیں ہے۔ عام انسانی تصانیف میں کتاب کے مواد کو
مختلف ابواب میں تقسیم کر دیا جاتا ہے اور ہر باب میں موضوع سے متعلق کسی خاص پہلو کو زیر غور لایا جا

۱۔ ایضاً ص ص ۵۱۔۴۶

ہے اور مصنف بتدریج قاری کو کسی خاص نتیجے تک لے جاتا ہے۔ تاہم قرآن مجید کا انداز یہ نہیں ہے
قرآن مجید میں ایک حقیقت یا اصول اگر ایک مقام پر بیان کیا گیا ہے تو اس کی مزید وضاحت یا تفصیل
دوسرے مقام یا مقامات پر بیان کی گئی ہے۔ ان میں اضافہ کہیں اور کیا گیا ہے، مستثنیات اگر کوئی ہوں
ان کا مقام کہیں اور ہے۔ اور مختلف اہم حقائق کو سیاق و سباق کی روشنی میں مختلف مقامات پر دہرایا گیا ہے
قرآن مجید کا یہ اسلوب بیان "تصریفِ آیات" کہلاتا ہے۔ لہٰذا قرآن مجید کو سمجھنے اور درست نتائج
استنباط کے لئے یہ ضروری ہے کہ کسی خاص موضوع پر قرآن مجید کی تعلیمات کو سمجھنے کے لئے ا
موضوع سے متعلق قرآن مجید کی جملہ آیات سامنے ہوں۔

ڈاکٹر حسن الزماں نے معاشی حوالے سے قرآن مجید کے رہنما معاشی اصول اپنی کتاب -Eco
nomic Guidlines in the Quran میں یکجا کر دیئے ہیں تاکہ "وہ ماہرینِ معاشیات جو قرآن
کے معاشی رہنما اصولوں تک پہنچنا چاہتے ہوں انہیں متعلقہ امور سے متعلق آیات یکجا مل جائیں" (اے

اس کتاب میں بنیادی معاشی موضوعات اور ان کے ذیلی عنوانات کو سامنے رکھا گیا ہے اور ا
بنیادی معاشی تعلیمات کو سامنے لانے کی کوشش کی گئی ہے جو قرآن میں بیان کی گئی ہیں۔ اس کے سا
ان قواعد و معیارات کو بھی واضح کیا گیا ہے جو معاشی اداروں کے فرائض کے لئے اساس بنتے ہیں۔

معاشی حوالے سے تمام دستیاب اصول و قواعد اور دیگر تعلیم کو پانچ (۵) بنیادی اقسام میں تقسیم
کیا گیا ہے۔

۱۔ بنیادی تصورات

۲۔ سماجی رویہ

۳۔ معاشی معیارات

۴۔ عامۃ الناس کے بارے میں پالیسی کے رہنما خطوط

Dr. S.M Hassan-uz-Zaman. Economic Quidlines in the Quran, preface.

۵۔ قبل از اسلام ادارے

متذکرہ بالا موضوعات چونکہ کثیر الجہت موضوعات ہیں لہذا ہر باب کو کئی حصوں اور ہر حصے ک
ذیلی حصوں میں تقسیم کر کے اس سے متعلق قرآنی آیات بیان کی گئی ہیں۔ مثال کے طور پر پہلے باب
"بنیادی تصورات" میں جن ذیلی موضوعات کو زیر بحث لایا گیا ہے وہ یہ ہیں۔

(الف) قرآن کی مخصوص اصطلاحات

ان اصطلاحات میں فضل، فساد، احسان، انفاق، خیر، متاع، مستضعفین، رزق اور ظلم وغیر
شامل ہیں پھر ان اصطلاحات کو قرآن مجید میں جن معنوں میں استعمال کیا گیا ہے ان کی صراحت الگ ک
گئی ہے اور ہر معنی میں قرآن نے یہ اصطلاحات جس طرح استعمال کی ہیں ان کی وضاحت متعلقہ آیت
آیات سے کی گئی ہے۔

(ب) فلسفیانہ تصورات

ان تصورات میں ملکیت کا تصور، تخلیق اور تقسیم، عدم مساوات، انسان اور کائنات، جزا اور س
کے تصورات وغیرہ شامل ہیں۔

(ج) انسانی جبلتیں

انسانی جبلتوں میں انسان کی دولت سے محبت، راتوں رات دولت مند بننے کی ہوس، پس انداز
کی ہوس، دولت پر غرور، بڑھاپے کے تحفظ کی خواہش اور دیگر جبلتوں سے متعلق قرآنی ارشادات مج

کئے گئے ہیں۔

(د) معاشی کامیابی کی لازمی شرائط

قرآن معاشی کامیابی کے لئے جن شرائط کا تذکرہ کرتا ہے ان میں سخت محنت، وسائل کا مؤثر استعمال، اسراف و تبذیر سے محفوظ رہنا، اجتماعی ارادہ، وقت کا صحیح استعمال اور قدرتی عامل Devine (Factor) وغیرہ شامل ہیں۔

(س) معاشی محرک

معاشی محرکات میں ذاتی آمدنی کا حق، نجی ملکیت کا استقرار اور مذہبی ترغیبات وغیرہ شامل ہیں۔

(ش) اخلاقیات، آداب اور معیارات

پہلے باب کا یہ چھٹا حصہ جن ذیلی عنوانات پر محیط ہے وہ یہ ہیں معاشی سرگرمیوں کے مقاصد اخلاقی اقدار، (عدل، احسان، ذاتی قربانی، سخاوت، دوسروں کا دھیان رکھنا، رواداری وغیرہ)، آداب معیارات۔

(ی) معاشی وسائل

معاشی وسائل کے مباحث میں سب سے اہم زمین ہے زمین بطور جائے رہائش بھی ہے اور تمام وسائل کی فراہمی کی بنیاد بھی، جن میں زرعی، معدنی، حیواناتی وسائل شامل ہیں۔ اسی زمین سے ہمیں، ایندھن، جنگلات اور دیگر ذرائع پیداوار حاصل ہوتے ہیں ان تمام کا تذکرہ قرآن مجید میں کیا گیا ہے

جن آیات میں اللہ تعالیٰ نے اپنے ان احسانات کا تذکرہ کیا وہ اس حصے میں شامل ہیں۔

یہ صرف پہلے باب کا انتہائی مختصر تعارف ہے اسی بنیاد پر دیگر ابواب کے بارے میں اندازہ لگایا سکتا ہے جن کے موضوعات کا بیان ہو چکا ہے۔ اس طرح اس کاوش میں معاشی مباحث سے متعلق جملہ آیات کو یکجا کر دیا گیا ہے جس سے قرآن پر اس حوالے سے تدبر کرنے اور نتائج کے استنباط کے لئے ایک نئی راہ کھل گئی ہے۔

مندرجہ بالا کتب کے علاوہ ڈاکٹر حسن الزماں نے بڑی تعداد میں تحقیقی مقالات بھی سپرد قلم کے ہیں یہ مقالات مختلف موضوعات پر ہیں ان کا ایک اجمالی جائزہ درج ذیل ہے۔

۱۔ انہوں نے پہلی مرتبہ یہ کوشش کی ہے کہ آنحضرت ﷺ کی بعثت کے وقت عرب میں مکہ شرح سود کیا ہو سکتی تھی؟(۱)

۲۔ شرکت میں شرکاء کی مالی ذمے داری سے بحث کرتے ہوئے اسے لا محدود ثابت کیا ہے۔(۲)

۳۔ ایک محدود بہ حصص کمپنی میں حصے داروں کی ذمہ داری کو محدود رکھنے کے جواز میں دلائل دیے ہیں۔(۳)

۴۔ اسلامی معاشیات کی ایک نئی تعریف تجویز کی ہے۔(۴)

۵۔ بلاواسطہ اور بالواسطہ محاصل کی تقسیم کے اسلامی ضوابط سے بحث کی ہے جس میں ثابت کیا ہے کہ بالواسطہ محاصل شریعت میں قابل ترجیح ہیں۔(۵)

۱۔ ڈاکٹر ایس ایم حسن الزمان، اسلام اور شرح سود، برہان دہلی (۶ : ۵۳)

۲۔ r. S.M Hassan-uz-Zamn, The Liability of Partners in An Islamic Shari
n, Islamic Studies, Islamabad (10:4) Dec 1971.

۳۔ r. S.M. Hassan-Uz-Zamn, Limited Liability of Share Holders: An Islamic
respective, Islamic Studies winter 1989, Vol. 28, No 4, PP. 353-358.

۴۔ r. S.M. Hassan-Uz-Zamn, Defining Islamic Economic Journal of Islamic
anking of Finance, vol III, No. 5, PP. 21-22.

۵۔ r. S.M. Hassan-Uz-Zamn, Zakat,Taxes and Estate Duty; Islamic Literture,
ahore (17:7).

۶۔ شرکت و مضاربت کے اساسی اصولوں کا تعارف کرایا ہے ان کے خیال کے مطابق مضاربت صرف تجارتی لین دین میں عمل میں لائی جا سکتی ہے دوسرے کاروباری عقود و معاملات میں نہیں۔(۱ ب)

۷۔ انہوں نے ملازموں کو بونس کی ادائیگی کے موجودہ نظام کی شرعی حیثیت کو چیلنج کیا ہے۔(۲ ب)

۸۔ مالیات کاری سے متعلق اسلامی قوانین کا جائزہ لیا ہے۔ بیع سلم کی شرائط و ضوابط اور جدید دور میں اس کے انطباق کی اشکال سے بحث کی ہے۔(۳ ب)

۹۔ دور جدید کے تقاضوں کے پیش نظر بینک کو عام شریک کی بجائے خصوصی شریک بنانے کے لئے نئے قانونی ڈھانچے کی ضرورت پر زور دیا ہے۔(۴ ب)

۱۰۔ سماجی بالائی اخراجات(Social Overheads) کی اسلامی بنیادوں پر مالیات کاری کے لیئے تجاویز پیش کی ہیں۔(۵ ب)

۱۱۔ ابتدائی اسلامی عہد کی معاشی پالیسیوں کی مختلف جہتوں پر بحث کی ہے۔(۶ ب)

۱۲۔ اسلام میں تجارتی اصولوں پر بحث کی ہے۔(۷ ب)

۱۔ Dr. S.M. Hassan-Uz-Zamn, Mudaraba in Non Trade Operations Journal of King Abdul Aziz University Islamic Economics, Jeddah, 2, 1990.

۲۔ Dr. S.M. Hassan-Uz-Zamn, Workmen Bonus; Shariah Arguments for and Against, Hamdard Islamicus, Vol XVI, Summer 1993, No. 2, PP. 1 '5-120.

۳۔ Dr. S.M Hassan-uz-Zamn, Bay Salam: Principal & Practical Applications, Islamic Studies, Winter 1991, Vol.30 No.4, PP. 443-454.

۴۔ Dr. S.M. Hassan-Uz-Zamn, The Need To Introduce a Special Partner in Shirkah, Islamic Studies Summer 1998, Vol. No.2, PP. 229-234.

۵۔ Dr. S.M. Hassan-Uz-Zamn, Interest Free Financing of Social Overheads, Journal of Islamic Banking & Finance (15:3) July - September, 1998.

۶۔ Dr. S.M. Hassan-Uz-Zamn, Economic Policy in the Early Islamic Period Journal of Rabitah, Makkah, (6:8), June 1979

۷۔ Dr. S.M. Hassan-Uz-Zamn, Trade in Islam, Sh, Muhammad Ashraf, Lahore n.d

۱۳۔ اسلام میں زکوٰۃ سماجی تحفظ کا بنیادی ذریعہ ہے۔(۱)

محمد اکرم خان

محمد اکرم خان کا نام بھی اسلامی معاشیات کے حوالے سے ایک معتبر نام ہے مختلف کتب، تحقیقاتی مقالوں کے علاوہ اسلامی معاشیات کے موضوع پر ایک جامع کتابیات (Bibliography) کی انہوں نے تدوین کی ہے وہ اہم موضوعات جن پر محمد اکرم خان نے قلم اٹھایا ہے ان کا تجزیہ مندرجہ ذیل ہے۔

کیا اسلام کسی معاشی نظام کا حامل ہے؟

اس عمومی طور پر تسلیم شدہ مفروضے کو کہ اسلام ایک معاشی نظام کا حامل ہے جانچنے کے لئے یہ ضروری ہے کہ پہلے معاشی نظام کی ایک تعریف ہمارے پاس ہو۔ معاشی نظام سے مراد ''موجودات کا ایک سیٹ ہوتا ہے جو معاشرے کے معاشی مقاصد کے لئے باہم مربوط ہو کر اشتراکِ عمل کا مظاہرہ کریں۔ یہاں موجودات / ہستیوں (Entities) سے مراد معاشی ادارے، تنظیمیں اور معاشی معاملات کے قواعد و ضوابط اور اصول و قوانین ہیں۔ اس طرح معاشی مقاصد کے حصول سے مراد یہ ہے کہ معاشرے کے پاس کچھ واضح متعینہ معاشی مقاصد ہونے چاہئیں۔ موجودات کے اشتراکِ عمل سے مراد دو (۲) امور ہیں اول یہ کہ مختلف موجودات کا باہمی ابلاغ موجود ہو اور وہ باہم ایک دوسرے کے ساتھ موافقت میں عمل کریں۔ دوم یہ کہ طرز عمل مقاصد کے حصول کے لئے ہو۔''(۲)

۱۔ Dr.S.M.Hassan-u-zaman, Social Security in Islam in Thoughts on Islamic Economics, Dakaha; Islamic Economic Research bureau, 1980.

۲۔ M. Akram Khan, Issues in Islamic Economics, PP. 4-5.

اس بنیاد پر یہ کہا جاسکتا ہے کہ "اس قسم کے موجودات یعنی اداروں، تنظیموں اور قواعد و ضوابط کی موجودگی اور ان کے معاشرے میں معاشی مقاصد کے حصول کے لئے اشتراکِ عمل کی موجودگی اس بات کی غماض ہوگی کہ وہ معاشرہ کوئی معاشی نظام رکھتا ہے۔" (۱)

اس بنیاد پر مختلف معاشی نظام ہائے معیشت کا موازنہ بھی ممکن ہے سوشلسٹ نظامِ معیشت کے زوال کے بعد موازنے کے روایتی پہلو یعنی ملکیتی تعلقات، معاشی آزادی کی اقسام، وسائل کی تفویض کا طریقہ کار، ترغیباتی نظام اور فیصلہ سازی کا نظام اب اہم اس لئے نہیں رہے کہ کم وبیش تمام معیشتوں کی نوعیت اب بالکل یکساں ہوگئی ہے۔ لہذا اب موازنے کے لئے نظریاتی بنیادیں اساس بن گئی ہیں۔ اس بنیاد پر اب موازناتی معیار یہ ہوں گے۔

۱۔ معاشی نظام کی نوعیت

اس حوالے سے اس امر کا جائزہ لیا جاتا ہے کہ ایک معاشی نظام میں انسان کی کائنات میں پوزیشن، دنیاوی مقاصد، انسانوں کے باہمی تعلقات، معیشت میں ریاست کا کردار اور فرد اور معاشرہ کے باہمی تعلقات کی نوعیت کا جائزہ لیا جاتا ہے۔ (۲)

۲۔ نظام کے معاشی مقاصد

اس سے مراد یہ ہے کہ تمام معاشی فیصلوں کا حتمی مقصد کیا ہے اور سماجی انصاف، دولت کی منصفانہ تقسیم، مادی فلاح اور بنیادی ضروریات کی تکمیل کس طرح واضح اور متعین انداز میں کی جاتی ہے۔ (۳)

۱۔ ایضاً ص ۵

۲۔ ایضاً ص ۸

۳۔ ایضاً ص ۸

۳۔ نظام کا طریقِ عمل

اس سے مراد یہ ہے کہ نظام کس طرح عمل کرتا ہے؟ بالفاظ دیگر ایک معیشت میں پیداوار اور تقسیم سے متعلق بنیادی فیصلے کس طرح سے کیئے جاتے ہیں؟

اس بنیاد پر اگر اسلام کو پرکھا جائے تو پہلے ہمیں یہ دیکھنا ہوگا کہ آیا اسلام کسی معاشی نظام کا حامل ہے یا نہیں دوم یہ کس انداز میں دیگر معیشتوں سے جدا ہے؟

اس بنیاد پر پہلے سوال کا جواب اس لئے اثبات میں ہے کہ اسلامی معاشی نظام کے مختلف ادارے مثلاً نجی ملکیت کا تصور، زکواۃ، انفاق، مختلف ذرائع آمدنی اور قوانینِ معیشت نہ صرف یہ کہ آپس میں گہرا ربط رکھتے ہیں بلکہ وہ اسلام کی تعلیمات سے بھی گہرے طور پر مربوط ہیں۔ جہاں تک دوسرے سوال کا تعلق ہے متذکرہ بالا تینوں معیارات پر اسلام کی تعلیمات کسی بھی دیگر نظام ہائے معیشت سے نمایاں طور پر جدا ہونے کی وجہ سے یہ بجا طور پر کہا جاسکتا ہے کہ اسلامی نظام معیشت کسی بھی دیگر نظام ہائے معیشت سے نوعیت، مقاصد اور طریقِ عمل کے حوالے سے بھی الگ ہے۔ (۱)

سرمایہ داری اور اسلام

اسلام اور سرمایہ دارانہ معیشت متعدد حوالوں سے ایک دوسرے سے جدا ہیں محض قیمتوں کی میکانیت پر دونوں کا یقین انہیں یکساں نہیں بنا دیتا۔ ان کی مابین بنیادی فرق یہ ہے کہ سرمایہ دارانہ نظام میں تمام ترقی کا پیمانہ مادی ہوتا ہے اور یہ نظام انسان کو خود غرض متصور کرتا ہے، ملکیت کا حق مطلق متصور کیا جاتا ہے۔ لیکن اس کے برعکس اسلامی معیشت کی اساس توحید، حیات بعد الموت اور انسان کے زمین پر اللہ کے نائب ہونے کے تصورات پر رکھی گئی ہے۔ ان تصورات کی رو سے زمین کے تمام وسائل جو انسان کے قبضے و تصرف میں ہوں وہ اس کی مطلق ملکیت نہیں ہوتے بلکہ انسان خدا کے نائب ہونے

---

۱ ایضاً ص ۱۸۔۹

کے ناطے محض امین کی حیثیت سے ان سے استفادہ حاصل کر سکتا ہے اور وہ انہیں ان حدود و قیود میں استعمال کرنے کا پابند ہے جو اس حوالے شریعت نے متعین کر دیئے ہیں۔ اسلام میں انسان کو خود غرض متصور نہیں کیا جاتا بلکہ اسے صاحب اختیار سمجھا جاتا ہے کہ وہ اچھائی اور برائی جو چاہے راہ اختیار کر سکتا ہے۔ اس طرح اسلام سرمایہ داری کے مقابلے میں ایک زیادہ جامع تصورِ حیات کا حامل ہے۔

اسٹاک ایکسچینج اور اس کے افعال، اصلاحِ احوال کی ضرورت

یہ کہا جاسکتا ہے کہ اسٹاک ایکسچینج کے کاروبار کی سب سے بڑی خامی تخمینی کاروبار یا سٹہ بازی ہے جو بیک وقت کئی معاشی اور سماجی خرابیوں کی جڑ ہے۔ اس تخمینی کاروبار کے خاتمے اور اسے صحیح اسلامی خطوط پر لانے کے لئے مندرجہ ذیل اصلاحات ضروری ہیں۔

ا۔ ایسے قوانین تشکیل دیئے جائیں جن سے تخمینی کاروبار غیر پرکشش ہو جائے بالفاظ دیگر قانوناً اسٹاک اور حصص کی براہ راست خرید و فروخت کو ختم کر دیا جائے۔ اس کی بجائے حصص کی خرید و فروخت لسٹڈ کمپنیوں (.Listed Cos) کے ایجنٹس کے ذریعے ہونی چاہئے جو بذات خود اس خرید و فروخت میں ملوث نہ ہوں۔

۲۔ حصص کی قیمتوں کے تعین کا موجودہ طریقہ کار جو حصص کی طلب و رسد سے طے ہوتا ہے اسے ختم کر کے حصص کی قیمتوں کا تعین کمپنی کے تختۂ واصل باقی (Balance Sheet) سے کیا جائے۔ اس مقصد کے لئے مندرجہ ذیل فارمولا استعمال کیا جا سکتا ہے۔

حصص سرمایہ + نفع - نقصان + بچا ہوا منافع - بچا ہوا نقصان ÷ حصص کی کل تعداد

اس فارمولے میں واجبات (Liability) کو صفر تصور کیا گیا ہے اس فارمولے سے حصص کی

ا۔ ایضاً ص ۲۲-۱۸

قیمتوں کا درست تعین ممکن ہو سکے گا۔

۳۔ تمام کمپنیوں کو تنقیح اور محاسبی (Audit & Accounting) کے بین الاقوامی معیارات ا
لازمی ہوگا۔

۴۔ اسٹاک ایکسچینج میں مستقبل کے سودوں (Forward Business) پر مکمل پابندی لگا
جائے۔

۵۔ مختصر المعیاد فروخت (Short Selling) کو سختی سے کنٹرول کیا جائے اور

۶۔ ایک اعلیٰ اختیاراتی بورڈ جو مالیاتی ماہرین، چارٹرڈ اکاؤنٹینٹس اور اسلامی قوانین کے ماہرین پر مشـ
ہو اسٹاک ایکسچینج کے افعال کو قواعد و ضوابط کے تحت چلائے۔ (۱)

افراط زر اور اسلامی معیشت۔ ایک بند معیشتی ماڈل

افراط زر کی قسم یا وجوہ کو نظر انداز کرتے ہوئے افراط زر کی ایک عمومی صورت حال یعنی قـ
میں اضافے کو افراط زر تسلیم کرتے ہوئے اس امر کا جائزہ لیا جا سکتا ہے کہ ایک بند اسلامی معیشت
اسے کس طرح منضبط کیا جا سکتا ہے۔ (۲)

ایک ، اسلامی معیشت میں افراط زر کے خلاف اندرونی مستحکم کنندگان ilt in Stabliz-
ens) موجود ہوتے ہیں جو افراط زر کے خلاف مؤثر مزاحمت پیش کر سکتے ہیں۔ دوسری طرف
اسلامی حکومت کے پاس ایسے آلات (Instruments) ہوتے ہیں جن سے معیشت کو افراط ز
محفوظ رکھا جا سکتا ہے۔

اندرونی مستحکم کنندگان میں بلا سود بینکاری، تخمین سے پاک اسٹاک ایکسچینج، تخمینی سرگر

۱۔ ایضاً ص ۹۷۔۸۸

۲۔ ایضاً ص ۹۹

امتناع زیادہ اہم ہیں۔ ایک اسلامی بینک دو طرح سے قرض دیتا ہے ایک قرض حسنہ دوم مضاربہ۔ شرعی قواعد کی رو سے یہ دونوں قرض تخمینی مقاصد کے لئے نہیں دیئے جاسکتے۔ اسی طرح سے تخمین سے پاک اسٹاک ایکسچینج اور تخمینی کاروبار پر مکمل پابندی معیشت میں تخمینی کاروبار کو مکمل طور پر ختم کر دیتی ہے۔ افراط زر کا سب سے اہم سبب ہے۔(ا۔)

افراطِ زر میں اضافے کی ایک اور وجہ کل طلب (Aggregate Demand) میں اضافہ ہوتی ہے لیکن ایک اسلامی معیشت میں صارف کا رویہ چونکہ چند مخصوص حدود کا پابند ہوتا ہے، اشتہار بازی کے ذریعے مصنوعی طلب پیدا نہیں کی جاسکتی۔ قانوناً ذخیرہ اندوزی، درمیانی واسطوں کی کثرت اجارہ داریوں کے قیام ممنوع ہوتا ہے لہذا طلب و رسد کی قوتیں کسی مصنوعی یا خارجی دباؤ سے بے اپنے افعال معمول کے انداز میں انجام دیتی رہتی ہیں جس سے افراط زر پیدا نہیں ہوتا۔ پھر آجر اور اجیر کے تعلقات چونکہ اخلاقی بنیادوں پر استوار ہوتے ہیں آجر اجیر کو مناسب اجرت ادا کرنے کا پابند ہوتا اور وسائل کی تفویض منصفانہ بنیادوں پر ہوتی ہے لہذا افراطی دباؤ خود بخود کم ہو جاتا ہے۔(۲۔)

مانع افراط زر اقدامات

ایک اسلامی ریاست افراط زر کے خاتمے کے لئے مندرجہ ذیل اقدامات اٹھاسکتی ہے۔

۱۔ قرضہ حسنہ چونکہ بغیر لاگت کا قرض ہوتا ہے لہذا افراطی اثر رکھتا ہے اس کے تناسب میں کمی کی جاسکتی ہے۔

۲۔ مضاربہ فنڈز میں منافع کی شرح کم کی جاسکتی ہے۔

ان اقدامات کے علاوہ عام مروج اقدامات بھی ایک اسلامی حکومت اٹھاسکتی ہے۔(۳۔)

۱۔ ایضاً ص ۱۰۴۔۱۰۱

۲۔ ایضاً ص ۱۱۳۔۱۰۲

۳۔ ایضاً ص ۱۱۶۔۱۱۲

اسلامی بینکوں کے ذریعے دیہی ترقی

اسلامی بینکوں کے ذریعے دیہی ترقی کی حکمت عملی کا بنیادی مفروضہ یہ ہے کہ "دیہی علاقوں میں غیر استعمال شدہ مالیاتی امکانات کا ایک بڑا ذخیرہ ہے حتیٰ کہ دیہی آبادیوں کے غریب ترین افراد بھی کچھ نہ کچھ حقیقی اثاثوں اور زری بچتوں کے حامل ہوتے ہیں لیکن قابل اعتماد مالیاتی انفراسٹراکچر کی عدم موجودگی کی وجہ سے یہ بچتیں پیداواری استعمال میں نہیں آپاتیں۔"(۱ے) اسلامی بینک درحقیقت انہی غیر استعمال شدہ وسائل کو اسلامی مالیات کاری کے طریقوں کی مدد سے استعمال میں لاکر دیہی ترقی کی بنیاد رکھ سکتے ہیں۔

اس مقصد کے لئے مختلف مقاصد مثلاً دیہی علاقوں میں صنعتوں کے قیام، زرعی درآئیدات (Agriculture Inputs) کی خریداری اور دیگر دیہی ترقی کے مقاصد کے لئے پہلے گاؤں / دیہات کی سطح پر بچت انجمنوں یا امداد باہمی کی انجمنوں کو نفع / نقصان شراکت کی بنیاد پر فنڈز جمع کرنے کے لئے تشکیل دیا جائے جنہیں لازماً قانونی تحفظ حاصل ہو۔ اسلامی بینک دیہی سرمایہ کاری ٹرسٹ (Rural In-vestment Trust) قائم کریں جو دیہی آبادی سے فنڈز جمع کریں اور اس کے بدلے سرٹیفیکیٹ جاری کریں جو بینک سے کیش کروائے جاسکیں اور بینک ان فنڈز سے حاصل شدہ رقوم کو دیہی علاقوں میں صنعتوں کی ترقی یا دیگر ترقیاتی مقاصد کے لئے استعمال کریں۔(۲ے)

زرعی درآئیدات کے لئے ٹریکٹر کے مالکین ایک مڈل مین کا کردار ادا کریں گے یہ لوگ اپنے اثاثوں کے بدلے زرعی درآئیدات بنانے والے کمپنیوں سے زرعی درآئیدات حاصل کریں گے اور چھوٹے کاشت کاروں کو فراہم کریں گے اور فصلوں کی کٹائی کے موقع پر چھوٹے کاشتکار سے ان کی قیمتوں کی وصولیابی کے ذمے دار ہوں گے۔ اسلامی بینک زرعی درآئیدات بنانے والی کمپنیوں کو ری فنانس

۱۔ M. Akram Khan, Rural Development Through Islamic Banks, P.17.

۲۔ ایضاً ص ص ۱۹۔۱۸

(Refinance) کی سہولت فراہم کرے گا۔(۱۔ب)

اس حوالے سے "بیع سلم" کے طرز پر یہ کمپنیاں کاشتکاروں سے ان کی پیداوار کی خرید کا معاہدہ بھی کر سکتی ہیں۔ اس کے علاوہ گاؤں / دیہات کی سطح پر تشکیل ہونے والی امداد باہمی کی انجمنیں طویل المعیاد ضروریات کی بنیادوں پر ان کمپنیوں سے خریداری کر سکتی ہیں اور زرعی درآمدات تیار کرنے والی کمپنیاں اس رقم کا بڑا حصہ اسلامی بینک سے ری فنانس کی شکل میں حاصل کر سکتی ہیں۔(۲۔ب)

اس کے علاوہ زکواۃ اور عشر یونٹ ٹرسٹ کی شکل میں ایک ادارہ قائم کیا جاسکتا ہے یہ ٹرسٹ زکواۃ اور عشر کمیٹیوں سے فنڈز حاصل کریں گے اور اس رقم سے دیہی علاقوں میں سرمایہ کاری کی جاسکتی ہے۔ انہی بنیادوں پر دیہی علاقوں میں تعلیم، صحت، مواصلات، غرض یہ کہ تمام شعبوں میں سرمایہ کاری کر کے دیہی علاقوں کی قسمت بدلی جاسکتی ہے۔(۳۔ب)

مولانا مودودی کے معاشی تصورات

دور حاضر میں ملتِ اسلامیہ کے فکری، مذہبی اور معاشی شعور کو بیدار کرنے میں مولانا مودودی کی خدمات کسی سے ڈھکی چھپی نہیں ہیں۔ مولانا کے افکار و خیالات ان کی مختلف تحریروں، بیانات، تقاریر وغیرہ میں ملتے ہیں۔ محمد اکرم خان نے ان کے یہ افکار جو ایک غیر مربوط شکل میں تھے انہیں ایک باقاعدہ اور منظم شکل دی تاکہ مولانا کی مجموعی فکر سامنے آسکے۔ صرف یہی نہیں کہ ان کے افکار کو مربوط شکل میں پیش کیا گیا بلکہ ان کی روشنی میں ایک تعبیراتی معاشی نظام کا خاکہ تیار کرنے کی کوشش کی۔ اس کے ساتھ ساتھ ان کے افکار و خیالات کا ایک تنقیدی جائزہ بھی لیا تاکہ علمی لحاظ سے مولانا کے کام کا صحیح مقام متعین کیا جاسکے۔(۴۔ب)

۱۔ ایضاً ص ۲۱۔۲۰
۲۔ ایضاً ص ۲۳۔۲۲
۳۔ ایضاً ص ۳۹۔۳۰
۴۔ محمد اکرم خان مولانا مودودی کے معاشی تصورات، ص ۳

آنحضرت ﷺ کی معاشی تعلیمات

اسلام کی دیگر تعلیمات کی طرح معاشی تعلیمات کی اساس بھی قرآن و حدیث ہے۔ قرآن و حدیث کی مختلف حوالوں سے تبویب مختلف مفکرین نے کی ہے تاہم محمد اکرم خان نے حدیث کے لٹریچر میں سے مختلف احادیث جن کا تعلق مختلف معاشی موضوعات مثلاً نجی ملکیت، دولت، آمدنی اور زمین وغیرہ سے ہے انہیں انہی موضوعات کے تحت ان کی تبویب کی ہے۔ جس سے معاشیات کے طالب علموں اور محققین کو ایک موضوع کے تحت احادیث ایک ہی عنوان کے تحت مل سکتی ہیں۔ اس کے علاوہ ایک موضوع کے تحت احادیث کو آگے اس کے ذیلی عنوانات کے تحت بھی تقسیم کیا گیا ہے مثلاً دولت کے عنوان کے تحت احادیث کے ذیلی عنوانات دولت کی منتقلی، دولت کا تصور، ہبہ، عطیہ وغیرہ ہیں۔ (۱۔) جس سے نہ صرف یہ کہ احادیث کی تفہیم میں آسانی ہوتی ہے بلکہ ان کی ذیلی تبویب بھی ممکن ہو جاتی ہے۔

بلا شبہ اس کام کے ذریعے اسلامی معاشیات کے دوسرے سب سے اہم ترین ماخذ تک طالب علموں اور محققین اور عام قارئین کی رسائی اور ابلاغ پہلے سے بہت آسان ہو گیا ہے۔

اسلامی معاشیات کا چیلنج

اسلامی معاشیات چونکہ اب ایک علم کی باضابطہ شاخ بن چکی ہے لہذا یہ ضروری ہے کہ اس کی ایک واضح تعریف متعین کی جائے۔ ان کے نزدیک اسلامی معاشیات محدود لیکن قانونی وسائل اور لوگوں کی مجموعی فلاح کے مابین تعلق سے عبارت ہے۔ فلاح کی چار بنیادی شرائط ہیں یعنی روحانی، معاشی، سماجی اور سیاسی شرائط۔ جہاں تک روحانی شرائط کا تعلق ہے ان میں خشوع، تقویٰ، ذکر، شکر، توبہ، اور

۱۔ M.Akram Khan, Economic Teachings of Prophet Muhammad (PBUH) PP.15-25.

تزکیہ شامل ہیں۔

معاشی شرائط میں انفاق، امتناعِ ربا، ایفائے عہد، ظلم سے اجتناب، رضائے خداوندی اور اجتناب بخل شامل ہیں۔

سماجی شرائط میں اقامت الصلوۃ، علم، جنسی پاک دامنی، شراب اور جوئے سے اجتناب، ماحول کی صفائی، غلط کاموں سے پرہیز شامل ہیں۔

سیاسی شرائط میں حکومت کا ایک موثر کردار شامل ہے۔

گویا فلاح ایک بہت جامع اصطلاح ہے جو انفرادی اور اجتماعی دونوں سطحوں پر کلی انداز میں محیط ہے۔ لہذا اسلامی معاشیات فلاح کے معاشی پہلوؤں کا مطالعہ ہے۔ (۱)

جہاں تک وسائل کا تعلق ہے اس سے مراد وسائل زمین ہیں انسان ان وسائل کا امین ہے اس بنیاد پر اسلامی معاشیات وسائل زمین کے بارے میں انسانوں کے اس طرز عمل کا مطالعہ ہے جو وہ ان وسائل کو فلاح کے حصول کے لئے استعمال کرنے کے لئے اختیار کرتے ہیں۔ (۲)

اسلامی معاشیات : چند پہلو

اسلامی معاشیات پر لکھنے والے اصحابِ فکر کو تین اقسام میں تقسیم کیا جا سکتا ہے یعنی علماء جدیدیت پسند اور مغربی تعلیم یافتہ ماہرین معاشیات۔ ان میں سے اول الذکر نے اس موضوع کے لحاظ سے ایک قدامت پسندانہ نقطہ نظر اختیار کیا۔ جدیدیت پسندوں نے بنیادی اسلامی تعلیمات کی تعمیر نو کرنے کی کوشش کی اور عصر حاضر کے مسائل سے ان کی تطبیق کرنے کی کوشش کی تاہم ایک عام آدمی کے اعتقادات وخیالات پر علماء کی گرفت سخت ہونے کی وجہ سے جدیدیت پسندانہ نقطہ نگاہ زیادہ مقبول

۱۔ M.Akram Khan, Challange of Islamic Economics PP 2-12

۲۔ ایضاً ص ۱۳

ہو سکا۔ جدید مغربی فکر کے حامل معاشی ماہرین نے اس حوالے سے قابل قدر کام کیا اور مختلف ماڈلز ترتیب دیئے ہیں تاہم ان کی پہنچ بنیادی ذرائع تک نہیں ہے اس کمی کے پوری ہونے سے مزید بہتر نتائج حاصل ہو سکتے ہیں۔(۱ے)

جہاں تک طریقہ کار (Methodology) کا تعلق ہے علماء کا انحصار بیشتر حوالوں سے شریعت پر رہا ہے جب کہ آخری الذکر دونوں کا بنیادی طور پر تصوراتی (Conceptual) رہا ہے نظریاتی (Thoretical) نہیں۔ تصوراتی ان معنوں میں کہ انہوں نے بنیادی اسلامی معاشی اصولوں کا تجزیہ کیا ہے نظریاتی ان معنوں میں نہیں کہ وہ دونوں عملی زندگی کے حقائق زیر بحث نہیں لائے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اسلامی معاشیات کے لٹریچر کا بیشتر حصہ ایک آئیڈیل اسلامی معاشرہ سے بحث کرتا ہے بر سر زمین حقائق سے اس کا تعلق بہت کم ہے۔ اس پس منظر میں ہم دیکھتے ہیں کہ اس حوالے سے حقیقی زندگی کے اعداد و شمار بہت کم ہیں اور انہیں زیر بحث بھی نہیں لایا جاتا۔(۲ے) اس حوالے سے متعدد مثالیں موجود ہیں مثلاً :۔

۱۔ حرمتِ ربا پر بہت زور دیا جاتا ہے تاہم اسے صرف بینک کے سود تک محدود کر دیا گیا ہے اور عام زندگی میں کئی مظاہر ایسے ہیں جہاں ربا مستور شکل میں موجود ہے ان پر نظر تک نہیں ڈالی جاتی۔ اسی حوالے سے یہ دعویٰ کیا جاتا ہے کہ ربا بیروزگاری، افراط زر، تجارتی چکر اور ارتکازِ دولت کی برائیاں پیدا کرتا ہے تاہم اس دعوے کے اثبات کے لئے کوئی عملی زندگی کے اعداد و شمار موجود نہیں۔(۳ے)

۲۔ بلا سود بینکاری کے تمام ماڈلز ماسوا چند مستثنیات کے ایک آئیڈیل مسلم معاشرے کے لحاظ سے

۱۔ ایضاً ص ۴۳

۲۔ ایضاً ص ۴۷۔۴۴

۳۔ ایضاً ص ۴۹۔۴۸

ترتیب دیئے گئے ہیں یہی وجہ ہے کہ وہ عملی زندگی میں دیگر عام بینکوں سے مقابلے میں دشواری کا سامنا کرتے ہیں۔ شرکت کا نظام بلا سود بینکاری کی اساس ہے تاہم یہ نظام متعدد حوالوں سے عملی طور پر کارآمد نہیں مثلاً انفراسٹرکچر کی تعمیر میں مالیات کاری، قلیل مدتی قرضے، چھوٹے کاروبار کے لئے مالیات کاری وغیرہ وغیرہ۔

۳۔ نظامِ زکواۃ کے متعلق اسلامی معاشی ماہرین کے دعوے اپنی جگہ تاہم ان میں رومانیت کا پہلو زیادہ ہے مثلاً زکواۃ کے بارے میں سب سے اہم دعویٰ یہ کیا جاتا ہے کہ اس سے تقسیمِ دولت میں مساوات لانے میں مدد ملتی ہے لیکن ہمیں یہ نہیں معلوم کہ (الف) اس وقت مسلم ممالک میں تقسیمِ دولت کی سطح کیا ہے؟۔ (ب) کتنے مسلمان زکواۃ ادا کرتے ہیں اور کس مقدار میں؟ (ج) زکواۃ کا اثر تقسیمِ دولت پر کیا ہوگا؟ (د) غربت کی حد کیا ہے اور زکواۃ کس حد تک اسے کم کر سکتی ہے؟ اور اس طرح اس سے متعلق کئی عوامل پر ہماری معلومات صفر ہیں۔ (۲۔)

یہی صورت حال دیگر معاملات مثلاً محنت، صرف، قانونِ وراثت، معاشی ترقی وغیرہ کے حوالے سے بھی ہے۔ (۳۔)

پاکستان میں اسلامی بینکاری: مستقبل کی راہ

اس مطالعے میں پاکستان میں مالیاتی اداروں کو اسلامی خطوط پر ڈھالنے کے عمل کا ارتقائی جائزہ لیا گیا ہے۔ اس کے علاوہ پورے مالیاتی ڈھانچے کو نفع / نقصان بنیاد پر ڈھالنے کے لئے تجاویز پیش کی گئی ہیں۔ اس حوالے سے بینکوں اور مالیاتی اداروں کو ایک نیا کردار تفویض کرنے کی تجویز پیش کی گئی ہے۔ اس حوالے سے عام بچت کنندگان جو اپنی بچتوں پر منافع کمانا چاہتے ہیں انہیں بھی نقصان کا خطرہ مول لینا

۱۔ ایضاً ص ۵۱۔۴۹

۲۔ ایضاً ص ۵۲

۳۔ ایضاً ص ۵۹۔۵۳

ہو گا اس حوالے سے متعدد مالیاتی آلات (Financia Instruments) تجویز کئے گئے ہیں۔(۱۔ب) اسی طرح ایسے نئے ادارے قائم کرنے کی ضرورت ہے جو اس نئے نظام کو مدد فراہم کر سکیں اور صرف نئے اداروں کا قیام ہی کافی نہیں بلکہ اقتصادی پالیسیوں میں بھی ایسی ہیئتی تبدیلیوں کی ضرورت ہے جن کی مدد سے معیشت سے سود کا خاتمہ کیا جا سکے۔

ماضی میں اب تک اس حوالے سے جو کام کئے گئے ہیں وہ زیادہ مؤثر ثابت نہیں ہوئے ہیں اس کی بنیادی وجوہ میں سیاسی ارادے کی کمی، اسلامی بینکاری کی استعداد کے بارے میں معلومات کی کمی اور بینکاری کے شعبے کی ناتجربہ کاری وغیرہ شامل ہیں۔(۲۔ب) تاہم اس میں ناامیدی کا کوئی پہلو نہیں ہے مالیاتی ڈھانچے کی تنظیم نو کا کام کوئی آسان کام نہیں۔ موجودہ بینکاری نظام سرمایہ دارانہ نظام کے تحت صدیوں کا پروردہ ہے معاشرے کے سماجی اور ثقافتی پس منظر میں اس کی جڑیں بہت گہری ہیں لہذا موجودہ نظام کی ہئیت نو کوئی آسان کام نہیں۔ لہذا اس حوالے سے صبر اور استقلال کے ساتھ جدوجہد کی ضرورت ہے۔ یہ مطالعہ اسی حوالے سے ایک کوشش ہے کہ ماضی کی غلطیوں سے سبق سیکھ کر ایک بہتر مستقبل کی تعمیر کی جا سکے۔(۳۔ب)

اسلامی معاشیات کا ایک تعارف

اسلامی نقطۂ نگاہ سے خدا نے یہ کائنات تمام انسانوں کی منفعت کے لئے تخلیق کی ہے اسلام سرمایہ داری کے برخلاف انسانی شخصیت کے خود غرضی کے پہلو پر زور دینے کی بجائے اس کی شخصیت کے مثبت پہلو کو ابھارتا ہے اور انسانوں کو ایک دوسرے کے کام آنے کی ترغیب دیتا ہے۔ اس کے ساتھ

۱۔ M.Akram Khan, Islamic Banki ng in Pakistan: The Future path PP 42-56

۲۔ ایضاً ص ۶۰۔۵۹

۳۔ ایضاً ص ۷۳

مادی ترقی کو بھی اہمیت دیتا ہے تاہم اصل حقیقت انسانی شخصیت کے روحانی پہلو کی ترقی کی ہے جس پر اسلام بہت زور دیتا ہے۔(۱ے)

اسلامی تصور کے تحت نجی ملکیت کا حق مشروط ہے۔ شریعت کی متعینہ حدود میں انسان اس حق سے مستفید ہو سکتا ہے اسلام طلب ورسد کی بنیاد پر مارکیٹ یا میکانیت کا قائل ہے تاہم یہ میکانیت کچھ حدود کی پابند ہے مثلاً امتناعِ سود وغیرہ۔ اسلامی نقطۂ نگاہ سے ٹیکنالوجی کا تعارف مرحلہ وار اور باضابطہ ہونا چاہیے۔ مارکیٹ کی میکانیت کی متعدد خرابیاں مثلاً ذخیرہ اندوزی، چور بازاری، درمیانی کاراندازوں کی کثرت وغیرہ اسلامی نقطۂ نگاہ سے ممنوع ہے۔ اشتہار بازی کے ذریعے مصنوعی طلب پیدا نہیں کی جاسکتی۔ نظام زکواۃ کے ذریعے دولت کی تقسیم کو منصفانہ رکھا جاتا ہے۔.(۲ے)

اسلامی نقطۂ نگاہ سے زر کو بطور شے (Commodity) تسلیم نہیں کیا جاتا لہذا اسے ادھار پر خرید ا یا بیچا نہیں جاسکتا۔ اسلامی نقطۂ نگاہ سے بینکاری نظام نفع / نقصان میں شرکت کی بنیاد پر استوار ہے۔(۳ے)

اسلامی نقطۂ نگاہ سے وسائل کے انسب استعمال اور عام زندگی میں سادگی پر زور دیا جاتا ہے جس سے وسائل کا زیاں نہیں ہوتا اسلامی اخلاقی اقدار سے اس نظام کو مدد ملتی ہے۔ اسلامی نقطۂ نگاہ سے غربت کے خاتمے کے لئے جو اقدامات تجویز کئے جاتے ہیں ان سے بڑی حد تک غربت کا خاتمہ ممکن ہے ان میں سرفہرست نظامِ زکواۃ ہے مالیاتی انتظام کاری میں بھی زکواۃ کو نمایاں اہمیت حاصل ہے۔(۴ے)

متذکرہ بالا بنیادوں پر یہ کہا جاسکتا ہے کہ اسلامی معاشی نظام کسی بھی دیگر معاشی نظام سے کہیں زیادہ بہتر ہے۔

۱۔ M. Akram Khan An Introduction to Islamic Economics PP 3-5

۲۔ ایضاً ص ۲۴۔۹

۳۔ ایضاً ص ۷۹

۴۔ ایضاً ص ۱۰۴۔۱۰۱

معاشیاتِ قرآن : سورۃ المائدہ اور سورۃ النحل کا مطالعہ

سورۃ المائدہ میں منجملہ دیگر امور کے فساد کے خاتمے، پر بھی زور دیا گیا ہے قرآن مجید میں فساد کے جن معاشی پہلوؤں کی جانب اشارہ کیا گیا ہے وہ مندرجہ ذیل ہیں۔

۱۔ ناپ تول میں کمی

۲۔ وعدہ خلافی

۳۔ امن وامان تباہ کرنا

۴۔ زراعت کی تباہی

۵۔ غیر ضروری عالیشان عمارتوں کی تعمیر

۶۔ چوری

۷۔ پر تعیش زندگی

۸۔ دولت کی غیر منصفانہ تقسیم

۹۔ ماحولیاتی آلودگی

۱۰۔ ربا

۱۱۔ اشیاء کے معیار کی بابت دھوکہ دہی۔

قرآن مجید نے زمین سے فساد کے خاتمے پر زور دیا ہے تاکہ لوگوں کی معاشی خوشحالی زیادہ سے زیادہ حد تک ممکن ہو سکے۔(۱ے)

قرآنی نقطۂ نگاہ سے معاشی خوشحالی اور شکر کا آپس میں تعلق ہے اور اسی طرح تکلیف اور خوف کفر کے ساتھ تعلق ہے۔اگر لوگ شکر ادا کریں گے تو اللہ کے فضل میں اور اضافہ ہو جائے گا شکر سے

۱۔ M. Akram Khan Economics of the Quran PP 15-18

مراد اللہ کے فضل کا ادراک اور زبان اور عمل سے احسان مندی کا اظہار ہے۔ بالفاظِ دیگر قرآن مجید معاشرے کی معاشی فلاح کو وسائل کے انسب استعمال، فساد کے خاتمے اور شکر کے طرزِ عمل سے منسلک کرتا ہے۔(۱؎)

ایک اسلامی معاشرے کا بنیادی منتہا و مقصود وسائل کی مدد سے معاشرے کے تمام لوگوں کو بنیادی ضروریات و سہولیات کی فراہمی ہوتا ہے۔ اس مقصد کے لئے وسائل کی تفویضِ نو کی ضرورت ہوتی ہے اور ان سورتوں میں مختلف مقامات پر اسلامی ریاست کے لئے مختلف ترجیحات بیان کی گئی ہیں اس ضمن میں سب سے اہم ترین زکواۃ کا کردار ہے۔(۲؎)

یہ سورتیں ان متعدد اخلاقی اصولوں کی جانب بھی رہنمائی کرتی ہیں جو فرد اور ریاست کے معاشی طرز عمل میں بنیادی نوعیت کی حامل ہوتی ہیں جن میں عدل اور احسان سب سے اہم ہیں۔ اس کے علاوہ ان سورتوں میں معاہدہ کی صحیح تکمیل، وعدہ پورا کر اور اشیاء کے معیار کی بر قراری سے متعلق بھی ہدایات دی گئی ہیں۔(۳؎)

مندرجہ بالا کتب کے علاوہ محمد اکرم خان مختلف تحقیقاتی مقالوں میں اسلامی معیشت سے متعلق موضوعات کو بھی زیر بحث لائے ہیں مثلاً :۔

ا۔ اسلامی معاشیات کے حوالے سے ایک منظم سائنسی انداز میں تحقیق کے لئے ایک منصوبہ کا خاکہ تاکہ درج ذیل شعبوں میں مزید تحقیق کی جاسکے۔

(i) معیشت کے فرائض (ii) نظریۂ نمو (iii) سماجی اور اقتصادی اداروں کی ترقی کا نظریہ۔(۴؎)

۱۔ ایضاً ص ص ۱۸۔۱۵

۲۔ ایضاً ص ص ۲۱۔۱۹

۳۔ ایضاً ص ص ۲۸۔۲۵

۴۔ M. Akram Khan, Islamic Economics: An Outline Plan for Research Criterion Karachi (10:4) April 1979, PP. 27-35.

۲۔ اسلام کا نظریہ روزگار جس کے تحت انہوں نے ثابت کیا ہے کہ اگر کینز کا ماڈل اسلامی معیشت پر منطبق کیا جائے تو ایک اسلامی معیشت میں سود کی عدم موجودگی کی وجہ سے سرمایہ دارانہ معیشت کے مقابلے میں روزگار کے مواقع زیادہ ہوں گے۔(۱-ب)

۳۔ اسلامی معیشت کی نوعیت اور وسعت پر بحث کرتے ہوئے یہ ثابت کیا ہے کہ ایک اسلامی معیشت محدود لیکن قانونی وسائل اور لوگوں کی مجموعی فلاح کے حصول کے مابین تعلق سے عبارت ہوتی ہے۔(۲-ب)

۴۔ اسلامی معاشیات اور سرمایہ دارانہ معیشت کا موازنہ چند غیر روایتی مفروضات کی بنیاد پر کیا ہے مثلاً پیداواری شعبے کی تنظیم، مضاربہ اور شرکت کی بنیاد پر اور اجرتی محنت (Wage La-bour) کی عدم موجودگی وغیرہ اور اس حوالے سے معیشت کی میکانیت پر بحث کی ہے۔(۳-ب)

۵۔ معاشی ترقی کے حوالے سے اسلام کا زور نمو پر نہیں بلکہ زیادہ سے زیادہ منصفانہ تقسیم پر ہوتا ہے اس مقصد کے لئے حرمتِ ربا، انفاق، زکوٰۃ، کفارہ اور نظامِ وراثت اہم ہیں۔(۴-ب)

۶۔ اسٹیٹ پروویڈنٹ فنڈ سے سود کے خاتمے کے لئے تجاویز پیش کیں ہیں۔(۵-ب)

۷۔ جزیہ اور خراج کی نوعیت پر بحث کی ہے اور اس حوالے سے بعض غلط تصورات کی تصیح کی ہے۔(۶-ب)

۱۔ M. Akram Khan, The Theory of Employment in Islam, Islamic Literature Lahore (14:4) April 1968 PP 5-16

۲۔ M. Akram Khan, The Economics of Falah, Criterion Karachi (11:3) March 1976 PP. 13-20.

۳۔ M. Akram Khan, Basic Model of the Islamic economy Humanomics cape Breton (2:3) December 1986 PP 80-9

۴۔ M. Akram Khan, Economics Growth & Development in Islam, The Search (6) Winter 1985 PP 142-66

۵۔ M. Akram Khan, Elimination of Interest from State Provident Funds, Islamic Studies Islamabad (24:2) summer 1985 PP 181-91

۶۔ M. Akram Khan, Jizzah & Kharaj Journal of the Pakistan Historical society Karachi (4:1) January 1956 PP 27-35

۸۔ مسلم ممالک سے غربت کے خاتمے کے لئے ایک ماڈل ترتیب دیا ہے۔(۱ے)

۹۔ سود اور ربا میں کوئی فرق نہیں ہے صنعت، تجارت، گھروں کی تعمیر اور رواں سرمایے کے لئے سود سے پاک مالیات کی تجاویز پیش کی ہیں۔(۲ے)

۱۰۔ سود کے معیشت میں منفی کردار پر بحث کی ہے۔(۳ے)

۱۱۔ بلاسود بینکاری پر اعتراضات پر مشتمل لٹریچر کا سروے کیا ہے اور ان اعتراضات کی روشنی میں جو اس پر کئے جاتے ہیں مزید تحقیق کی ضرورت پر زور دیا ہے۔(۴ے)

۱۲۔ ایک جدید مسلم ریاست میں زکواۃ کی وصولیابی اور تنظیم کا ماڈل ترتیب دیا ہے۔(۵ے)

۱۳۔ نظامِ زکواۃ کے موجودہ تنظیمی ڈھانچے پر تفصیلی بحث کی ہے اور اصلاح کے لئے تجاویز پیش کی ہیں۔(۶ے)

۱۴۔ ایک ایسی صورت حال میں جب محاسبی نقطۂ نگاہ سے منافع کی کوئی جامع تعریف ممکن نہیں ہو سکی ہے اس کے معنی مختلف افراد کے لئے مختلف ہیں اس صورت میں نفع / نقصان کھاتے میں نفع کا تعین ایک مشکل امر ہو گا لہذا اس حوالے سے محاسبی کے بین الاقوامی معیارات اختیار کئے

۱۔ M. Akram Khan, Elimination of Poverty in the Islamic Economic Framwork Islamic Studies Islamabad 29 (2) Summer 1990 PP 143-162

۲۔ محمد اکرم خان مسئلہ سود اور غیر سودی مالیات، حکمت قرآن لاہور ا (8-7) جولائی ۱۹۹۲ص ص ۵۸۔۱۹

۳۔ M. Akram Khan, Is Commercial Interest Riba? A Professional Revist to Current Debate Pakistan Banker Lahore 6 (1-2) Jan- Dec 1996 PP 71-79

۴۔ M. Akram Khan, A Survey of Critical Literature on Interest Free Banking, Journal of Islamic Banking & Finance Karachi 6 (1) Jan 1989 PP 45-61

۵۔ M. Akram Khan, Organising Zakah Lahore, All Pakistan Islamic Education Congress 1990 PP 38

۶۔ M. Akram Khan, An Evalution of Zakah Control System in Pakistan Islamic Studies Islambad, 32 (4) Winter 1993 PP 413-432

جانے چاہیں۔(۱-)

محمد عبدالمنان

دور جدید میں اسلامی معاشیات کے موضوع پر لکھنے والوں میں ایک اور معتبر نام محمد عبدالمنان کا ہے۔ان کی فکر میں گیرائی، وسعت اور تنوع تینوں یکجا ہیں۔ ان کے افکار وخیالات کا تجزیہ مندرجہ ذیل ہے۔

اسلامی معاشیات نظریہ اور عمل

ایم اے منان کے نزدیک اسلامی معاشیات ایک سماجی سائنس ہے جو ان لوگوں کے معاشی مسائل کا مطالعہ کرتی ہے جو اسلامی اقدار میں رنگے ہوئے ہوں۔(۲-) جہاں تک وسائل کی قلت کے مسئلے کا تعلق ہے اسلامی معاشیات اور عام معاشیات میں کوئی فرق نہیں تاہم نظام انتخاب کے حوالے سے اسلام کا انداز الگ ہے۔ایک عام معیشت میں معاشرہ جس انداز میں انتخاب کرتا ہے وسائل خود بخود ادھر منتقل ہو جاتے ہیں لیکن ایک اسلامی معاشرہ میں فرد چونکہ کچھ پابندیوں کے تحت ہوتا ہے لہذا یہاں انتخاب، اخلاقی اقدار کے تحت ہی ممکن ہے۔(۳-)

اس پہلو کے علاوہ اسلامی معاشیات، جدید معاشیات، کے صرف اور پیداوار کے حوالوں سے بھی جدا ہے ایک اسلامی معیشت میں صرف کا عمل کچھ حدود وقیود کا پابند ہوتا ہے مثلاً ذریعۂ رزق حلال ہونا

۱۔ M. Akram Khan, Contemporary Accounting Practices & Islamic Banking Review of Islamic Economic Leicester 3 (1) 1994 PP 51-61

۲۔ M.A Mannan, Islamic Economics Theory & practice P-3

۳۔ ایضاً ص ۵

چاہیے، صرف کا عمل اعتدال کے ساتھ ہونا چاہیے، صرف میں ظلم کا پہلو نہ ہو اور اس کا مقصد محض کام و دھن کی تسکین ہی نہ ہو بلکہ اخلاقی و روحانی اقدار کا فروغ بھی ہو۔ (۱)

جہاں تک ایک اسلامی ریاست کے پیداواری نظام کا تعلق ہے اس کا انحصار داخلی اور خارجی معیارات پر ہوتا ہے داخلی معیار مادی فلاح ہے جب کہ خارجی معیار کی پیمائش اسلام کے معاشی اخلاقی اصولوں کی روشنی میں کی جائے گی۔

عاملین پیدائش

عاملین پیدائش میں جہاں تک زمین کا تعلق ہے اس کی ملکیت سے متعلق قرآن کا قانون غیر مبہم انداز میں کسان کی ملکیت کے حق میں ہے اس کی ملکیت میں تمام لوگ شریک ہیں۔ (۲) لہذا زمین کی ایسی تقسیم جو جاگیرداری پر منتج ہو صحیح نہیں کسان کی ملکیت کا مطلب زمین کی مساوی تقسیم نہیں استعداد کا فرق بہر حال اپنی جگہ ہے جسے اسلام قبول کرتا ہے۔ لہذا اس کی تقسیم بہ لحاظِ استعداد ہو سکتی ہے تاہم زمین کو طے شدہ رقم پر نہیں دیا جا سکتا۔ (۳)

دوسرے عاملِ پیدائش یعنی محنت کے حوالے سے جہاں تک خاندانی منصوبہ بندی کا تعلق ہے خاندانی منصوبہ بندی کے حق میں دیئے جانے والے دلائل مخالفت میں دیئے جانے والے دلائل سے زیادہ طاقت ور ہیں۔ (۴) اسلام آجر اور اجیر کے مابین اخلاقی بنیادوں پر ہم آہنگی پیدا کرتا ہے جہاں تک سود اور ربا کا تعلق ہے دونوں میں کوئی فرق نہیں ہے۔ (۵)

۱۔ ایضاً ص ۸۰
۲۔ ایضاً ص ۱۰۳
۳۔ ایضاً ص ۱۳۶
۴۔ ایضاً ص ۱۳۷
۵۔ ایضاً ص ۱۸۷

مالیات عامہ

حکومت کی مالیات میں زکواۃ کو اہم مقام حاصل ہے اور نظام زکواۃ اگر صحیح خطوط پر استوار ہو تو بہت سے معاشی مسائل حل کر سکتا ہے۔ ان کے خیال میں وہ اشیاء جن پر ابتدائی عہد میں زکواۃ عائد کی گئی تھی اس میں اضافے کی گنجائش ہے یہ فیصلہ کیا جانا چاہئے کہ مختلف اشیاء مثلاً صنعتی مشینری، بنک نوٹ، حصص اور اسٹاکس وغیرہ پر زکواۃ عائد ہو سکتی ہے یا نہیں۔ قرآن مجید کی جانب سے زکواۃ کی شرح پر خاموشی اسلامی نظام مالیات اور محاصل کو کافی لچک فراہم کرتی ہے دوسری طرف اجتہاد کا دروازہ بند نہ ہونے کی وجہ سے یہ ممکن ہے کہ مداتِ محاصل اور شرحِ محاصل میں تبدیلی کی جا سکے۔ (۱)

منصوبہ بندی

اسلام میں منصوبہ بندی کا تصور ترغیبی اور ہدایتی منصوبہ بندی (Planning by Indusce-ment & Direction) کے بین بین ہے۔ قرآن و حدیث سے اس امر کی تصدیق ہوتی ہے مقاصد سے قطع نظر سرکاری اور نجی شعبے کا تعاون اسلام میں منصوبہ بندی کی بنیاد ہے۔ (۲)

حکومت کی معیشت میں مداخلت

بنیادی ضروریات کی اشیاء کی قیمتوں کو مناسب سطح پر رکھنے کے لئے حکومت زرعی اشیاء کی امدادی قیمتیں متعین کر سکتی ہے جب کہ ہنگامی صورت میں راشن بندی بھی کر سکتی ہے۔ طویل مدتی منصوبہ بندی میں اعلیٰ اختیاراتی فیئر پرائس اتھارٹی کا قیام اور کاشتکاروں کی تعاونی انجمنوں کا قیام شامل ہے جو اسلامی قواعد و ضوابط کی حدود میں قائم کئے جائیں۔ (۳)

۱۔ ایضاً ص ۳۲۱

۲۔ ایضاً ص ۳۴۹

۳۔ ایضاً ص ۳۵۵

انشورنس

انشورنس کا انحصار چونکہ باہمی تعاون پر ہوتا ہے اور یہ بیمہ شدہ افراد کو خود بھی اور ان کے منحصرین کو بھی غربت سے محفوظ رکھتی ہے لہذا یہ جائز ہے۔ اسلام کسی ایسی چیز سے منع نہیں کرتا جس کے تحت کوئی سرپرست اپنے منحصرین کو تحفظ فراہم کرتا ہو۔ در حقیقت بیمہ کے ذریعے پورا معاشرہ منفعت حاصل کرتا ہے کیونکہ یہ کیپٹل ریزو (Capital Reserve) کی فراہمی کا ذریعہ ہے۔ (۱)

ایک اسلامی معیشت میں معاشی ترقی کی حکمت عملی

اسلامی معاشی ترقیاتی حکمت عملی کے دو بنیادی مفروضے ہیں اول یہ کہ کثیر الجہتی معاشی ترقی کے اسلامی تصور میں مادی ترقی کے ساتھ اخلاقی و روحانی ترقی بھی ہوتی ہے جسے تزکیۃ النفس کہا جاتا ہے۔ (۲) دوم افراد کے لئے سعی وجد و جہد لازم ہے جو مادی فلاح کے ساتھ ساتھ روحانی فلاح کے لئے بھی ہونی چاہیے۔ اسلامی فریم ورک میں ترقی کے لئے (۹) متبادل حکمت عملیات ہمارے پاس ہیں انہیں صرف زیرِ بحث الگ الگ لایا جا رہا ہے تاہم وہ الگ الگ نہیں ہیں یہ حکمت عملیاں درج ذیل ہیں۔ (۳)

۱۔ انسانی ترقی کی حکمت عملی

ترقی کا قرآنی ماڈل انسان کی ہمہ جہتی ترقی کا متقاضی ہے ایک ایسی متوازن ترقی جو مادی ہونے کے ساتھ ساتھ اخلاقی اور روحانی بھی ہو۔

۱۔ ایضاً ص ۳۶۰

۲۔ A Mannan, M Ahmed Economic Development in an Islamic frame work. P-267

۳۔ ایضاً ص ۲۶۸

۲۔ مؤثر ضرورت کی حکمت عملی

اس حکمت عملی کے تحت سماجی لاگت سے قطع نظر آبادی کے کم آمدنی والے طبقات کی آمدنی میں اضافہ اور انہیں بنیادی ضروریات کی فراہمی شامل ہے۔ جب، کہ مسرفانہ انداز پر پابندی اور غیر ضروری اشیاء کی پیداوار کی تحدید اسکا دوسرا لازمی جزو ہے۔ اسے مؤثر ضرورت (Effective Need) کے تصور کا نام دیا گیا ہے جو مؤثر طلب (Effective Demand) سے جدا ہے۔ مؤثر ضرورت کی فہرست میں شامل ضروریات لازمی طور پر اسلامی طرز حیات پر مبنی ہوں گی اور یہ صرف اور پیداوار دونوں پہلوؤں پر محیط ہے۔

۳۔ دیہی ترقی کی حکمتِ عملی

اسلام چونکہ آمدنی و دولت کی منصفانہ تقسیم چاہتا ہے لہذا اس بنیاد پر دیہی علاقوں کو جو بیشتر انتہائی غریب ہیں وسائل کی تفویضِ نو کے ذریعے ترقی دی جانی چاہئے۔

۴۔ سماجی طور پر مناسب ٹیکنالوجی اختیار کرنے کی حکمتِ عملی

ٹیکنالوجی کا انتہائی گہرا تعلق سماجی، ثقافتی اور معاشی نظاموں سے ہوتا ہے لہذا ایسی ٹیکنالوجی استعمال کرنے کی ضرورت ہے جو معاشرہ کی ضروریات کے مطابق ہو۔

۵۔ انسانی ترقی کی حکمتِ عملی

انسانی ترقی، اسلامی معاشی ترقی کا ایک اہم جزو ہے جس کے بنیادی اجزاء میں خواتین کی تعلیم اور کارکردگی میں اضافہ، تعلیمی وسائل کی تفویضِ نو اور غیر روایتی طریقۂ تعلیم کا فروغ شامل ہے۔

۶۔ جماعتی / گروہی طرزِ عمل کی حکمتِ عملی

اسلام فرد اور جماعت کو یکساں اہمیت دیتا ہے لہٰذا ایک ایسی حکمتِ عملی کی ضرورت ہے جو ایک متوازن انداز کی حامل ہو اس مقصد کے لئے یہ ضروری ہے کہ ہر مسلم ملک میں خطِ غربت کی تعریف وضع کی جائے اور اشیاء و خدمات کی اس کم سے کم مقدار کا تعین کیا جائے جن کا معاشرہ کے ہر فرد کے پاس ہونا لازمی ہے۔

۷۔ تعاونی حکمتِ عملی

تعاونی حکمت عملی سے مراد مسلم ممالک کا باہمی تعاون ہے تاکہ ایک اسلامی مشترکہ مارکیٹ تشکیل پاسکے۔

۸۔ نسلوں کے مابین احسان و عنایت کی حکمتِ عملی

اس حکمت عملی کے تحت ہر نسل پر یہ ذمے داری عائد ہوتی ہے کہ وہ اپنے بعد آنے والی نسل کو ہر لحاظ سے اپنے سے بہتر حالت میں چھوڑنے کی کوشش کرے۔

۹۔ ماحولیاتی توازن کی حکمتِ عملی

اگر چہ ماحولیات کا شعور گذشتہ ایک دو دہائیوں میں پیدا ہوا ہے لیکن ہم سے اکثر یہ علم نہیں رکھتے کہ ماحولیاتی توازن کو اسلامی معاشی ترقیاتی حکمت عملی میں ایک اہم مقام حاصل ہے یہ آدمی اور فطرت میں توازن کے قیام کے لئے لازمی ہے۔(۱؎)

۱۔ ایضاً ص ۲۶۷۔۲۶۹

اسلامی معاشیات کی حدود کچھ فلفسیانہ دلائل

ایک اسلامی ریاست میں فرد اپنے خاندان، برادری، اپنی ریاست اور بین الاقوامی برادری کا ناگزیر حصہ ہوتا ہے اور ان تمام حوالوں سے اس پر کچھ معاشی اور سماجی ذمے داریاں عائد ہوتی ہیں۔ ایک اسلامی ریاست میں سماجی انضباط انفرادی آزادی کی ضمانت ہوتا ہے کیونکہ اس کی مدد سے وہ شرعی ذمے داریاں ادا کرنے کے قابل ہوتا ہے لہذا آزادی اور انضباط باہم تکمیلی ہیں۔ (۱)

کارکردگی اور معدلت (Equity) کے حوالے سے اسلام اعتدال اور دولت کی منصفانہ تقسیم پر بہت زور دیتا ہے اور بنیادی معاشی فیصلے دولت کی منصفانہ تقسیم کے حوالے سے ہی کئے جاتے ہیں۔ تاہم معیشت کی ترقی کے ابتدائی مرحلے پر کارکردگی کی اہمیت زیادہ ہوتی ہے اور جوں جوں معیشت ترقی کرتی ہے دولت کی منصفانہ تقسیم کا سوال بتدریج اہمیت اختیار کر لیتا ہے۔ (۲)

اسلامی معاشیات کے جداگانہ مطالعے کی اہمیت

خالص سائنسی اور تحقیقاتی انداز میں اسلامی معاشیات ایک علیحدہ نظریہ اور نظامِ فکر و عمل ہے۔ اس کے الگ مطالعے کی اہمیت مندرجہ ذیل حوالوں سے ہے۔

ا۔ نظریاتی اہمیت

اسلام ایک مکمل اور جامع نظریۂ حیات ہے جس کے اپنے اصول و قواعد، ادارے، روایات اور حدود ہیں۔ اسلامی معاشیات انہی منابع سے ماخوذ علم کی ایک مکمل اور الگ شاخ ہے اور اسلام کو مکمل طور پر سمجھنے کے لئے اس کا مطالعہ ناگزیر ہے۔

۱۔ M.A Mannan The Frontiers of Islamic Economics P-7

۲۔ ایضاً ص ۱۱

۲۔ معاشی و ثقافتی اہمیت

مسلم ممالک اپنے الگ مخصوص تہذیبی، ثقافتی اور تاریخی پس منظر میں ان کے مسائل کا حل مغربی تناظر میں ممکن نہیں لہذا ان مسائل کو قرآن و سنت میں متعین کردہ اصولوں سے سمجھنا ضروری ہے جو اسلامی معاشیات کے بغیر ممکن نہیں۔

۳۔ اخلاقی و روحانی اہمیت

اسلامی معاشی تجزیے کا آغاز جملہ وسائل زمین پر اللہ کی حاکمیت اور تمام نوع انسانی کے ان پر مشترکہ حق سے ہوتا ہے لہذا ان کی تقسیم بھی منصفانہ اور اسلامی اصولوں کے مطابق ہونی چاہیے جو صرف اسلامی معاشیات کے حوالے سے ممکن ہے۔

۴۔ سیاسی و تاریخی اہمیت

مسلم ممالک کی سیاسی آزادی ان کی معاشی آزادی کے بغیر بے معنی ہے اور معاشی آزادی مسلم ممالک کے سیاسی اتحاد سے ممکن ہے۔ سیاسی اتحاد معاشی اتحاد سے مشروط ہوتا ہے۔ صرف اسلامی معاشی نظام ہی ان کو مربوط و یکساں حکمت عملی دے سکتا ہے جب کہ خصوصاً ان کا تاریخی پس منظر بھی بہت حد تک یکساں ہے۔

۵۔ بین الاقوامی اہمیت

ایسے حالات میں جب کہ اسلامی معاشیات میں بین الاقوامی توجہ بڑھ رہی ہے اور مغربی نظریات مسائل کا مؤثر حل پیش نہیں کر پا رہے ہیں اسلامی معاشیات کی اہمیت بڑھ رہی ہے۔ (۱)

۱۔ M.A Mannan, The Making of Islamic Society PP 5-19

اسلامی معاشیات کے نو(۹)بنیادی مفروضات:۔

اسلامی معاشیات کاماڈل مندرجہ ذیل نو(۹) مفروضات پر مبنی ہے۔

۱۔ اسلامی معاشی نقطۂ نگاہ سے ایک اسلامی شخص(Islamic Men) معاشیات و اخلاقیات کا مجموعہ ہے جو مغربی معاشی آدمی(Economic Men) کے بر خلاف ہے جو محض خود غرض، مقابلہ پرآمادہ اور انتہائی منافع کا خواہش مند ہوتا ہے۔

۲۔ اسلامی نقطۂ نگاہ سے زمین کے جملہ وسائل اللہ کے ہیں جو بطور امانت انسان کو دیئے گئے ہیں لہٰذ ان کا استعمال بنی نوع انسان کے لئے ہونا چاہئے۔

۳۔ اسلامی نقطۂ نگاہ سے نجی ملکیت کی اجازت ہے تاہم یہ ملکیت نسبتی ہے مطلق نہیں۔اس حوالے سے اسلامی شریعت نے واضح اصول متعین کر دیئے ہیں اور ملکیت کا تصور انہی اصولوں کا تابع ہے۔

۴۔ اسلام میں تاریخی مادیت کی کوئی جگہ نہیں اسلام سماجی کشمکش کی بجائے باہمی اعتماد اور اخوت و تعاون پر زور دیتا ہے۔

۵۔ اسلام صارف کی حکمرانی کے تصور کو تسلیم نہیں کرتا۔ اسلام کے نزدیک وسائل کا استعمال متوازن انداز میں اس طرح سے کیا جانا چاہئے کہ کسی کا استحصال نہ ہو۔

۶۔ اسلامی معیشت قیمتوں کی میکانیت اور مرکزی منصوبہ بند معیشت کے بین بین ہوتی ہے نجی ملکیت کا تصور کام کا جذبہ محرکہ بنتا ہے دوسری طرف سماجی اداروں کے مؤثر کردار کی وجہ سے معیشت سرمایہ داری اور سوشلزم کا سنگم بن جاتی ہے۔

۷۔ اسلام مارکس ازم اور نیو کلاسیکل ماڈلز کے درمیان ایک ربط فراہم کرتا ہے وہ تاریخ اور بین الاقوامیت (Universality) کو مناسب وزن دیتا ہے اس طرح دونوں میں توازن بر قرار

رکھتا ہے۔

۸۔ اسلام نہ تو موجودہ حالات (Status Quo) میں معمولی تبدیلیاں لاتا ہے اور نہ ہی وہ یکدم ہیئتی تبدیلیات (Structural Changes) لانا چاہتا ہے بلکہ وہ متفقہ رائے کے ذریعے شرعی فریم ورک میں تبدیلیاں لاتا ہے۔

۹۔ اسلامی قوانین اپنی نوعیت میں سختی اور لچک کا امتزاج ہیں۔ اسلامی اصول جہاں اپنی بنیادی نوعیت میں قطعی غیر لچکدار ہیں تو دوسری طرف اجتہاد کے ذریعے ان اصولوں کی تعبیر و توضیح ہر عہد کی ضروریات کے مطابق ممکن ہے۔(۱)

اسلامی معاشی طرز عمل کے نو (۹) مفروضات:

اسلامی معاشی طرز عمل کے درج ذیل (۹) بنیادی مفروضات یا تو قرآن و حدیث سے ماخوذ ہیں یا انہیں اسلامی قواعد و ضوابط سے اخذ کیا گیا ہے۔(۲)

۱۔ اسلام کے تصور توحید سے مستنبط پہلا مفروضہ یہ ہے کہ زندگی ایک وحدت ہے اور اس کا کوئی بھی پہلو ایک دوسرے سے جدا نہیں لہذا تمام پہلوؤں کے بنیادی احکام کی روح ایک ہی رہتی ہے۔

۲۔ انسان زمین پر خدا کے نائب کی حیثیت سے دولت اور جائیداد کو بطور امین استعمال کر سکتا ہے اس حوالے سے وہ اشیاء کا کوئی غلط استعمال نہیں کر سکتا۔

۳۔ ایک اسلامی ریاست میں باہمی مقابلے کی بجائے امداد و تعاون پر زور دیا جاتا ہے۔

۴۔ انسان زمین پر خدا کا خلیفہ اور جانشین ہے اور بہ حیثیت امین زمین کے وسائل استعمال کر سکتا

۱۔ ایضاً ص ۲۹۔۱۹

۲۔ ایضاً ص ۲۸

ہے اور ان کے غلط استعمال پر نہ صرف دنیا میں بلکہ آخرت میں بھی جواب دہ ہے یہ جواب دہی کا احساس مسلم فلسفۂ حیات میں اساسی نوعیت رکھتا ہے۔

۵۔ مسلم کمیونٹی اس امر کی مکلّف ہوتی ہے کہ وہ تمام افرادِ معاشرہ کو کم از کم بنیادی ضروریات فراہم کرے ان میں اجرت، تعلیم، صحت اور سماجی تحفظ کی کم سے کم ضروریات کی بہم رسانی شامل ہے۔

۶۔ اسلامی نقطۂ نگاہ سے نجی جائیداد اور وسائل پیداوار حاصل کرنے کی ایک واضح حد ہے یہی وجہ ہے کہ کاروبار کی انفرادی آزادی، سماجی بہبود اور اجتماعی مفادات سے مشروط ہے۔

۷۔ محدود عوامی ملکیت کا مفروضہ اسلام کی معاشی پالیسی میں ایک اہم مقام کا حامل ہے اس عوامی ملکیت میں صرف عوامی منفعتیں (Public Utilities) ہی شامل نہیں بلکہ ان کے ذرائع بھی شامل ہیں۔

۸۔ اسلامی اقدار خودکارانہ طور پر پیداواریت میں اضافے اور منصفانہ تقسیم پر منتج ہوتی ہیں۔

۹۔ اسلامی معیشت میں زر کی ایک وقتی قدر (Time value) ہوتی ہے جو بنیادی طور پر اپنی نوعیت میں غیر یقینی اور متغیر ہوتی ہے تاہم یہ شرح سود کی طرح پہلے سے متعین نہیں ہوتی۔(۱ے)

قلت اور انتخاب

اسلامی معاشیات ایک سماجی سائنس ہے جو ان لوگوں کے معاشی مسائل کا مطالعہ کرتی ہے جو اسلامی اقدار میں رنگے ہوئے ہوں۔(۲ے) اس پس منظر میں قلت سے مراد ایک معاشی ہمدردانہ

۱۔ ایضاً ص ۴۷۔۴۸

۲۔ ایضاً ص ۵۱

(Humane)اور اخلاقی تجربہ ہے۔ یہ معاشی تجربہ ان معنوں میں ہے کہ محدود وسائل انسانی خواہشات کی تکمیل کے لئے استعمال کئے جاتے ہیں۔ ہمدردانہ تجربہ ان معنوں میں ہے کہ محدود وسائل غریب لوگوں کی ضروریات کی تکمیل کے لئے، انتقالی ادائیگیوں (Transfer payments) کی شکل میں استعمال کئے جاتے ہیں اور اخلاقی تجربہ اس لحاظ سے ہے کہ محدود وسائل اللہ کی رضا کے لئے استعمال کئے جاتے ہیں یہ تینوں تجربات باہمی طور پر تصور کی وضاحت کرتے ہیں۔

اسلامی معاشیات میں انتخاب نہ صرف قانونی نظام بلکہ ان اخلاقی قوانین و ضوابط سے (جو قرآن وسنت سے ماخوذ ہیں) مشروط ہوتا ہے بلکہ ان پر انحصار کرتا ہے بالفاظ دیگر ایک اسلامی معیشت میں انتخاب نہ صرف یہ کہ استعداد(Efficiency) کو ظاہر کرتا ہے بلکہ معدلت(Equity) کا بھی نمائندہ ہوتا ہے جو بازاری معیشت نظر انداز کر دیتی ہے۔(۱-)

مسئلہ غربت کا حل۔اسلامی تناظر میں

غربت کے مسئلے کے حل کے لئے اسلامی تناظر میں دیگر اقدامات کے علاوہ درج ذیل اقدامات اٹھائے جانے چاہیں۔

۱۔ ادارتی اور غیر ادارتی اصلاحات، دیہی آبادی کی ضروریات کے اعتبار سے ترقیاتی حکمت عملیوں کی تدوین نو۔ زرعی اصلاحات، محصولات کا تدریجی نظام(Progressive System)۔

۲۔ ضرورت مندوں کو کم سے کم ضروریات کی فراہمی کی ضمانت جس کا تعین سماجی اور معاشی ترقی کی سطح اور کم سے کم بنیادی ضروریات کے اعتبار سے کیا جائے۔

۳۔ زکواۃ اور عشر کے نظام کی تنظیم نو تاکہ دولت کی تقسیم منصفانہ بنائی جاسکے۔(۲-)

۱۔ ایضاً ص ۶۵-۵۸

۲۔ A Mannan, Distributive Justice & Need Fulfilment in An Islamic Economy, Islamabad IIIE 1986 PP 33-34

اپنے مختلف تحقیقاتی مقالوں میں انہوں نے جو اہم نکات اٹھائے ہیں وہ مندرجہ ذیل ہیں۔

۱۔ اگرچہ اسلامی معیشت میں دیگر نظام ہائے معیشت کے عناصر موجود ہیں تاہم اس کے باوجود یہ کئی حوالوں سے ان سے نمایاں طور پر جدا ہے۔(۱۔)

۲۔ سرمایہ داری نظام اور سوشلزم کے تحت منصوبے کی تشخیص کے روایتی طریقوں کی بجائے ایک خارجی فلاحی معیار کی تجویز جو اسلامی معاشرتی اقدار پر مبنی ہے۔(۲۔)

۳۔ افراط زر سے تناظر میں قرضوں کی اشاریہ بندی انصاف کے اصولوں سے زیادہ نزدیک ہے۔(۳۔)

۴۔ اسلامی تناظر میں بازار تمسکات کا ایک مطالعہ

مغربی بازار تمسکات(Securities Markets) کا آپریشن کا بڑا حصہ ہے اور اس میں حصہ لینے والوں کا طرز عمل اسلامی نقطۂ نگاہ سے صحیح نہیں ہے۔

اسلامی معیشت بنیادی طور پر ایک شراکتی معیشت ہوتی ہے اسلامی بازار تمسکات کا ڈھانچہ اسلامی مالیات کاری کے مختلف طریقوں مثلاً مشارکہ، مضاربہ اور مرابحہ کے تصورات پر استوار کیا جا سکتا ہے۔ چونکہ بنیادی طور پر سیکیورٹیز میں سرمایہ کاری کی لاگت، واپسی شرح(Rate of Return) کا تقائل ہوتی ہے اسلامی سیکورٹیز مارکیٹ سرمایہ کاری کو ایک اندرونی مستحکم کنندہ(Built Instabliz-

---

۱۔ Dr. M.A. Mannan, Institutional Setting of Islamic Economic Order, Jaddeh I.C.R.I.E 1981, PP 12

۲۔ Dr. M.A Mannan, Allocative Efficiency Decision & Welfare Criteria in On Interest Free Islamic Economy, The Muslim Institute for Research & Planning, Sept 1980, PP- 32

۳۔ Dr. M.A.Mannan, Indexation in An Islamic Economy, Journal of Development Studies, Peshawar (iv) 1981 PP 41-51

(er فراہم کرتی ہے اور تخمین کی جانب اسکا رجحان کم ہوتا ہے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ تخمینی منفعتیں (Speculative Goins) شرعی نقطہ نگاہ سے صحیح نہیں ہیں تاہم سرمادی منفعتیں (Capital Gains) کے ساتھ ایسا نہیں ہے۔ یہ تجویز بیا گیا ہے کہ فروخت کے اسلامی تصورات کے چند پہلو بیع سلم اور بیع موجل وغیرہ اسلامی مالیاتی مارکیٹوں کے قیام اور انہیں عمل میں لانے کے لئے بنیاد کا کام دے سکتے ہیں۔ (۱-)

جسٹس مفتی محمد تقی عثمانی

عہد حاضر میں اسلامی معاشیات کے حوالے سے ایک اور اہم نام جسٹس مفتی محمد تقی عثمانی کا ہے۔ اسلامی معاشی نظام کے حوالے سے ان کا خیال ہے کہ قرآن و حدیث نے معروف معنوں میں کوئی معاشی فلسفہ یا نظریہ پیش نہیں کیا ہے جسے موجودہ دور کی معاشی اصطلاحات میں بیان کیا جا سکے۔ لیکن بہر حال اس حوالے سے زندگی کے دوسرے شعبوں کی طرح اسلام معیشت کے بارے میں کچھ بنیادی اصول فراہم کرتا ہے جن سے معیشت کے بنیادی مسائل کے بارے میں اسلام کا نقطہ نظر معلوم کیا جا سکتا ہے۔

اسلامی نقطہ نگاہ سے بازار کی طلب و رسد کی قوتوں کو مکمل آزاد ہونا چاہئے یہاں تک کہ کسی درمیانی واسطے کی مداخلت بھی اسلامی نقطہ نگاہ سے روا نہیں ہے کیونکہ اللہ نے طلب و رسد کے فطری اصول مقرر فرمائے ہیں جن سے قیمتیں فطری طور پر متعین ہوتی ہیں۔ (۲-) لہذا فطری نظام سے انحراف مناسب نہیں۔ تاہم اسلام نے تجارتی اور معاشی سرگرمیوں پر کچھ ایسی پابندیاں عائد کر دی ہیں

۱۔ M.A.Mannan, Securities Market in an Islamic Frame Work P-1

۲۔ جسٹس مفتی محمد تقی عثمانی اسلام اور جدید معیشت و تجارت، ص ۳۹

کہ ان پر عمل کی صورت میں معیشت میں خرابیاں پیدا نہیں ہوتیں۔(۱؎) یہ پابندیاں تین طرح کی ہیں۔

(الف) خدائی پابندیاں

خدائی پابندیوں میں حلال و حرام کی پابندیاں جن میں سود، قمار، سٹہ، اکتناز و احتکار وغیرہ شامل ہیں یہ پابندیاں مطلق ہیں قطع نظر اس کے ان کی عقلی حکمت سمجھ میں آئے یا نہ آئے۔

(ب) ریاستی پابندیاں

اسلامی حکومت مباحات کے دائرے میں آنے والی کسی ایسی شے پر عارضی طور پر پابندی لگا سکتی ہے جس سے کسی خرابی کا اندیشہ ہو تاہم یہ حکم قرآن و سنت سے متصادم نہ ہونے کے ساتھ ساتھ اجتماعی مصلحت کا تقاضہ بھی ہونا چاہیے۔

(ج) اخلاقی پابندیاں

ایسی پابندیاں جو انسان خود اپنے اوپر اخلاقی نقطۂ نگاہ سے عائد کرے اس ضمن میں آتی ہیں جن کا بنیادی مقصد اخروی فلاح کا حصول ہو۔(۲؎)

اسلامی نقطۂ نگاہ سے سرمایہ(Capital) اور آجر(Entreprenure) الگ الگ عامل پیدائش نہیں بلکہ ایک ہی ہیں۔(۳؎)

۱۔ ایضاً ص ۴۰

۲۔ ایضاً ص ۴۳

۳۔ ایضاً ص ۴۷

کرایہ کے حق میں ان کے نقطہ نگاہ کے مطابق ایسی اشیاء جو بذات خود قابلِ انتفاع ہوں مثلاً زمین، مشینیں آلات واوزار وغیرہ جن سے فائدہ اٹھانے کے لئے انہیں خرچ نہیں کرنا پڑتا اور ان سے دوسرے فوائد بھی حاصل ہو سکتے ہیں ان کا کرایہ جائز ہے۔ کیونکہ کرایہ در حقیقت ان فوائد کا معاوضہ ہے جو ان اشیاء سے براہ راست حاصل ہوتے ہیں جب کہ زر بذات خود قابلِ انتفاع نہیں ہے لہذا اس کا کرایہ (سود) جائز نہیں ہے۔

کرایہ کا دوسرا جواز وہ خطرہ ہے جو اشیاء کرایے پر دینے والا مول لیتا ہے کیونکہ اگر یہ اشیاء کسی بھی وجہ سے تباہ یا خراب ہو جائیں تو نقصان مالک کو برداشت کرنا ہوگا اور اسلامی نقطہ نگاہ سے منافع خطرے سے مشروط سرمایہ کا حق ہے لہذا اشیاء کا مالک خطرہ برداشت کرنے کے عوض کرایہ لیتا ہے۔

کرایہ کا تیسرا جواز فرسودگی ہے ایسی اشیاء کا کرایہ جو وقت گذرنے کے ساتھ ساتھ فرسودہ ہوتی چلی جاتی ہیں جائز ہے۔ زر چونکہ استعمال سے فرسودہ نہیں ہوتا لہذا اس کا کرایہ (سود) جائز نہیں۔(۱)

محدود بہ حصص کمپنی / لمیٹڈ کمپنی

جہاں تک محدود بہ حصص کمپنی کا تعلق ہے اس حوالے سے چند امور پر ان کی رائے مندرجہ ذیل ہے۔

۱۔ انڈر رائٹنگ کمیشن (Under writing Commision) کا کوئی جواز نہیں کیونکہ یہ کمیشن بلا عوض ہے جو رشوت کے زمرے میں آتا ہے۔ تاہم اگر ضمانت کا انداز تبدیل کر دیا جائے یعنی انڈر رائٹر اس بات کی ضمانت دینے کی بجائے کہ میں حصے خریدوں گا اس امر کا معاہدہ کرے کہ نہ خریدے جانے والے حصص کے خریدار مہیا کرنے کا معاہدہ کرے تو یہ جائز

۱۔ ایضاً ص ۴۸۔۴۷

ہو گا۔(۱-ب)

۲۔ کسی کمپنی کے حصص کی خرید و فروخت کے لئے چار شرائط لازمی ہیں اول کمپنی کا اصل کاروبار حلال ہو، دوم قیمت اسمیہ (Face Value) سے کم و بیش بیچنے کے لئے یہ ضروری ہے کہ کمپنی کے اثاثے صرف نقد کی شکل میں نہ ہوں، سوم سو۔ کے خلاف آواز اٹھائے، چہارم کمپنی کی آمدنی میں سود شامل ہو تو نفع کی اتنی مقدار صدقہ کر دی جائے۔(۲-ب)

۳۔ چونکہ حصص قابل بیع و شراء ہیں لہذا نیت سے قطع نظر ان کی خرید و فروخت جائز ہے۔ تاہم عارضی لسٹڈ کمپنیوں (provisionally Listed Cos.) کے حصص کی بیع و شراء جائز نہیں۔ اسی طرح حصص کی ایسی بیع و شراء کہ حصص لینا مقصود نہ ہو محض نفع / نقصان برابر کر کے نفع کمانا مقصود ہو تو یہ بھی شرعاً جائز نہیں۔ صرف حاضر سودے جائز ہیں خواہ بیع و شراء کی نیت کچھ بھی ہو۔

۴۔ کمپنی پر بہ حیثیت قانونی شخص زکواۃ عائد نہیں البتہ مالکین حصص پر واجب ہے۔(۳-ب)

کرنسی کا حکم اور کرنسی کا باہم تبادلہ

جہاں تک کاغذی نوٹوں کا تعلق ہے یہ کرنسی کے حکم میں ہیں اور جب کرنسی نوٹ ساڑھے باون تولہ چاندی کی قیمت کے برابر پہنچ جائیں تو ان پر بالاتفاق زکواۃ واجب ہو جائے گی اور چونکہ یہ نوٹ اب قرض کی دستاویز کی حیثیت نہیں رکھتے اس لئے ان نوٹوں پر قرض کی زکواۃ کے احکام بھی جاری نہیں ہوں گے بلکہ اس پر مروجہ سکوں کے احکام جاری ہوں گے۔ موجودہ زمانے میں کاغذی کرنسی کا تبادلہ

۱۔ ایضاً ص ۸۴

۲۔ ایضاً ص ۸۹

۳۔ ایضاً ص ۹۳-۸۹

مساوات اور برابری کے ساتھ کرنا جائز ہے کمی زیادتی کے ساتھ جائز نہیں۔ یہ برابری کرنسی نوٹوں کی ظاہری قیمت کے اعتبار سے دیکھی جائے گی جو اس پر لکھی ہوتی ہے۔ مختلف ممالک کی کرنسیاں چونکہ مختلف الاجناس ہوتی ہیں لہذا ان کے درمیان کمی زیادتی کے ساتھ تبادلہ بالاتفاق جائز ہے لہذا ایک ریال کا تبادلہ ایک روپے سے کرنا بھی جائز ہے اور پانچ روپے سے بھی۔ اس کمی / زیادتی کی شرعاً کوئی حد نہیں بلکہ فریقین کی باہمی رضامندی پر موقوف ہے۔(۱-ب)

کرنسی کی قوتِ خرید

جہاں تک قرضوں کو قیمتوں کے اشاریہ سے منسلک کرنے کا تعلق ہے یہ درست نہیں کیونکہ شرعی نقطۂ نگاہ سے ''قرض کی واپسی میں جو برابری شریعت میں مطلوب ہے وہ مقدار اور کمیت میں ہے قیمت اور مالیت میں نہیں۔''(۲-ب) اس حوالے سے ربا الفضل کی احادیث سے بھی یہی نتیجہ حاصل ہوتا ہے کہ شریعت میں جو تماثل اور برابری معتبر ہے وہ مقدار میں برابری ہے، اموال ربویہ میں قیمت کے تفاوت کا اعتبار نہیں۔ مزید برآں اشاریہ سازی کا عمل(Indexation Process) اپنے تمام مراحل میں اندازہ اور تخمین پر مبنی ہے جب کہ احادیث کی رو سے قرضوں کی واپسی میں اٹکل اور اندازہ کی شرط لگانا شرعاً جائز نہیں۔ لہذا قرضوں کی ادائیگی کو قیمتوں کے اشاریہ سے وابستہ کردینا کسی حال میں بھی جائز نہیں۔(۳-ب)

۱۔ جسٹس مفتی تقی عثمانی، فقہی مقالات، ج۱، ص ص ۲۹-۳۰

۲۔ ایضاً ص ۵۳

۳۔ ایضاً ص ص ۴۷-۵۶

اجرتوں کا قیمتوں کے اشاریہ سے تعلق

اجرتوں کے قیمتوں کے اشاریہ سے ربط کی تین صورتیں ممکن ہیں۔

اول یہ کہ متعاقدین کے مابین یہ معاہدہ ہو جائے کہ تنخواہیں ہر سال قیمتوں کے اشاریہ کے زیادتی کے تناسب سے بڑھتی رہیں گی۔ اس طریقے سے کوئی شرعی ممانعت نہیں۔ دوم یہ کہ اجرت کا تعین نوٹوں کی ایک معلوم مقدار پر ہو جائے لیکن عقد میں شرط کرلیں کہ مالک کے ذمے یہ مقدار معلوم واجب نہیں بلکہ اس کے ذمے وہ مقدار واجب ہوگی جو قیمتوں کے اشاریہ کی رو سے مہینہ کے آخر میں اس مقدار معلوم کے مساوی اور برابر ہوگی شرعی نقطۂ نگاہ سے یہ بھی جائز ہے۔

تیسری صورت یہ ممکن ہے کہ اجرت تو روپے کی معین مقدار کے ذریعے طے ہو جائے اور فریقین کے درمیان یہ شرط ہو جائے کہ وہ اجرت مالک کے ذمے واجب ہوگی جو عقد اجارہ میں طے ہوئی ہے لیکن مالک جس دن یہ اجرت ادا کرے گا اس دن قیمتوں کے اشاریہ میں جس تناسب سے اضافہ ہوا ہوگا اسی تناسب سے وہ اجرت میں بھی اضافہ کردے گا۔ یہ صورت حال قرضوں کے قیمتوں کے اشاریہ کے ساتھ ربط کی طرح ہے لہذا یہ جائز نہیں ہوگی۔(۱)

قسطوں پر خرید و فروخت

قرآن و حدیث میں اس بیع کے عدم جواز پر کوئی نص موجود نہیں اور اس بیع میں ثمن کی جو زیادتی ہوتی ہے وہ ربا اس لئے نہیں ہے کیونکہ وہ قرض نہیں ہے اور نہ ہی اموال ربویہ کی بیع ہے مزید یہ کہ شرعاً بائع کو مکمل اختیار ہے کہ وہ اپنی چیز جس قیمت پر چاہے فروخت کرے لہذا قسطوں پر خرید و فروخت میں کوئی امر مانع نہیں ہے۔(۲)

۱۔ ایضاً ص ۷۷۔۷۴

۲۔ ایضاً ص ۸۴

قرض جاری کرنے اور اس کا حساب کتاب رکھنے پر جو واقعی اخراجات آئیں بینک کے لئے اپنے قرض داروں سے بطور "سروس چارجز" ان کو وصول کرنا جائز ہے۔ اسلامی بینک ان اخراجات کو قرض داروں سے ان کی قرض کی مقدار کے لحاظ سے اوسطاً بھی وصول کر سکتا ہے تاکہ ہر قرض پر آنے والے اخراجات کا علیحدہ علیحدہ حساب نہ کرنا پڑے۔(۱-)

مستقبل کی تاریخ پر خرید و فروخت

جہاں تک مستقبل کی تاریخ پر خرید و فروخت کا تعلق ہے یہ معاملہ شرعاً حرام اور ناجائز ہے کیونکہ یہ معاملہ شرعی احکامات سے متصادم ہے مثلاً اس معاملے میں ایک ایسی شے کی بیع ہوتی ہے جو ابھی انسان کی ملکیت میں نہیں اور شرعاً ایسی چیز جو انسان کی ملکیت میں نہ ہو اس کا بیچنا منع ہے۔(۲-)

ہاؤس فائنانسنگ کے جائز طریقے

ہاؤس فائنانسنگ کے لئے درج ذیل طریقے تجویز کئے جا سکتے ہیں۔

ا۔ بیع موجل

اس طریقہ کار کے تحت پہلے سرمایہ کار کمپنی مکان خرید کر اس کی مالک بن جائے اور پھر گاہک کو نفع کے ساتھ ادھار فروخت کر دے اور پھر کمپنی گاہک سے بعد میں طے شدہ قسطوں کے مطابق قیمت وصول کرے اس معاملے میں مرابحہ کے طریقے پر بھی عمل ممکن ہے۔ اگر مکان تیار حالت میں نہیں

ا۔ ایضاً ص ۲۷۰

۲۔ ایضاً، ج ۲، ص ۳۰۴

ہے تو اس صورت میں یہ ہو سکتا ہے کہ کمپنی اس گاہک کو مکان بنانے کے لئے اپنا وکیل مقرر کر دے اس صورت میں تعمیر کمپنی ہی کی ملکیت میں ہو گی اور تعمیر مکمل ہونے کے بعد کمپنی وہ مکان گاہک کو ادھار فروخت کر دے گی۔ اگر گاہک کے پاس کچھ رقم موجود ہو تو کمپنی اور گاہک مل کر مشترکہ طور پر مکان خرید سکتے ہیں اور بعد میں کمپنی اپنا حصہ کا منافع رکھ کر گاہک کو فروخت کر سکتی ہے یہی صورت حال تعمیر مکان کے سلسلے میں بھی ممکن ہے۔(ا ے)

۲۔ شرکتِ متناقصہ

اس طریقے کے تحت پہلے گاہک اور کمپنی دونوں مشترکہ طور پر مکان خریدیں گے جس میں ملکیت کا تناسب لگائی گئی رقم کے اعتبار سے ہو گا پھر کمپنی ماہانہ یا سالانہ کرایہ طے کر کے اپنا حصہ اس گاہک کو دے دی گی اور گاہک بتدریج کمپنی کے حصے اور کرائے کی ادائیگی کے بعد مکان کا مالک ہو جائے گا۔ لیکن یہ ضروری ہے کہ گاہک اور کمپنی کے درمیان یہ معاہدہ صرف وعدہ کی شکل میں ہو، اور ہر عقد اپنے وقت پر مستقل ایجاب و قبول کے ساتھ کیا جائے اس صورت میں یہ عقد غیر مشروط ہو گا لہذا کرایہ داری میں بیع کا معاملہ مشروط نہ ہو گا اور نہ بیع میں کرایہ داری کا معاملہ مشروط ہو گا۔(۲ ے)

فارن ایکسچینج بئیرر سرٹیفکیٹ

(Foreign Exchange Bare Certificate)

ان سرٹیفکیٹس کی خرید و فروخت اس لئے درست نہیں کیونکہ یہ سرٹیفکیٹس اس پاکستانی روپے کا وثیقہ ہیں جو حکومت کے ذمے دین ہیں اب اگر حکومت، ایک سو روپے کا وثیقہ سال بھر بعد ایک

ا۔ ایضاً ص ۲۲۴۔۲۲۲

۲۔ ایضاً ص ۲۴۴۔۲۳۰

سو ساڑھے بارہ روپے میں لیتی ہے تو یہ واضح طور پر سود ہے۔ اس طرح اگر ان سرٹیفیکٹس کا حامل یہ وثیقہ بازار میں اصل قیمت سے زائد پر فروخت کرتا ہے تو بھی اس کے معنی یہ ہیں کہ وہ اپنا دین زائد قیمت پر دوسرے کو فروخت کر رہا ہے یہ بھی سود ہے۔ تاہم اس کی خریداری محض زر مبادلہ کے حصول کے لئے ہو تو جائز ہے۔(۱ـ)

ایکسپورٹ فائنانسنگ کے اسلامی طریقے

ایکسپورٹ فائنانسنگ کے دو(۲) طریقے رائج ہیں یعنی پری شپمنٹ فائنانسنگ اور پوسٹ شپمنٹ فائنانسنگ۔ جہاں تک اوّل الذکر کا تعلق ہے تو اس کے لئے مشارکہ کا طریقہ استعمال کیا جاسکتا ہے۔ بہ الفاظ دیگر ایکسپورٹر اور کسی بینک یا مالیاتی ادارے کے مابین مشارکہ ممکن ہے۔ اسی صورت حال میں ایکسپورٹر مال تیار کرے گا بینک یا مالیاتی ادارہ مالیات فراہم کرے گا اور منافع ایک طے شدہ نسبت سے دونوں میں تقسیم ہو جائے گا۔

جہاں تک پوسٹ شپمنٹ فائنانسنگ کا تعلق ہے اس میں دو(۲) اسلامی طریقے ممکن ہیں ایک تو یہ کہ ایکسپورٹر سامان بھیجنے سے پہلے متذکرہ بالا طریقے سے بینک سے مشارکہ کرے یا پھر دوسری صورت یہ ہے کہ ایکسپورٹر، امپورٹر کو سامان بھیجنے سے پہلے وہ سامان کسی بینک یا مالیاتی ادارے کو ''ایل سی'' کی قیمت سے کم پر فروخت کر دے اور پھر بینک یا مالیاتی ادارہ امپورٹر کو ''ایل سی'' کی قیمت پر فروخت کر دے اس طرح دونوں قیمتوں کے مابین فرق بینک کا منافع ہو گا۔ تاہم یہ دوسری صورت صرف اس وقت ممکن ہے جب صرف وعدۂ بیع ہوا ہو لیکن اگر حقیقی بیع ہو چکی ہے تو یہ صورت ممکن نہیں ہو گی۔(۲ـ)

۱۔ ایضاً ص ۲۶۸

۲۔ ایضاً ج ۳، ص ص ۷۹۔۷۸

زمین کی نجی ملکیت

مال اسباب اور دیگر اشیاء کی طرح زمین لامحدود حد تک نجی ملکیت میں لی جا سکتی ہے۔(۱-ب) قرآن مجید ملکیت کے ضمن میں عام اشیاء صرف اور زمین میں کسی فرق کا روادار نہیں اور دونوں کی ملکیت کے حوالے سے اس کا طرز عمل یکساں ہے جس طرح کے حقوق و فرائض عام اشیاء و اموال پر عائد ہوتے ہیں بعینہ صورت حال زمین کے حوالے سے بھی ہے۔(۲-ب)لہذا زمین کی نجی ملکیت جائز ہے اور اس میں کوئی قباحت نہیں ہے۔

شیخ محمود احمد

اسلامی معاشیات کے موضوع پر لکھنے والوں میں ایک نمایاں اہمیت کا حامل نام شیخ محمود احمد صاحب کا ہے زمین کی نجی ملکیت اور سود کے موضوع پر ان کے خیالات کا جائزہ مندرجہ ذیل ہے۔

مسئلہ ملکیتِ زمین اور اسلام

پاکستان کی زرعی پیداوار دیگر ممالک کے مقابلے میں خاصی کم ہے اس کی بنیادی وجہ جاگیردارانہ نظام ہے جو کاشت کار سے اس کی محنت کا جذبہ چھین لیتا ہے کیونکہ جب کاشت کار کو اپنی محنت کے حاصل کا ایک بڑا حصہ زمین کے مالک کو دینا ہو تو اس کی محنت کی آرزو ختم ہو جاتی ہے۔ دوسری وجہ اس کم پیداوار کی یہ ہے کہ زمیندار سرمایہ کاری سے گریز کرتے ہیں کیونکہ ان کی سرمایہ کاری کا نصف فائدہ مزارع کو حاصل ہوتا ہے لہذا اس مشکل کا واحد حل یہ ہے کہ زمین کی ملکیت کاشت کار کو منتقل کر دی

۱۔ مولانا محمد مفتی تقی عثمانی، ملکیت زمین اور اس کی تحدید، ص ۱۰

۲۔ ایضاً ص ۱۴

جائے۔(۱ب)

زمین کی نجی ملکیت ناجائز نہیں لیکن "آج کے حالات کے تحت اس شخصی ملکیت کے حق کو مشترک کاشت کی ضروریات کے تابع کرنا ضروری ہے اور مشترک کاشت کے تقاضے اگر شخصی ملکیت کو کسی حد تک محدود کر دیں یا کالعدم کر دیں تو ہماری رائے میں یہ امر خلافِ اسلام نہیں ہوگا۔"(۱ب) قرآن کہیں بھی "زمین کی اجتماعی ملکیت سے نہیں روکتا چہ جائیکہ وہ مشترک کاشت سے روکے۔۔۔ لہذا زمین کے بارے میں ہم آزاد ہیں کہ ملکیت اور تنظیم کا جو طریقہ ہم اپنے مقاصد کے لئے ضروری سمجھیں اختیار کر لیں۔"(۲ب)

چونکہ زمین کی تخلیق کا مقصد زیادہ سے زیادہ پیداوار ہے لہذا صرف وہ نظام اسلام کے نزدیک مقبول ہوگا جو یہ مقصد حاصل کر سکے۔ "کوئی ایسا زرعی نظام جو کسی طالبِ زمین کو زمین سے نفع حاصل کرنے کا اتنا موقع مہیا نہ کرتا ہو جتنا وہ کسی اور کو مہیا کرتا ہے تو وہ اسلامی زرعی نظام نہیں کہلا سکے گا۔"(۳ب)

گویا زمین کی نجی ملکیت ممکن ہے اور اس میں کوئی حرج نہیں تاہم پاکستان کے حالات کے تناظر میں اس حق کو محدود کیا جا سکتا ہے اس مقصد کے لئے زمینداروں سے ان کی زمینیں قیمتاً خرید کر بے زمین کاشت کاروں کو دی جا سکتی ہیں۔ تاہم زمینداروں کو زمین کی قیمت کی ادائیگی کے وقت زمین کی قیمت میں ہونے والے اس اضافے کو منہا کرنا ہوگا جو حکومت کے کسی بھی ترقیاتی کام کی وجہ سے ہوا ہو۔(۴ب)

۱۔ شیخ محمود احمد، مسئلہ زمین اور اسلام، ص ۱۲۴

۲۔ ایضاً ص ۱۶۸

۳۔ ایضاً ص ۱۷۲

۴۔ ایضاً ص ۱۲۶

امتناعِ سود

شیخ صاحب کے نزدیک ''ربا سے مراد محض اصل زر میں ہونے والا اضافہ ہے اور اس میں بلند شرح سود (Usury) اور کم شرح سود (Interest) کی کوئی تفریق نہیں ہے۔'' (۱ب) یہ ایک مطلق حکم ہے اور یہ بحث بے معنی ہے کہ رباصرف صرفی قرضوں پر ہے تجارتی قرضوں پر نہیں۔ اس کی دلیل ان کے نزدیک یہ ہے کہ قرآن مجید میں امتناع سود کی آیات سرمائے کی پیدائشی ضروریات میں کسی تخصیص سے انکاری ہیں۔ سرمائے کے تجارت سے تعلق کے ذکر کے بعد قرآن تجارت جائز قرار دیتا ہے اور ربا حرام۔ لہٰذا یہ کہنا کہ امتناع سود صرف صرفی قرضوں تک محدود ہے اور اس کا اطلاق پیدائشی سرمایہ کی فراہمی پر نہیں ہوتا محض افتراء ہے۔ (۲ب)

''منافع اور سود میں پہلا اور بنیادی فرق یہ ہے، کہ سود معین ہوتا ہے اور منافع غیر معین۔'' (۳ب) اسی وجہ سے اگر قرض پر اضافی رقم کی واپسی کی شرح متعین نہ ہو اور نقصان کے خطرے سمیت ہو تو یہ جائز ہے۔ اور ان دونوں کے درمیان دوسرا بنیادی فرق کوشش کا ہے منافع سعی کا نتیجہ ہوتا ہے جب کہ سود کے لئے کوئی جدوجہد نہیں کرنا پڑتی۔ اسی بنیاد پر ''اگر بینک بھی متغیر شرح سے ادائیگی کریں تو یہ جائز ہوگا۔'' (۴ب)

سود معیشت میں بیک وقت کئی قباحتیں پیدا کرتا ہے مثلاً یہ سرمایہ کاری کے ان تمام مواقع کو مسدود کرتا ہے جہاں شرح منافع مروج شرح سود سے کم ہو اس طرح سرمائے کی کارکردگی محدود ہو جاتی ہے۔ سود اشیاء کی لاگت کا جزو بن کر ان کی قیمتوں میں اضافہ کر دیتا ہے۔ چونکہ قیمت کبھی مختتم

۱۔ ایضاً ص ۲۱۰

۲۔ ایضاً ص ۲۱۱

۳۔ ایضاً ص ۲۱۱

۴۔ ایضاً ص ۲۱۲

مصارف۔ پیدائش سے کم نہیں ہو سکتی اور مختتم مصارف پیدائش سود کی وجہ سے بڑھ جاتے ہیں لہذا قیمت کم نہیں ہو سکتی نیتجتاً طلب میں کمی ہو جاتی ہے اور طلب میں کمی غربت اور بے روزگاری میں اضافہ کرتی ہے۔(۱ـ)

مولانا محمد طاسین

مولانا طاسین کے نزدیک قرآن و حدیث میں انسانوں کے معاشی پہلو سے متعلق تین قسم کی تعلیمات ہیں۔ اوّل وہ جن کی حیثیت اخلاقی مواعظ و ترغیبات کی ہے دوم وہ تعلیمات جن کی نوعیت مستقل اور حقیقی قوانین کی ہے اور سوم وہ جن کی حیثیت عبوری اور وقتی احکام کی طرح ہے۔ اوّل الذکر احسان وایثار پر مبنی ہیں ثانی الذکر عدل و قسط پر اور آخری الذکر وقتی مصلحت پر مبنی ہیں۔(۲ـ)

اسلامی معاشیات کے حوالے سے مختلف معاملات میں جو تضاد یا فکری انتشار پایا جاتا ہے اسکی بنیادی وجہ ان تینوں اقسام کی اقتصادی تعلیمات کے درمیان فرق ملحوظ نہ رکھا جانا ہے۔ اس فرق کو سمجھ لینے سے اسلامی معاشی تعلیمات کے متعلق فکری الجھاؤ سے بچا جا سکتا ہے۔ تاہم یہ اختلافات قرآن مجید کی اصولی ہدایات کی روشنی میں دور ہو سکتے ہیں۔(۳ـ)

مولانا کے نزدیک کسبِ معاش سعی و عمل کی قدرت رکھنے والے ہر مسلمان پر واجب ہے دوسری طرف حکومت کے لئے یہ لازم ہے کہ وہ ایسے حالات پیدا کرے جن میں تمام انسان اپنا یہ بنیادی حق استعمال کر سکیں۔(۴ـ)

۱۔ Sheikh Mahmud Ahmed, Economics of Islam PP 25-36

۲۔ مولانا محمد طاسین، اسلام کی عادلانہ اقتصادی تعلیمات، ص ۳۲

۳۔ ایضاً ص ۵۱

۴۔ ایضاً ص ص ۶۶۔۶۲

اجرت کے تعین میں کام کی نوعیت اور مقدار کا لحاظ رکھنا ضروری ہے اور نوعیت اور اجرت کے لحاظ سے کاموں کی درجہ بندی لازمی ہے۔ مولانا کے نزدیک ''اسلام جو معاشی مساوات چاہتا ہے وہ یہ ہے کہ مال و دولت کی کمی / زیادتی کے باوجود افراد معاشرہ کے معیارِ زندگی اور مظاہر معیشت میں زیادہ سے زیادہ یکسانی اور برابری ہو۔(۱ــ)

مولانا کے نزدیک کسی شے کی انسانی ملکیت کی بنیاد یہ ہے کہ انسان اس شے میں کوئی افادہ پیدا کرتا ہے اور یہ افادہ ہی اس کی ملکیت کا جواز بنتا ہے۔ اور اسی طرح کوئی شخص ذرائع پیداوار کا بھی مالک ہو سکتا ہے تاہم اسے اس میں کسی ایسے تصرف کی اجازت نہیں جو دوسروں کے لئے مضر ثابت ہو۔ مولانا کے نزدیک انسان کی ملکیت اللہ کی ملکیت پر دلالت کرنے والی آیات میں کوئی تعارض نہیں کیونکہ کوئی بھی شے بیک وقت اللہ کی اور انسان کی ملکیت ہو سکتی ہے لیکن بیک وقت دو انسانوں کی ملکیت نہیں ہو سکتی۔(۲ــ)

زمین کی شخصی ملکیت ممکن ہے۔ مختلف آیاتِ قرآنی و احادیث سے اس کا اثبات ہوتا ہے۔(۳ــ) انتقالِ ملکیت کے لئے شے کے مالک کی حقیقی رضا لازمی ہے اور حقیقی رضامندی کا معروضی معیار مالک کے لئے مساوی عوض کا موجود ہونا ہے۔ انتقال ملکیت کے پانچ جائز طریقے ہیں۔ یعنی (۱) بیع و شراء (۲) اجارے اور اجرت پر کام (۳) قرض و ادھار (۴) صدقہ / عطیہ یا ہدیہ اور پانچواں طریقہ وراثت ہے۔(۴ــ) سود اسی وجہ سے حرام ہے کہ وہ رقم جو سود کی مد میں وصول کی جاتی ہے وہ کسی بدل کا نتیجہ نہیں ہوتی'' اسی بنیاد پر بینکاری، انشورنس اور جوائنٹ اسٹاک کمپنیوں کے بہت سے معاملات ناجائز قرار

۱۔ ایضاً ص ۷۵

۲۔ ایضاً ص ۸۵

۳۔ ایضاً ص ۸۸

۴۔ ایضاً ص ۹۵۔۹۳

پاتے ہیں۔"(۱۔ ب) کیونکہ مروجہ جوائنٹ اسٹاک کمپنیوں کا معاملہ نہ شرکت کی تعریف میں آتا ہے نہ مضاربت کی۔(۲۔ ب) مولانا طاسین سرمائے کو عامل پیداوار تسلیم نہیں کرتے اس کی دلیل ان کے پاس یہ ہے کہ پیدائشِ دولت میں کسی طرح سے بھی یہ تعین کرنا ممکن نہیں کہ کل پیدا کی گئی دولت میں محنت اور سرمائے کا تناسب کیا ہ ؟ در حقیقت "سرمایہ کسی بھی چیز کو پیدا ہی نہیں کرتا تو پیدا کرنے میں اس کے تناسب کے تعین کا سوال ہی غلط اور بے بنیاد قرار پاتا ہے۔"(۳۔ ب) لیکن اگر یہ فرض بھی کر لیا جائے کہ سرمایہ بھی مال و دولت پیدا کرتا ہے تو چونکہ دونوں فریقوں کا حصہ متعین نہیں ہو سکتا لہذا منافع میں بھی دونوں کا حصہ نہ صرف یہ کہ غیر متعین ہوگا بلکہ یہ معاملہ عدل کے مطابق نہیں ہوگا۔ لہذا اس اعتبار سے بھی سرمایہ عامل پیداوار متصور نہیں ہوگا دنیا میں سرمائے اور محنت کی کشمکش کی بنیاد یہی مجہول نظریہ ہے اور اس کشمکش سے "چھٹکارے کی ایک ہی شکل ہے اور وہ یہ کہ فقط انسان کی دماغی اور جسمانی محنت کو عاملِ پیداوار تسلیم کیا جائے۔"(۴۔ ب)

مولانا مفتی محمد شفیع

مولانا کے نزدیک اسلام "انسان کی معاشی سرگرمیوں کو جائز، مستحسن بلکہ بسا اوقات واجب اور ضروری قرار دیتا ہے۔۔۔ لیکن اسلام کی نظر میں انسان کا بنیادی مسئلہ "معاش" نہیں ہے اور نہ معاشی ترقی اس کے نزدیک انسان کا مقصدِ زندگی ہے۔"(۵۔ ب) قرآن کی مجموعی تعلیمات کی رو سے اگرچہ تجارت، خوراک اور رہائش کے لئے احترام ملتا ہے وہیں دنیوی زندگی کے لئے قناعت اور حقارت کا تاثر

۱۔ ایضاً ص ۱۱۵

۲۔ ایضاً ص ۱۲۴

۳۔ ایضاً ص ۱۳۹

۴۔ ایضاً ص ۱۴۰

۵۔ مولانا مفتی محمد شفیع، اسلام کا نظام تقسیم دولت، ص ۹

ملتا ہے کیونکہ قرآن کے نزدیک اصل زندگی آخرت کی زندگی ہے دنیا اس کے لئے ضروری ہے مگر جب یہ دنیا پیروں کی زنجیر بن جائے تو یہی وسائل معاش فتنہ اور متاع الغرور بن جاتے ہیں۔(۱ـ)

از روئے قرآن "دولت خواہ کسی شکل میں ہو اصلاً اللہ کی پیدا کردہ اور اسی کی ملکیت ہے اور یہ بھی کہ اللہ تعالیٰ جس کو عطا کردیں وہ اس کا مالک بن جاتا ہے۔" (۲ـ) اسلام کے تقسیم دولت کے نظام کے تین مقاصد ہیں یعنی (۱) ایک قابل عمل نظم معیشت کا قیام (۲) حقدار کو اس کا حق پہنچانا اور (۳) ارتکاز دولت کا خاتمہ۔(۳ـ)

اسلام سرمایہ، محنت اور زمین کو عاملِ پیدائش تسلیم کرتا ہے اور پیداوار کو انہی تینوں میں بہ شکل منافع، اجرت اور لگان کی شکل میں بالترتیب تقسیم کیا جائے گا۔ آجر، سرمایہ اور محنت سے الگ نہیں۔

"ربا ہر اس زیادتی کا نام ہے جو قرض کی وجہ سے حاصل ہوئی ہو۔" (۴ـ) حرمتِ سود کی کوئی حکمت و مصلحت قرآن میں نہیں دی گئی یہ محض حکم ہے جسے ماننا لازمی ہے خواہ اس کی حکمت سمجھ میں آئے یا نہ آئے۔ چونکہ یہ حکمِ ربانی ہے لہذا اس سے حرمتِ سود پر ہر قسم کے اعتراض کا خاتمہ ہو جاتا ہے۔(۵ـ)

بیمہ یا انشورنس حرام ہے تاہم چند اصلاحات سے مشروط جن میں اس کاروبار کو مضاربت پر چلانا سرفہرست ہے اس کی اجازت دی جاسکتی ہے۔(۶ـ)

۱۔ ایضاً ص ص ۱۱۔۹
۲۔ ایضاً ص ص ۱۳۔۱۲
۳۔ ایضاً ص ص ۱۸۔۱۶
۴۔ مولانا مفتی محمد شفیع، مسئلہ سود، ص ۱۷
۵۔ مولانا مفتی محمد شفیع، اسلام کا نظام، تقسیم دولت، ص ۳۷
۶۔ مولانا مفتی محمد شفیع، بیمہ زندگی، ص ص ۲۶۔۲۵

پروفیسر رفیع اللہ شہاب

اسلامی قانون کے تحت زمینیں چاہے وہ عشری ہو یا خراجی اسلامی حکومت کی ملکیت میں رہتی ہیں کوئی بھی حتیٰ کہ خود اسلامی حکومت بھی ان کی خرید و فروخت نہیں کر سکتی۔ تحریم ربا کے حکم کے بعد آپ ﷺ نے زمینداری نظام ختم کر دیا تھا اس بنیاد پر کسی بھی قسم کی زمین کی خرید و فروخت ممکن نہیں۔(۱ـ)

ایک اسلامی ریاست کے ذرائع آمدنی وہی رہیں گے، جو سلف صالحین سے منقول ہیں اگر صرف انہیں ذرائع کو صحیح طریقے سے جمع کیا جائے تو حکومت کی موجودہ آمدنی سے زیادہ رقم جمع ہو جائے گی اور محصولاتی نظام بھی سادہ ہو جائے گا۔ اسلام میں مالی ذمے داری چونکہ عبادت ہے لہذا محاصل کی وصولیابی یا جمع کرنے میں بدعنوانیاں بھی کم ہو جائیں گی اور کچھ خوف الہٰی کی وجہ سے رک جائیں گی۔(۲ـ)

نظامِ زکواۃ سے بیمے کی ضرورت ختم ہو جائے گی کیونکہ یہ نظام بیمے کی ضمانت مملکت کے تمام افراد کو بلا کسی معاوضے کے دے گا۔(۳ـ)

زکواۃ کی شرح میں اضافے کی کوئی ضرورت نہیں، اور نہ ہی کسی اور ٹیکس کے نفاذ کی ضرورت ہے۔(۴ـ)

ان کے نقطۂ نگاہ سے مکانات کا کرایہ جائز نہیں اور اس کی کوئی شرعی بنیاد نہیں ہے۔(۵ـ)

۱۔ Rafi ullah Shahab, Islamic Finance & Banking P-52

۲۔ رفیع اللہ شہاب، اسلامی ریاست کا مالیاتی نظام، ص ۱۱

۳۔ ایضاً ص ۱۲۔۱۱

۴۔ ایضاً ص ۱۰۷۔۸۹

۵۔ رفیع اللہ شہاب، کرایہ مکانات کی شرعی حیثیت، ص ص ۴۳۔۲۰

پروفیسر خورشید احمد

خورشید احمد کے مطابق معاشی ترقی کے مغربی ماڈل، چونکہ اسلامی اور ترقی پذیر ممالک کے حالات سے مطابقت نہیں رکھتے لہذا ان کی بنیاد پر ان ممالک میں معاشی ترقی کا حصول ممکن نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ جملہ تمام ترقی پذیر ممالک میں گذشتہ تین چار دھائیوں میں ترقی کے نتائج خاصے حوصلہ شکن رہے ہیں اور ان ترقی پذیر ممالک بالخصوص مسلم ممالک میں س کے کئی منفی اثرات نمودار ہوئے ہیں جن میں دولت کی غیر منصفانہ تقسیم، سماجی شکست وریخت ور اخلاقی اقدار کا خاتمہ وغیرہ شامل ہیں۔ ظاہر ہے مغرب نے اٹھارویں اور انیسویں صدی میں جن حالات میں ترقی کی آج کے مسلم ممالک کے حالات ان سے قطعی مختلف ہیں لہذا مسلم ممالک میں مغربی ماڈلز کی نقالی ممکن نہیں۔(۱) انہیں خود اپنا اقتصادی ترقی کا نظریہ یعنی اسلامی نظریہ اختیار کرنا ہوگا جس کے خدوخال مندرجہ ذیل ہیں۔

ترقی کے اسلامی تصور کی چار فکریں بنیادی توحید باری تعالیٰ، ربوبیت، خلافت اور تزکیۂ نفس ہیں۔ یہ ایک بہت جامع تصور ہے جو زندگی کے ہر ہر پہلو کے ارتقاء کا ضامن ہے۔ اسلام میں ترقیاتی عمل کا مرکزی محور انسان ہے اور ترقی کا مطلب انسان کے کردار، طرز حیات اور اس کے مادی، سماجی اور ثقافتی ماحول کی ترقی ہے۔ اسلامی نقطۂ نگاہ سے نہ صرف یہ کہ وسائل کا انسب استعمال ہونا چاہیے بلکہ ان کی تقسیم بھی منصفانہ ہونی چاہیے۔(۲)

اسلامی ترقیاتی منصوبے کے اہم اہداف میں اوّل انسانی وسائل کی ترقی (مادی اور روحانی)، دوم پیداوار میں اضافہ جس میں اشیاء صرف، دفاعی پیداوار اور اشیاء سرمایہ سب شامل ہیں، سوم بہتر معیارِ زندگی، چہارم متوازن ترقی، پنجم نئی ٹیکنالوجی کا استعمال اور مسلم دنیا کے آپس میں گہرے روابط جو ایک مسلم اقتصادی بلاک کی تشکیل پر منتج ہو شامل ہیں۔

۱۔ خورشید احمد، ترقیاتی پالیسی کی اسلامی تشکیل، ص ص ۱۹۔۱

۲۔ ایضاً ص ص ۳۰۔۲۰

مسلم دنیا کے پاس وسائل کی کوئی کمی نہیں لہذا ''مسلم اقتصادی یونین کا قیام نہ صرف ممکن ہے بلکہ لازمی بھی ہے۔''(۱۔) اس مقصد کے لئے مسلم ممالک کو باہمی تعاون اور انحصار بڑھانے کی ضرورت ہے اور مشترکہ طور پر ترقیاتی فنڈز، مسلم سرمایہ کاری منڈی (Capital Market)، مشترکہ بینکاری، انشورنس، شپنگ کمپنیاں وغیرہ قائم کی جائیں تاکہ مسلم اقتصادی یونین قائم کی جاسکے۔(۲۔)

محمود احمد غازی

محمود احمد غازی حرمتِ سود کی روایتی علت کے قائل ہیں جس کے تحت امتناع سود کی بنیادی وجہ عوض کا نہ ہونا، سود خور کا کاروبار کے نقصان میں شریک نہ ہونا، سود کا بیع کے برخلاف مسلسل تسلسل، اور سود خور کا محنت نہ کرنا ہے۔ قرآن پاک کی اصطلاح راس المال سے وہ یہ نتیجہ اخذ کرتے ہیں کہ حرمت سود صرفی اور تجارتی قرضوں دونوں کے لئے یکساں ہے سود بیک وقت معاشرہ میں اخلاقی، معاشرتی اور معاشی قباحتیں پیدا کرتا ہے۔(۳۔)

جہاں تک اس دلیل کا تعلق ہے کہ قرآن مجید میں ربا کی کوئی متعین تعریف نہیں دی گئی لہذا یہ ایک غیر متعین امر ہے لہذا ہر عہد میں ربا کی از سر نو تعریف متعین کی جاسکتی ہے اس اعتراض کا مدلل جواب وہ اس طرح دیتے ہیں کہ قرآن کوئی قانون کی کتاب نہیں جو ہر ایک اصطلاح کی کوئی متعین تعریف فراہم کرے قرآن نے کئی اصطلاحات کی کوئی متعین تعریف کہیں نہیں دی مثلاً صلوٰۃ، زکواۃ، بیع وغیرہ لہذا یہ کہنا کہ ربا کی تعرف کی عدم موجودگی سے اس کی حرمت پر کوئی حرف آتا ہے صحیح نہیں ویسے

۱۔ ایضاً ص ۳۴۔۳۱

۲۔ ایضاً ص ۵۵

۳۔ ایضاً ص ۴۰۔۲۱

بھی ربا کا عمومی مفہوم اتنا واضح اور عام فہم ہے کہ اس کی مزید توضیح کی ضرورت نہیں۔(۱ے)

ربا کے حوالے سے یہ کہنا کہ اس حوالے سے اجتہاد کی ضرورت ہے اس لئے بے معنی ہے کیونکہ اجتہاد کا مطلب واضح اور قطعی شرعی احکام میں تبدیلی نہیں بلکہ کسی نئی صورت حال میں شریعت کے احکام سے شریعت کی روح کے مطابق نئے مسائل کا حل تلاش کرنا ہے لیکن جہاں احکام قطعی واضح ہوں وہاں اجتہاد کے کیا معنی؟(۲ے)

اسی طرح یہ کہنا کہ سود کے خاتمے کا کوئی مفصل نقشہ موجود نہیں لہذا فوری طور پر سود کا خاتمہ ممکن نہیں اس لئے ایک بے بنیاد دلیل ہے کہ اول تو اس حوالے سے بہت زیادہ کام ہو چکا ہے دوم دنیا کے ہر کام کے لئے پہلے مفصل نقشے کی موجودگی لازمی نہیں خود موجودہ بینکاری نظام کیا کسی مفصل نقشے کا مرہون منت ہے؟ یقیناً نہیں لہذا مفصل نقشے کی عدم موجودگی سود کو بر قرار رکھنے کی کوئی دلیل نہیں ہے۔(۳ے)

جہاں تک سود کے متبالات کا تعلق ہے وہ روایتی طریقوں یعنی مضاربہ، بیع موجل، بیع مرابحہ، مشارکہ، ملکیتی کرایہ داری اور قرضِ حسنہ وغیرہ کو متبادل تسلیم کرتے ہیں۔

ضیاء الدین احمد

اسلام میں غربت کے خاتمے اور دولت کی منصفانہ تقسیم کے موضوع پر ضیاء صاحب کی کتاب Islam Poverty & Income Distribution ایک اہم کتاب ہے ان کے نزدیک متذکرہ بالا مقاصد اسلام کے مجموعی سماجی، اقتصادی ڈھانچے کا حصے ہیں۔(۴ے) ایک اسلامی معاشرہ

۱۔ ایضاً ص ۴۳۔۴۱

۲۔ ایضاً ص ۴۵۔۴۴

۳۔ ایضاً ص ۴۹۔۴۷

۴۔ Ziauddin Ahmed, Income Poverty & Income Distribution P-13

عدل و احسان کے بنیادی اصولوں پر استوار ہوتا ہے اور جس میں امیروں کی دولت پر غربا کا حق تسلیم کیا گیا ہے۔(۱ے) غربت کے خاتمے کے لئے اسلام جو حکمت عملی اختیار کرتا ہے اس کے اہم عناصر میں پیداواری سرگرمیوں کی حوصلہ افزائی، نجی شعبے کا موثر کردار، اشیاء تعیش کی پیداوار میں کمی، کاروباری سرگرمیوں کو بعض حدود (حلال و حرام) کا پابند کرنا، تمام لوگوں کے لئے یکساں مواقع کی دستیابی، نجی ملکیت کے ادارے کے ساتھ ساتھ بعض ذمہ داریوں کا تصور اور وراثت کے قوانین وغیرہ شامل ہیں۔(۲ے) اس کے علاوہ اسلامی نظم معیشت کی اہم خصوصیات میں فلاحی مقاصد کے لئے زیادہ سے زیادہ خرچ کی ترغیب جسے اسلامی اصطلاح میں انفاق کہا جاتا ہے شامل ہے۔ مزید براں ایک اسلامی ریاست اپنی مالیاتی اور زری پالیسیاں بھی اسی نقطۂ نظر سے ترتیب دیتی ہے جس کے لئے بنیادی رہنمائی قرآن و سنت میں موجود ہے۔(۳ے) زکواۃ کی شکل میں سماجی تحفظ کا ایک مثالی نظام ان مقاصد کو حاصل کرنے کا اہم ذریعہ ہے۔(۴ے)

محمد شریف چوہدری

مالیات عامہ کے حوالے سے چوہدری صاحب نے ''اسلام میں محصولات اور جدید محصولات'' کے موضوع پر قلم اٹھایا ہے۔آپ کے خیال میں اسلام میں محصولات کے مقاصد میں انسانی روح اور دولت کی صفائی، دولت کی منصفانہ تقسیم، سماجی انصاف کا قیام، دولت کی گردش میں اضافہ، مسلمانوں میں اخوت و اتحاد کا استحکام، قوم کی معاشی ترقی، ریاستی ضروریات کی تکمیل اور سماجی تحفظ کی فراہمی

۱۔ ایضاً ص ۲۱
۲۔ ایضاً ص ۳۶۔۲۳
۳۔ ایضاً ص ۴۵۔۴۴
۴۔ ایضاً ص ۹۷

ہیں۔(۱ـــ)اسلام اس مقصد کے لئے محاصل کے کچھ بنیادی اصول فراہم کرتا ہے ان اصولوں میں ہر شخص پر استطاعت کے مطابق محاصل کا بوجھ، ٹیکس کے بوجھ کی منتقلی کا امتناع، سب کی قانون کے سامنے مساوات، پیداواریت میں اضافہ، ضروریات پر محاصل عائد نہ کرنا اور یقینیت کے اصول وغیرہ شامل ہیں ۔(۲ـــ)ابتدائی اسلامی ریاست میں جو محاصل عائد کئے گئے تھے ان میں زکواۃ، عشر، خمس، جزیہ، فئے اور خراج وغیرہ شامل تھے۔

زکواۃ کی مدات قرآن میں بیان کردی گی ہیں اسلامی حکومت زکواۃ کے علاوہ محاصل عائد کرسکتی ہے۔(۳ـــ)ایک جدید اسلامی ریاست کے لئے آئیڈیل نظامِ محصولات جدید طریقوں اور اسلامی اصولوں کے ملاپ سے ممکن ہے تاکہ نظامِ محصولات کے جملہ مقاصد حاصل ہوسکیں۔

شجاعت علی صدیقی

شجاعت علی صدیقی کا موضوع بھی مالیات عامہ ہی ہے انہوں نے ''اسلام میں مالیات عامہ'' کے عنوان پر کتاب تحریر کی ہے جس میں ایک اسلامی حکومت کے ذرائع آمدنی اور اخراجات کا جائزہ لیا ہے اسلامی حکومت کے اہم ذرائع آمدنی میں زکواۃ، خراج، جزیہ پر بہت تفصیلی بحث کی گئی ہے۔(۴ـــ)جب کہ دیگر ذرائع کو بھی اجمالاً زیر بحث لایا گیا ہے اس طرح زکواۃ کی مدات خرچ پر تفصیل سے روشنی ڈالی گئی ہے۔(۵ـــ)

۱۔ M. Sharif Chaudhry, Taxation in Islamic & Modern Taxes PP 1-7

۲۔ ایضاً ص ۱۰۔۸

۳۔ ایضاً ص ۱۰۹

۴۔ S.A Siddiqi, Public Finance in Islam PP 8-60

۵۔ ایضاً ص ۱۶۵۔۱۵۰

افضال الرحمٰن

افضال الرحمٰن Economic Doctrines of Islam (اسلام کی معاشی تعلیمات) کے عنوان سے چار جلدوں پر محیط ایک ضخیم کتاب میں اسلام کی معاشی تعلیمات کے مختلف پہلوؤں کو زیر بحث لائے ہیں۔ دیگر نظام ہائے معیشت کے اسلامی معیشت سے موازنے سے انہوں نے یہ ثابت کیا ہے کہ دیگر نظاموں کے مقابلے میں اسلامی معیشت کا انحصار چونکہ اعلیٰ اخلاقی اقدار پر ہے لہذا اسلامی نظام معیشت ہی دیگر نظاموں سے برتر ہے۔

ان کے نزدیک زمین کی نجی ملکیت ممکن ہے تاہم حتمی ملکیت ریاست کے ہاتھ میں ہے زمین کا مالک اسے خرید اور بیچ سکتا ہے یہ وارثت میں بھی منتقل ہو سکتی ہے تاہم حکومت جب چاہے ریاست کے بہترین مفاد میں اسے حاصل کر سکتی ہے۔ (۱-ب)

ان کے نزدیک انشورنس میں چونکہ قرآن و سنت کی جانب سے حرام قرار دیئے جانے والے چار عناصر یعنی سود (ربا)، قمار، ضرر (غیر یقینی کیفیت) اور جہل (غیر متعین جنس یا مقدار کا عنصر) موجود ہیں لہذا یہ جائز نہیں ہے۔ (۲-ب) نہ صرف جائز نہیں بلکہ یہ انتہائی کم درجے میں بھی قابل قبول نہیں ہے۔ (۳-ب) تاہم انشورنس کی اہمیت کے پیش نظر وہ انشورنس کے لئے میوچل سوسائٹیز (Mutual Societies) کی تجویز پیش کرتے ہیں جو مذکورہ بالا تمام خرابیوں سے پاک ہیں۔ (۴-ب) اس کے علاوہ امداد باہمی کی انشورنس سوسائٹیز (Cooperative Insurance Societies) بھی اس کا

۱۔ Afzal-ur-Rehman, Economic Doctrines of Islam, vol II pp 1-29

۲۔ ایضاً جلد چہارم، ص ۲۱۲

۳۔ ایضاً ص ۲۱۵

۴۔ ایضاً ص ۲۲۸

ایک متبادل حل ہیں۔(۱) بلاسود بینکاری کے حوالے سے مضاربہ اسکا بہترین حل ہے۔(۲)

ڈاکٹر شاہد حسن صدیقی

ڈاکٹر شاہد نے اپنی کتاب(Islamic Banking)(اسلامی بینکاری) میں ربا سے متعلق مختلف امور مثلاً بیاج (غیر معمولی شرح سود)(Usury) عام شرح سود(Interest)، اسلامی تناظر میں ربا کا تصور، اسکی اقسام، امتناع سود کی وجہ اور مضاربہ کی بنیاد پر بلا سود بینکاری پر بحث کی ہے اس حوالے سے ان کی فکر روایتی فکر سے مکمل آہنگ ہے۔

چوہدری محمد حسین

چوہدری محمد حسین صاحب اسلامی ریاست میں ترقیاتی منصوبہ بندی کے موضوع کو اپنی کتاب(Development Planning in An Islamic State) میں زیر بحث لائے ہیں۔

ان کے نزدیک ایک اسلامی ریاست بنیادی طور پر ایک نظریاتی ریاست ہوتی ہے یہ ایک منفرد فلاحی ریاست ہوتی ہے جس کا موازنہ موجودہ ریاست سے فکری بنیادوں پر ممکن نہیں اس میں اختیار مطلق اللہ کی ذات کو حاصل ہوتا ہے بالفاظ دیگر قرآن و سنت کی بنیاد پر تمام معاملات و امور انجام دیئے جاتے ہیں۔(۳)

اس ریاست میں ترقیاتی حکمت عملی کی بنیاد خدا کی توحید کے تصور، ربوبیت، خلافت اور تزکیہ کے تصورات ہیں۔ تزکیہ کے تصور سے اسلام میں ترقی کا تصور اخذ کیا گیا ہے کیونکہ یہ تصور انسانی ذات کی

۱۔ ایضاً ص ۲۴۲۔۲۳۱

۲۔ ایضاً ص ۲۶۸

۳۔ Ch Muhammad Hussain, Development Planning in An Islamic State PP 14-15

تمام حوالوں سے ترقی کے تصور پر دلالت کرتا ہے۔ تزکیہ کا نتیجہ فلاح ہے جو اس دنیا اور آخرت دونوں میں ایک مسلمان کا مقصود و منتہا ہے۔ (۱ ۔)

اس تناظر میں ایک اسلامی ریاست کی ترقیاتی حکمت عملی کے بنیادی اہداف میں انسانی وسائل کی ترقی، اشیاء ضرورت کی پیداوار میں اضافہ، معیارِ زندگی میں بہتری، متوازن ترقی اور نئی ٹیکنالوجی حصول وغیرہ شامل ہے۔ (۲ ۔) تاہم اس ضمن میں ترقیاتی حکمتِ عملی وہی ہو گی جو بالعموم اس مقصد کے لئے عام ریاستیں اختیار کرتی ہیں۔ (۳ ۔)

ڈاکٹر عبدالحسن محمد صادق

اسلامی نقطۂ نگاہ سے معاشی ترقی کا مقصد مادی اور روحانی ترقی دونوں ہوتے ہیں۔ اسلام میں نمو کے ساتھ آمدنی کی منصفانہ تقسیم اور اخلاقی اقدار مساوی اہمیت رکھتے ہیں۔

اسلام میں زکواۃ، عشر اور نظامِ وراثت کی مدد سے دولت کی تقسیم غیر معمولی منصفانہ ہوتی ہے اس کے علاوہ ریاست اس مقصد کے لئے محاصل عائد کرنے کا اختیار رکھتی ہے۔ (۴ ۔) ترقیاتی مقاصد کے لئے انسانی، معدنی اور دیگر وسائل کو ترقی دینا لازمی ہے اس مقصد کے لئے حکومت کا کردار خاصا اہم ہے انسانی وسائل کی ترقی میں ان کی اخلاقی اور مادی ترقی دونوں شامل ہیں۔ (۵ ۔)

مسلم امہ قدرتی وسائل کی دولت سے مالا مال ہے لہذا ترقیاتی مقاصد کے لئے ان کے مابین تعاون

۱۔ ایضاً ص ۴۶۔۴۵

۲۔ ایضاً ص ۵۴۔۵۱

۳۔ ایضاً ص ۹۰۔۶۱

۴۔ Dr. Abdul Hassan M.Sadiq, Economic Development in Islamic PP 60-70

۵۔ ایضاً ص ۱۱۴

بے حد ضروری ہے۔(۱۔)

نیر منظور

نیر منظور خالصتاً فلاحی نقطۂ نظر سے اسلامی معاشیت کو زیر بحث لائے ہیں۔ ان کے نزدیک پریٹو(Pareto)اور کلدار۔ ہکس(Kaldar-Hicks) کے ماڈل اسلامی نقطۂ نگاہ سے قابل قبول نہیں۔(۲۔)اس کے مقابلے کا فلاح کا قرآنی تصور کہیں زیادہ جامع اور مکمل ہے۔

مشتاق احمد

مشتاق احمد نے اسلام میں کاروباری اخلاقیات کے موضوع پر بحث کی ہے۔ بنیادی اصول یہ اٹھایا گیا ہے کہ کاروباری زندگی میں ایک مسلمان کا طرز عمل کیا ہونا چاہیئے ؟اس کا جواب قرآن سے حاصل کر کے یہ ثابت کیا گیا ہے کہ قرآن مسلمان کاروباری شخص کو ایک مکمل اور جامع مجموعہ ہدایات دیتا ہے جس پر وہ عمل کر سکتا ہے۔(۳۔)ایک مسلم کاروباری شخص بنیادی طور پر خوفِ خدا کا حامل ہوتا ہے اور اس کا منتہا رضائے الٰہی ہوتا ہے اس حوالے سے آخرت میں جواب دہی کا تصور ایک عام کاروباری شخص اور مسلم بزنس مین میں مزید فرق پیدا کر دیتا ہے۔(۴۔)

مسعود احمد

مسعود احمد نے اپنی کتاب ''اسلام کا معاشی نظام'' میں اسلامی نظامِ معیشت کے بنیادی اصولوں

۱۔ ایضاً ص ۱۳۲

۲۔ Nayyer Manzoor, Islamic Economics: A Welfare Approch PP 11-24

۳۔ Mushtaq Ahmed, Business Ethies in Islam PP 29-38

۴۔ ایضاً ص ۱۴۶۔۱۴۴

صدقات، زکواۃ، حرمتِ سود، میراث اور قرض و تجارت کے بنیادی مسائل پر روشنی ڈالی ہے نیز قرآن و حدیث کی روشنی میں ان کی اہمیت وافادیت واضح کی ہے۔

ڈاکٹر اسرار احمد

ڈاکٹر اسرار احمد کے نزدیک اسلام کی اخلاقی اقدار میں عدل و قسط کو نمایاں اہمیت حاصل ہے اور معاشی حوالے سے بھی ان کی بہت اہمیت ہے۔(۱) ان کے نزدیک اسلام کے معاشی نظام کے دو پہلو ہیں ایک قانونی اور دوسرا فقہی نظامِ معیشت ہے جو ایک محدود نوع کی سرمایہ داری ہے دوسری طرف اسلام کا روحانی واخلاقی نظامِ معیشت ہے جو ایک نہایت اعلیٰ قسم کی روحانی اشتراکیت ہے۔ اوّل الذکر میں انسان کو نجی ملکیت و تصرف کا حق حاصل ہے تاہم نظامِ زکواۃ کی مدد سے دولت کی تقسیم میں عدم مساوات پیدا نہیں ہوتی۔ یہ نظام ایک فلاحی ریاست کے مشابہ ہے جس میں محنت پر سرمائے کے مقابلے میں زیادہ زور دیا گیا ہے۔ سود مطلق حرام ہے۔ اسلام معاشی لحاظ سے جن امور کو حرام قرار دیتا ہے ان سے معاشی فساد کے تمام راستے بند ہو جاتے ہیں۔(۲)

نعیم صدیقی

نعیم صدیقی صاحب کے نزدیک اخلاقی اقدار سرمایہ دارانہ نظام، اشتراکیت اور اسلام میں حد فاصل پیدا کرتی ہیں۔ دین اسلام کا بنیادی مقصد عدل و قسط کا قیام ہے اور اس مقصد کا حصول ایک ریاست کے ذریعے ہی ممکن ہے۔(۳)

۱۔ ڈاکٹر اسرار احمد، اسلام کا معاشی نظام، ص ۱۱

۲۔ ایضاً ص ص ۱۲-۱۴

۳۔ نعیم صدیقی، معاشی ناہمواریوں کا اسلامی حل، ص ص ۱۷-۴۰

اسلامی نظام معیشت کے قیام کے لئے پہلے ہمیں خدا کی رزاقیت پر کامل یقین ہونا چاہئے اور تمام معاشی جدوجہد اخلاقی حدود میں ہونی چاہیے اور جو بھی ضروریات سے زائد ہو اس کا انفاق لازم ہے۔ اخلاقی جدوجہد کے ساتھ ساتھ اسلامی معاشیات کے قانونی پہلوؤں پر بھی توجہ لازمی ہے جس میں زکوا وعشر کے قانون، تقسیم وراثت کے قانون، سود، قمار اور دیگر ناجائز ذرائع سے دولت کے حصول کے امتناع کے قوانین کا عملی اطلاق لازمی ہے۔(۱ـ)

پاکستان میں جاگیرداری نظام محض ظلم کی بدترین شکل ہے جن میں سے بیشتر زمینیں ناجائز ذرائع سے حاصل شدہ ہیں لہذا ان کی تنسیخ میں کوئی امر مانع نہیں ہونا چاہئے۔ اس ضمن میں حضرت عمرؓ کا عراق کی زمینوں کے بارے میں فیصلہ بنیاد بن سکتا ہے۔(۲ـ)

تجزیہ

عہد جدید میں اسلامی معاشیات پر لکھنے والوں نے اس موضوع کے مختلف پہلوؤں پر سیر حاصل بحث کی ہے مثال کے طور پر مختلف مفکرین نے پہلے اس امر پر بحث کی ہے کہ اسلامی معاشیات کا ایک جداگانہ مطالعہ کیوں ضروری ہے۔ اس حوالے سے انہوں نے نظریاتی، معاشی، سماجی، اخلاقی وروحانی، سیاسی، تاریخی اور بین الاقوامی حیثیتوں سے اسے علم کی ایک جداگانہ شاخ قرار دیا ہے جس کے اپنے بنیادی مفروضات ہیں اور ایک اسلامی معاشی طرز عمل دیگر نظام ہائے معیشت کے تحت طرز عمل سے جداگانہ حیثیت رکھتا ہے۔

اسلامی معاشی نظام کی بنیادی شناخت منجملہ تمام مفکرین کے نزدیک اخلاقی اقدار ہیں جن میں عدل واحسان کو معاشی نقطۂ نگاہ سے تقریباً تمام مفکرین نے نمایاں اہمیت دی ہے۔ اخلاقی اقدار پر انحصار

۱۔ ایضاً ص ۱۲۵۔۸۱

۲۔ ایضاً ص ۱۴۴۔۱۴۰

اسلامی معاشیات کی ایک ایسی شناخت ہے جس سے وہ دیگر کسی بھی نظامِ معیشت سے الگ ہو جاتی ہے۔ انہی اخلاقی اقدار کی وجہ سے اسلام ان تمام خرابیوں کا کامیابی سے استیصال کرنے میں کامیاب ہو جاتا ہے جو دیگر نظام ہائے معیشت میں عام طور پر پائی جاتی ہیں۔

اسلامی معاشی نظام کی ایک اور خصوصیت جس پر مفکرین نے نمایاں زور دیا ہے وہ دولت کی منصفانہ تقسیم کا نظام ہے اسلام میں دولت کی منصفانہ تقسیم پر بہت زور دیا گیا ہے۔ سود کے خاتمے سے اس مقصد کو خاطر خواہ انداز میں حاصل کرنے میں نمایاں مدد ملتی ہے۔ اس کے علاوہ نظامِ زکوٰۃ اس حوالے سے بہت اہمیت کا حامل ہے۔ یہ نظام ایک فلاحی معاشرے کے قیام کا ضامن ہے۔ نظام زکوٰۃ ہی وہ سماجی تحفظ فراہم کرتا ہے جو ایک اسلامی معیشت میں بہت حد تک انشورنس کا بدل ثابت ہوتا ہے۔

معاشی ترقی کے موضوع پر بھی متعدد مفکرین نے اظہار خیال کیا ہے اور اس ضمن میں یہ بات زور دے کر کہی گئی ہے کہ اسلام مادی ترقی کے ساتھ ساتھ روحانی ترقی پر بھی بہت زور دیتا ہے جس کے نتیجے میں دنیا اور آخرت دونوں کی خوشگواریاں نصیب ہوتی ہیں اس طرح یہ ثابت کیا گیا کہ اسلامی نظام معیشت ہی دیگر نظام ہائے معیشت کے مقابلے میں ایک جامع اور بہترین نظام ہے۔

جہاں تک عہد حاضر کے مفکرین کا تعلق ہے بلاشبہ انہوں نے اس موضوع کو بہت وسعت اور گیرائی دی ہے تاہم چند نقاط بہرحال ایسے ہیں جو تنقیح طلب ہیں مثلاً:

اخلاقی اقدار کا کردار:

بلاشبہ تقریباً تمام مفکرین نے بلا کسی استثنیٰ اسلامی معیشت کی بنیاد اخلاقی اقدار پر رکھی ہے اور اس حقیقت میں یقیناً کوئی شبہ بھی نہیں ہے کہ ایک مسلمان اور مسلم معیشت کی شناخت اخلاقی اقدار ہی ہوتی ہیں۔ تاہم مسلمان منکرین نے ان اخلاقی اقدار سے جو توقعات وابستہ کی ہیں اس کی بابت سوالات اٹھائے جا سکتے ہیں۔ کیونکہ اخلاقی اقدار پر عمل پیرا ہونا یا نہ ہونا بڑی حد تک شخصی معاملہ ہوتا ہے۔ اور یہ توقع کرنا یقیناً خلاف حقیقت امر ہے کہ ایک اسلامی معیشت میں ہر شخص، ہر وقت اخلاقی اقدار پر عمل پیرا ہوگا۔ ان اخلاقی اقدار

سے شخصی یا عمومی انحراف کی صورت میں معاملات پر انضباط کی کیا شکل ہوگی؟ اس کی بابت ہمیں کہیں کوئی بحث نہیں ملتی۔

اس حوالے سے یہ امر بھی قابل توجہ ہے کہ افراد کے ایک مخصوص گروہ یا جماعت کو تو سخت نظم وضبط اور تربیت کے ذریعے ان اخلاقی اقدار کا نمونہ بنایا جاسکتا ہے۔ تاہم یہاں مسئلہ کسی خاص گروہ، افراد یا جماعت کا نہیں بلکہ پوری قوم کا ہے۔ پوری قوم کو کس طرح اس راہ پر لایا جاسکے گا؟ اس حوالے سے کسی مفکر کے پاس کوئی لائحہ عمل نہیں ہے۔ اس حوالے سے بعض مفکرین کا یہ کہنا کہ ذرائع ابلاغ کی مدد سے ایسا کیا جانا ممکن ہوگا حقائق کو ضرورت سے زیادہ سادگی سے بیان کرنے کے مترادف ہے یا اسے حقائق سے فرار کا نام دیا جاسکتا ہے۔

ان اخلاقی اقدار کے حوالے سے ہی ایک اہم نقطہ یہ بھی ہے کہ ایک اسلامی معیشت میں سادگی پر بہت زور دیا گیا ہے اور بعض مفکرین کی جانب سے یہ بات زور دے کر کہی گئی ہے کہ ایک اسلامی معیشت میں تعیشات اور سہولیات کی پیداوار انتہائی کم سے کم ہوگی اور وسائل کا رخ ضروریات کی پیداوار کی طرف موڑ دیا جائے گا۔ یہ ایک بہت خوش آئند صورت حال ہے تاہم اصل سوال بدستور پھر بھی حل طلب رہ جاتا ہے اور وہ یہ ہے کہ اوّل تو اس کا تعین ہی آج کے دور میں خاصا محال ہے کہ کونسی اشیاء ضروریات میں ہیں کونسی سہولیات میں کونسی تعیشات میں؟

پھر اس کے علاوہ یہ سوال بھی تشنہ رہ جاتا ہے کہ اس مقصد کے لیے حکمت عملی کیا اختیار کی جائے گی؟ اگر وسائل کا رخ ضروریات کی طرف موڑنا ہو تو لامحالہ ان کی قیمتوں میں اضافہ کرنا ہوگا کیا یہ عمل انصاف کے اصولوں کے مطابق ہوگا؟۔

حکومت کا کردار:

معیشت میں حکومت کے کردار پر دور حاضر میں متعدد مفکرین نے بحث کی ہے۔ اور اس حوالے سے تقریباً تمام مفکرین اس امر پر متفق ہیں کہ ایک اسلامی معیشت میں حکومت کا کردار فلاحی نوعیت کا ہوتا ہے۔ بالفاظ دیگر آج کے دور میں ایک فلاحی ریاست جو فرائض انجام دیتی ہے بعینہ وہی فرائض ایک اسلامی حکومت کے بھی ہوتے ہیں۔

متذکرہ بالا حقیقت میں یقیناً کوئی شبہ نہیں ہے لیکن اصل سوال یہ ہے کہ اس مقصد کے لئے ایک اسلامی حکومت وسائل کہاں سے حاصل کرے گی؟ اس بابت بحث بہت کم بلکہ نہ ہونے کے برابر ہے۔

یہ صورت حال اس وقت اور پیچیدہ ہو جاتی ہے جب ہم یہ دیکھتے ہیں کہ بیشتر مفکرین کی رائے میں حکومت معیشت میں سادہ طلب و رسد کی قوتوں کے عمل میں بھی مداخلت نہیں کرسکتی اور اس کی یہ مداخلت صرف استثنائی صورتوں میں ممکن ہے اس کے علاوہ نہیں۔ اس حوالے سے یہ امر بھی ذہن میں رکھنا ضروری ہے کہ اسلامی معیشت میں حکومت کسی بھی طرح اجارہ داری کو روک نہیں سکتی۔ کیونکہ اس مقصد کے لئے اس کے پاس کوئی شرعی بنیاد موجود نہیں ہے۔ اس قسم کی صورت میں ایک اسلامی حکومت کس طرح معیشت میں کوئی مؤثر کردار ادا کرسکتی ہے؟ یہ ایک بہت بنیادی نوعیت کا سوال ہے جس کی طرف توجہ دینے کی ضرورت ہے۔

معاشی ترقی

معاشی ترقی کے موضوع پر بھی عہد حاضر میں مسلم ماہرین معاشیات نے توجہ دی ہے اور متعدد مفکرین نے اس حوالے سے حکمت عملیاں تجویز کی ہیں۔ تاہم ان تمام حکمت عملیوں میں چند عمومی نوعیت کے اقدامات تجویز کئے گئے ہیں تاہم ایسا کوئی ماڈل یا حکمت عملی وضع نہیں کی جاسکی جسے خالصتاً اسلامی ماڈل کہا جاسکتا ہو۔

معاشی ترقی کے حوالے سے اسلامی معاشی ماہرین میں سے بعض نے اس امر پر بھی زور دیا ہے کہ اسلامی نقطہ نگاہ سے معاشی ترقی کا مقصد مادی فلاح و بہبود میں اضافے کے ساتھ ساتھ روحانی ترقی بھی ہے۔

تاہم روحانی ترقی ایک خالصتاً غیر مرئی مظہر ہے۔ جس کی بابت کچھ نہیں کہا جاسکتا کیونکہ اس کی پیمائش کسی طرح ممکن نہیں نہ ہی اس کی بابت کسی قسم کا کوئی اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ لہذا روحانی ترقی کا تصور محض ایک تجریدیت ہے اس سے ماسوا کچھ نہیں۔

بنیادی تحقیق کی کمی

اس حقیقت سے شاید انکار کرنا ممکن نہ ہو کہ بیشتر صورتوں میں اسلامی معیشت کے مباحث نظری حیثیت سے آگے نہیں بڑھ سکے۔ حرمت ربوٰ اسلامی معاشیات کی ایک اہم پہچان ہے تقریباً تمام مفکرین نے اس کی بابت بالواسطہ یا بلاواسطہ اظہار خیال کیا ہے تاہم تمام تر فکر کا محور یہ ہے کہ امتناع سود کی وجوہ اخلاقی ہیں۔ سود کے نقصانات کے حوالے سے جو بحث ہمیں ملتی ہے اس میں کچھ عمومی نوعیت کے بیانات شامل ہوتے ہیں جن سے بہر حال حتمی طور پر سود کے منفی اثرات کا اثبات ممکن نہیں ہوتا۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ اس حوالے سے ٹھوس سائنسی انداز میں تحقیق کی جائے اور سود کے نفسیاتی، سماجی اور معاشی نقصانات کو سائنسی بنیادوں پر دنیا کے سامنے لایا جائے۔

یہی صورت حال نظام زکوٰۃ کے حوالے سے ہے۔ تمام مفکرین اس نظام کو غربت کے خاتمے، دولت کی منصفانہ تقسیم اور سماجی عدل وانصاف کے لئے لازمی قرار دیتے ہیں اور یقیناً اس میں کوئی شبہ بھی نہیں ہے۔ تاہم کہیں یہ نظام اپنی عملی شکل میں موجود نہیں ہے۔ یہاں یقیناً اس راہ میں حائل سیاسی مشکلات سے انکار ممکن نہیں ہے لیکن اس کے ساتھ ساتھ یہ تلخ حقیقت بھی اپنی جگہ موجود ہے کہ اس کا کوئی نظریاتی ماڈل موجود نہیں ہے۔ جس کی ذمہ داری بہر حال اسلامی معاشی ماہرین پر ہی عائد ہوتی ہے جس سے صرف نظر نہیں کیا جاسکتا۔

عمومی انداز بیان

عہد حاضر کے مفکرین کی تحریروں کے تجزیے سے ایک اور بات جو سامنے آتی ہے وہ یہ ہے کہ بیشتر صورتوں میں انداز بیان ایک عمومی نوعیت کا ہوتا ہے مثلاً اس بات پر بہت زور دیا جاتا ہے کہ اسلام ایک عادلانہ نظام معیشت کا حامل ہے، یا اسلام ایک جامع حکمت عملی فراہم کرتا ہے۔ ظاہر ان تمام نقاط سے انکار ممکن نہیں ہے تاہم بد قسمتی سے یہ یا اس قسم کے دیگر مقاصد کے لئے کونسے ٹھوس اقدامات کیئے جائیں گے یا کونسی حکمت عملی اختیار کی جائے گی اس بات کی وضاحت نہیں کی جاتی جس کی وجہ سے فکری الجھاؤ پیدا ہوتا ہے۔

باب نمبر ۸

مباحث ربوٰا اور بلا سود بینکاری

پچھلے صفحات میں اسلامی معاشیات کے مختلف موضوعات پر اہلِ علم و تحقیق کی کاوشوں سے
اندازہ ہوتا ہے کہ اس تمام عرصے میں اسلامی مفکرین میں اگر کسی مسئلے پر قابل ذکر اختلاف رہا ہے تو
مسئلہ ربوٰا یا سود کا مسئلہ ہے۔ چنانچہ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس موضوع پر منتشر مباحث کو یکجا کر کے
ان کا جائزہ لیا جائے۔ اس مسئلے کی اہمیت اس لئے بھی زیادہ ہے کہ دور حاضر میں بلا سود بینکاری کی عالمی
کوششیں اسی کے فیصلہ کن نتیجے پر منحصر ہیں جن کا ذکر اس باب میں مباحث ربوٰا کے بعد کیا گیا ہے۔

مباحث ربوٰا / ربا

برصغیر پاک و ہند میں سود کے حوالے سے فکر کے دو (۲) پہلو ہیں۔ پہلی فکر کی ابتدا سود مند
تحریک سے ہوئی جس کا دوسرے باب میں ہم جائزہ لے چکے ہیں۔ بیسویں صدی کی چھٹی دھائی کے
اواخر میں اس فکر کو کچھ اصحاب کی جانب سے مزید جلا ملی اور انہوں نے اپنی اپنی فکر کے اعتبار سے سود مند
تحریک کے موقف کو ایک دوسرے انداز میں آگے بڑھانے کی کوشش کی۔ ان اصحابِ فکر میں ڈاکٹر
فضل الرحمٰن، سید محمد یعقوب شاہ، جناب عطاء اللہ پالوی اور جناب جعفر شاہ پھلواری وغیرہ شامل ہیں۔
ان مفکرین کی جانب سے اپنے موقف کے حق میں مندرجہ ذیل دلائل دیئے گئے ہیں۔

متاخرین تحریکِ سود مند کے دلائل کا تحقیقاتی اور تنقیحی جائزہ:

ڈاکٹر فضل الرحمٰن کے مطابق قرآن جس ربا کو ممنوع قرار دیتا ہے وہ دراصل قرض دہندہ کی
جانب سے مقررہ مدت پر ادائیگی قرض میں ناکامی کے بعد اصل زر میں ہونے والا وہ اضافہ ہے جس کے

نتیجے میں اصل زر دوگنا تا چار گنا ہو جاتا تھا۔ وہ ایک اور نکتے کی طرف بھی توجہ دلاتے ہیں وہ یہ ہے کہ عرب معاشرے کی رسم کے مطابق قرض دہندہ مخصوص مدت معینہ پر قرض خواہ کی جانب سے قرض کی ادائیگی میں ناکامی پر ہی دوگنا تا چار گنا زائد ادائیگی کا پابند نہیں ہوتا تھا بلکہ وہ ابتدائی مدت میں بھی اصل زر پر اضافی ادائیگی کرتا تھا۔(۱۔) لیکن ابتداء میں ہونے والا یہ اضافہ ربا نہیں سمجھا جاتا تھا تاہم قرض کی معیاد کی اختتام پر اگر مقروض رقم کی ادائیگی سے معذور ہو جاتا تو اصل زر کی مقدار میں غیر معمولی اضافہ کر دیا جاتا تھا جو دوگنا تا چار گنا ہوتا تھا۔(۲۔) ان کے نزدیک یہی وہ ربا ہے جسے قرآن میں ممنوع قرار دیا گیا ہے۔ اپنے اس موقف کے حق میں وہ سورۃ آل عمران کی آیت ۱۳۰ (۳۔) سے استدلال کرتے ہیں جس میں مسلمانوں کو دوگنا تا چار گنا ہونے والا سود کھانے سے منع کیا گیا ہے۔ ان کے نزدیک پورے قران مجید کی یہ واحد آیت ہے جس میں سود کی مقدار کی وضاحت کی گئی ہے لہذا ربا سے مراد صرف دوگنا تا چار گنا ہونے والا سود ہے۔ جو ظلم اور استحصال کی ایک انتہائی شکل ہے۔(۴۔) اسی وجہ سے ان کے نزدیک حرمت ربا کا پس منظر معاشی نہیں بلکہ اخلاقی ہے۔ اور اسے اسی پس منظر میں دیکھا جانا چاہئے۔(۵۔)

اس حوالے سے سید یعقوب شاہ کا نقطۂ نظر یہ ہے کہ امتناعِ سود کی دو (۲) آیات (سورۃ آل عمران آیت ۱۳۰ اور سورۃ البقرۃ آیت ۲۷۵) میں ربا کا لفظ الف لام کے ساتھ ہے۔ لہذا ''الربا'' سے مراد وہ لیا جائے گا جسے قرآن کے مخاطبین اہل عرب بخوبی جانتے تھے۔ چونکہ الربا ایک خاص قسم کی زیادتی تھی

۱۔ ڈاکٹر فضل الرحمٰن، تحقیق الربا، ماہنامہ فکر و نظر، جلد ۱، شمارہ ۵، نومبر ۱۹۶۳ء، ص ۱

۲۔ ایضاً ص ۵۸

۳۔ یاایها الذین امنو لا تاکلوا الربوا ضعافا مضعفته واتقوا الله لعلکم تفلحون
اے اہلِ ایمان! تم (اپنے مال پر) دوگنا چوگنا سود نہ کھاؤ اور اللہ کا تقویٰ اختیار کرو تاکہ تم فلاح پاؤ۔

۴۔ فضل الرحمٰن، تحقیق الربا، ص ۸۸

۵۔ ایضاً ص ۸۸

اسلئے قرآن وسنت میں اس کی تصریح نہیں کی گئی۔ لہذا یہ لازمی ہے کہ اس خاص زیادتی یا بڑھوتری کو دیکھ جائے جو اس زمانے میں عربوں میں متداول تھی۔ (۱ـ) عرب معاشرے میں ربا سے مراد قرض کی مقدار میں ہونے والا وہ دوگنا، سہ گنا یا چہار گنا اضافہ تھا جو قارض، مقروض سے قرض کی عدم ادائیگی کی صورت میں وصول کرتا تھا۔ اس قسم کے قرضے محض صرفی قرضے ہوتے تھے پیداواری نہیں اور بہ زیادہ تر مجبوراً لیئے جاتے تھے لہذا یہ محض استحصال کی ایک بدترین صورت تھی یہی وہ ربا ہے جس کی تحریم کا حکم قرآن دیتا ہے۔ (۲ـ)

اس فکر کے حاملین میں جناب عطاء اللہ پالوی صاحب کا نام اس حوالے سے اس لئے انفرادیت حامل ہے کہ انہوں نے سرے سے تحریمِ ربا کو تسلیم کرنے سے ہی انکار کر دیا۔ ''میرے نزدیک قرآن میں ربا کو فی نفسہ کہیں بھی حرام قرار نہیں دیا گیا اور نہ ہی حرام قرار دیا جا سکتا تھا اس لئے کہ قرآن قیامت تک کے لئے ہے۔'' (۳ـ)

اپنے اس دعوے کے اثبات میں قرآن مجید کی ربا سے متعلق تمام آیات کے تجزیے کے بعد اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ ان آیات میں کہیں بھی فی نفسہ ربا کو حرام قرار نہیں دیا گیا۔ ان کے نزدیک ان مجملہ تمام آیات میں صرف ایک جملہ ایسا ہے جس کو بنیاد بنا کر ربا کو حرام قرار دیا جاتا ہے اور وہ جملہ سورۃ البقرہ کی آیت ۲۷۵ کا مندرجہ ذیل ٹکڑا ہے۔

احل اللہ البیع و حرم الربو' (اللہ نے بیع کو حلال قرار دیا ہے اور ربٰو کو حرام) ان کے نزدیک آیت کا یہ جملہ جس کی بنیاد پر حرمتِ ربا کا تصور پیدا ہوتا ہے درحقیقت اللہ کا حکم نہیں بلکہ تاویل کرنے والوں کے قول کا ہی ایک ٹکڑا ہے (۴ـ) اور مطلب صاف یہ ہے کہ جن لوگوں کو منع کیا جاتا ہے کہ

۱ـ مولانا محمد جعفر شاہ پھلواری، مرتب، کمرشل انٹرسٹ کی فقہی حیثیت، ص ۱۴

۲ـ ایضاً ص ۱۷

۳ـ ایضاً ص ۱۲۵

۴ـ ایضاً ص ۱۱۵

لوگ ضرورت مندوں کو قرض دو تو ان سے اس پر بڑھوتری نہ لو تو وہ لوگ کہتے ہیں کہ یہ عجیب حکم ہے کہ جن لوگوں سے ہمیں ربا لینے سے منع کیا جاتا ہے اگر ہم ان کے ساتھ بیع کا معاملہ کریں اور اس میں جو بڑھوتری ہو وہ جائز و حلال قرار پائے آخر یہ کیا بات ہوئی کہ اپنے کو ہم کوئی رقم قرض دیں تو اس پر ان سے کوئی بڑھوتری نہ لیں؟ آخر بیع بھی تو مثل ربا ہے۔(۱ے)

لہذا حرمتِ ربا قرآن سے ثابت نہیں۔ وہ ربا جس سے قرآن میں مجتنب رہنے کا حکم ہے وہ تو محض وہ اضافہ ہے جو کسی ضرورتمند شخص کو قرض دے کر اصل پر وصول کیا جائے۔(۲ے)

اس حوالے سے ایک اور اہم نام مولانا محمد جعفر شاہ پھلواری کا ہے۔ ان کے نزدیک ربا در حقیقت ایک ذہنی کیفیت کا نام ہے۔ یہ سنگ دلی کا ایک پہلو ہے جو ظلم سے پیدا ہوتا ہے جس کا بنیادی مقصد صرف اپنے منافع کی خاطر دوسروں کی مجبوری سے ہر قیمت پر فائدہ اٹھانا ہوتا ہے۔ ربا کی یہ استحصالی شکل حرام ہے لیکن اگر راس المال میں ہونے والا اضافہ باہمی رضا مندی سے ہو تو جائز ہے۔(۳ے)

اپنے اس دعوے کی بنیاد وہ مختلف احادیث اور روایات پر رکھتے ہیں جن میں آپ ﷺ اور صحابہ کرامؓ سے ایسے واقعات منسوب کئے گئے ہیں جن میں باہمی رضامندی سے راس المال میں اضافہ ہوا اسی وجہ سے بیع اور ربا میں بنیادی فرق ان کے نزدیک جذبہ کا ہے۔(۴ے) سود کے حق میں وہ اپنے دلائل بالعموم درست تسلیم کئے جانے والے تصورات پر اعتراضات کی شکل میں پیش کرتے ہیں مثلاً:۔

۱۔ ان کا پہلا اعتراض یہ ہے کہ سود صرف قرض پر ممنوع ہے جب کہ کرایہ جائز ہے تو یہ کیسے

۱ے ایضاً ص ۱۲۵

۲ے ایضاً ص ۱۲۵

۳ے ایضاً ص ۸۴۔۸۳

۴ے ایضاً ص ۶۴

ممکن ہے کہ سرمائے کی ایک شکل کا معاوضہ جائز ہو اور دوسری شکل کا ناجائز قرار پائے۔(۱ے)

۲۔ بنکوں کا سود مضاربت سے غیر معمولی مشابہ ہے اور محض جزوی لحاظ سے الگ ہے۔ یہ مضاربت ان معنوں میں ہے کہ جس طرح مقروض قارض کو اپنے منافع کا ایک حصہ ادا کرتا ہے اسی طرح بنک بھی اپنے کھاتہ دار کو اپنے منافع کا ایک حصہ ادا کرتا ہے صرف اتنا فرق ہے کہ اول الذکر میں یہ متعین اور ثانی الذکر میں غیر متعین ہوتا ہے۔(۲ے)

۳۔ شریعت میں چونکہ کرایہ، جاگیرداری اور مضاربت جائز ہیں اور یہ سب ناکمائی ہوئی آمدنی کے ذرائع ہیں اور بنک کا سود بھی ایک ناکمائی ہوئی آمدنی ہے لہٰذا اس پر تنقید بلاجواز ہے۔(۳ے)

۴۔ بیع سلم اور بنک کے سود میں ماسوا اس کے اور کوئی فرق نہیں کہ اول الذکر میں قارض اضافی رقم اجناس کی شکل میں وصول کرتا ہے جبکہ سود میں یہ زر کی شکل میں ہوتی ہے۔(۴ے)

۵۔ قرآن مجید میں سورۃ النساء کی آیت ۲۹ کی رو سے تجارت باہمی رضامندی سے ہونی چاہئے اور بنک کے سود میں یہ شرط بہر حال پوری ہوتی ہے۔

۶۔ آنحضرت ﷺ سے منسوب کچھ واقعات کی بنیاد پر ربا کی مہلت کا جواز نہیں ملتا ہے بشرطیکہ اضافی ادائیگی بالرضا ہو۔

۷۔ بیع کی حرمت کے باوجود بعض اقسام کی بیع حرام ہیں مثلاً بیع عزر اور بیع بالقاء البحر وغیرہ لہٰذا ربا بھی محض اضافے کا نام نہیں کہ ہر اضافہ حرام ہو لہٰذا ربا صرف اس وقت حرام ہوگا جب وہ استحصالی پہلو رکھتا ہو۔(۵ے)

۱ے ایضاً ص ص ۷۶۔۷۵

۲ے ایضاً ص ۷۳

۳ے ایضاً ۷۶

۴ے ایضاً ص ۷۷

۵ے ایضاً ص ص ۹۳۔۸۲

تنقیدی جائزہ :

سود سے متعلق اس مخصوص نقطۂ نظر کے دلائل کا اگر تنقیدی جائزہ لیا جائے تو یہ بات سامنے آتی ہے کہ بیشتر دلائل اس حوالے سے اسلام کی مکمل تعلیمات یا قرآن مجید کی ربا کے حوالے سے تمام آیات کو سامنے رکھ کر اخذ نہیں کئے گئے ہیں بلکہ ہر مفکر نے محض ایک یا دو آیات سامنے رکھی ہیں اور بقیہ آیات کو نظر انداز کر کے دلائل اخذ کیئے ہیں جس کی وجہ سے معاملات کے جزوی پہلو سامنے آسکے ہیں۔ مثلاً اس فکر کے جملہ مفکرین نے کم و بیش ایک بات بہت زور دیکر کہی کہ قران مجید کی جانب سے ربا کو صدقات اور زکوٰۃ کے بالمقابل لانا اس کے استحصالی پہلو کو ظاہر کرتا ہے لہذا ربا محض استحصال کی ایک شکل کے امتناع کا نام ہے اس سے زائد نہیں۔

یہ مفروضہ درست نہیں۔ اصل صورت حال یہ ہے کہ "قرآن مجید دونوں کو آمنے سامنے لاکر درحقیقت "لینے کے عمل" (ربا) اور "دینے کے عمل" (صدقات اور زکوٰۃ) کو اجاگر کرنا چاہتا ہے۔"(۱ـ) اول الذکر عامل کسی بھی معیشت میں سکڑاؤ جبکہ ثانی الزکر پھیلاؤ پیدا کرتا ہے۔

ڈاکٹر فضل الرحمٰن کا یہ موقف کہ ربا محض دوگنا یا چار گنا اضافے کا نام ہے اس لئے درست نہیں کیونکہ متذکرہ آیت (۱۳۰ / ۳) کے الفاظ "اضعافاً مضاعفۃً" میں سود کی بنیادی کیفیت اور ایک خاص صورت کا بیان ہے۔ یہاں یہ الفاظ کسی قانونی شرط پر دلالت نہیں کرتے بلکہ زائد رقم کا تصور دلانے کے لئے ہیں۔ مثال کے طور پر سورۃ البقرہ آیت ۴۱ میں ارشاد ربانی ہے لا تشروا بایاتی ثمناً قلیلا۔ "میری آیات کے بدلے میں تھوڑی سی قیمت نہ لو"۔ یہاں ظاہر ہے "تھوڑی سی قیمت" قانونی شرط نہیں محض تصور دلانے کیلئے ہے اس سے یہ مطلب اخذ نہیں کیا جاسکتا کہ آیات قرآنی کو بڑی قیمت کے عوض فروخت کیا جاسکتا ہے۔"(۲ـ)

۱ـ غلام احمد پرویز، لغات القرآن، ج ۲، ص ۷۰۲

۲ـ معارف اسلامیہ، بہ عنوان ربا از مفتی محمد شفیع، جلد ۱۸، ص ۱۷۲

جہاں تک اس استدلال کا تعلق ہے کہ ربا محض صرف قرضوں پر اہل عرب وصول کرتے تھے تجارتی قرضوں پر نہیں اس کی مؤثر تردید مولانا مودودی نے اپنی کتاب ''سود'' میں کی ہے جس کا تذکرہ کیا جاچکا ہے۔

اس حوالے سے جہاں تک عطاء اللہ پالوی صاحب کے نقطۂ نظر کا تعلق ہے یہاں بھی صورت حال میں کوئی جوہری تبدیلی واقع نہیں ہوئی ہے اگر ایک لمحے کیلئے ان کا یہ استدلال تسلیم کرلیا جائے کہ سورۃ البقرہ آیت ۲۷۵ کا یہ ٹکڑا احل اللہ البیع و حرام الربو محض استدلال کرنے والوں کے جملے کا حصہ ہے اور ارشاد ربانی نہیں تو بھی قرآن مجید کی ان دیگر قطعی واضح آیات کی تفسیر کیا کی جائے گی جن میں قطعی واضح اور صریح انداز میں محض اصل زر واپس لینے کو کہا گیا ہے اور کسی بھی قسم کی اضافی ادائیگی کی شدت سے مناہی کی گئی ہے۔

مثلاً :

یا ایھاالذین امنو اتقو اللہ و ذروا ما بقی من الربو ان کنتم مومنین(۱-ب)

ترجمہ :اے اہل ایمان !اللہ کا تقویٰ اختیار کرو اور اگر تم مومن ہو تو سود میں جو کچھ باقی ہو اسے چھوڑ دو۔

فان لم تفعلوا فاذنوا بحرب من اللہ و رسولہ و ان تبتم فلکم رؤس اموالکم لا تظلمون ولا تظلمون۔(۲-ب)

ترجمہ : اور اگر تم نے ایسا نہ کیا تو اللہ اور اس کے رسولؐ کی طرف سے جنگ کا یقین کرلو اگر تم سود سے مجتنب رہو تو تمہارے اصل اموال تمہارے لئے وصول کرنا جائز ہیں (اس صورت میں) نہ تم کسی پر ظلم کرو گے اور نہ تم پر ظلم ہوگا۔

یہ آیات واضح طور پر اس امر کی کھلی شہادت ہیں کہ اصل زر سے زائد کوئی بھی رقم کسی بھی

۱-ب القرآن، سورۃ البقرہ، آیت ۲۷۸

۲-ب القرآن، سورۃ البقرہ، آیت ۲۷۹

صورت میں وصول کرنا حرام ہے۔

اس ضمن میں جعفر شاہ پھلواری کے جہاں تک مختلف اعتراضات نما دلائل کا تعلق ہے ان میں پہلی دلیل کے مطابق روایات و احادیث میں ایسے واقعات کا تذکرہ ملتا ہے جن میں آنحضرت ﷺ نے قرض کی واپسی کے وقت اصل زر سے زائد ادا کیا تاہم اسے ربٰا اس لئے نہیں کہا جاسکتا کیونکہ یہ زائد ادائیگی معاہدے کا حصہ نہیں تھی۔(۱-)

جہاں تک ان کے اس استدلال کا تعلق ہے کہ جب سرمائے کی ہر شکل (ماسوا زر) کا کرایہ جائز متصور ہوتا ہے، مضاربت بھی جائز ہے تو پھر صرف سرمائے کی اصل شکل کا معاوضہ کیوں حرام ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ سرمائے کی کسی بھی دیگر شکل کو جب استعمال کے لئے مالک کسی دیگر شخص کو کرائے پر دیتا ہے تو اسے (مالک کو) اس کا اثاثہ استعمال کے بعد فرسودگی کی وجہ سے اصل حالت میں نہیں ملتا۔ کرایہ اس کے اس نقصان کی تلافی ہے جبکہ زر استعمال کے لئے دیئے جانے کے بعد قارض کو اصل حالت میں واپس مل جاتا ہے اور اس میں کوئی فرسودگی واقع نہیں ہوتی لہذا اس کا کرایہ حرام ہے۔(۲-) بالفاظ دیگر ماسوا زر سرمائے کی دیگر شکلوں کا معاوضہ (کرایہ) بہ وجہ فرسودگی جائز ہے۔

اسی حوالے سے یعنی کرائے کے جواز میں کچھ دلائل اور بھی دیئے جاتے ہیں اول یہ کہ کرائے کی صورت میں اشیاء کی ملکیت تبدیل نہیں ہوتی کرایہ دار، مالک دوکان یا مالک مکان نہیں بن سکتا، نہ اس میں مالک کی مرضی کے بغیر کسی قسم کے تصرف کا حق رکھتا ہے جبکہ سرمایہ دار کی رقم جب سرمایہ دار سے جدا ہوئی تو وہ دوسرے کی ملکیت ہوگئی اب وہ اسے جس طرح چاہے استعمال کر سکتا ہے۔"(۳-) جب کہ اس حوالے سے دوسری دلیل یہ ہے کہ "کرائے کی صورت میں اثاثہ کی بنیادی شکل و حیثیت مثلاً مکان،

۱- معارف اسلامیہ، ص ۱۷۲

۲- مولانا عبدالرحمٰن کیلانی، تجارت و لین کے مسائل اور احکام، مکتبہ السلام، ۱۹۹۱ء لاہور، ص ۹۶

۳- ایضاً

دوکان اور مشین وغیرہ ویسی ہی رہتی ہیں جبکہ سرمائے کی شکل تبدیل کر کے اسے کسی بھی دوسری شکل میں تبدیل کر دیا جاتا ہے اس کے بغیر تجارت ممکن نہیں۔" (۱)

اس ضمن میں تیسری دلیل یہ ہے کہ زر نقد محض آلۂ مبادلہ ہے اس کی ذات میں نفع آوری کی صفت سرے سے موجود ہی نہیں لہذا اس کا استعمال ممکن نہیں جب کہ اثاثہ جات استعمال کئے جاتے ہیں۔ اور ان کے استعمال کا معاوضہ کرایہ کی شکل میں ادا کیا جاتا ہے یعنی ان میں نفع پہنچانے کی صفت موجود ہے لہذا اس نفع اور فائدہ کا معاوضہ بھی ہونا چاہئے جو کرایہ ہے اور جائز ہے۔" (۲) لہذا ان وجوہ کی بنا پر ماسوا زر کسی بھی اثاثے / سرمائے کا کرایہ جائز ہے جبکہ قرض خالصتاً زر کی شکل میں دی جانے والی رقم کا معاوضہ ربا کی شکل میں حرام ہے۔ اس حوالے سے چوتھی دلیل وہ خطرہ ہے جو اشیاء کرائے پر دینے والا مول لیتا ہے اور منافع چونکہ خطرے سے مشروط ہے لہذا جائز ہے۔

مطلق تحریم ربا کا تصور

اس امر پر اب کوئی دو آراء نہیں ہیں کہ ربا سے مراد قرض پر اصل زر سے زائد وصول کی جانے والی رقم ہے قطع نظر مقصدِ قرض اور اضافے کی مقدار کے مطلق حرام ہے۔ اس فکر کی راستی پر مہر تصدیق فیڈرل شریعت کورٹ اور سپریم کورٹ (اپنے اپنے فیصلوں میں) ثبت کر چکی ہیں۔ اسی بنیاد پر وفاقی شرعی عدالت نے سود سے متعلق اپنے تاریخی فیصلے میں ربا کی تعریف ان الفاظ میں کی ہے "قرض کی اصل رقم پر جو زائد رقم مدت و مہلت کے مقابلے میں بطور شرط و معاہدہ لی جائے وہ ربا ہے۔" (۳)

۱۔ ایضاً

۲۔ ایضاً، ص ۹۸

۳۔ وفاقی شرعی عدالت کا سود (ربا) پر فیصلہ (پی ایل ڈی ۱۹۹۲ء)، ص

صرف قرض پر ربا کا تعین سورۃ البقرہ کی آیات ۲۷۹ میں استعمال ہونے والے الفاظ۔

رؤس اموالکم (۲/۲۷۹) اصل اموال۔

و ان کان ذو عسرة (۲/۲۸۰) اگر وہ تنگدست ہو۔

فنظرة الی میسرة (۲/۲۸۰) کشادگی ہونے تک مہلت دو۔

کی مدد سے کیا جاتا ہے جو اس امر کی شہادت ہیں کہ ربا کا مال مہلت اور مدت کے بدلے لیا جاتا ہے۔(۱ے)

اس بنیاد پر قرض کا کوئی بھی ایسا معاہدہ ربٰو میں شامل متصور ہوگا جس کے تحت ادائیگی قرض پر اصل زر سے زائد کوئی بھی رقم ادا کی گئی ہو یہ اضافی رقم ربا کہلائے گی۔(۲ے) اس حوالے سے مندرجہ ذیل امور طے شدہ ہیں۔

(الف): اضافے کی مقدار یا اس کی شرح خواہ وہ انتہائی معمولی کیوں نہ ہو ربا متصور ہوگی۔(۳ے)

(ب): قرض کی نوعیت خواہ پیداواری ہو یا غیر پیداواری یعنی قرض تجارتی مقاصد کے لئے لیا گیا ہو یا صرفی مقاصد کے لئے اس سے کوئی فرق نہیں پڑے گا۔(۴ے)

(ج): قرض کی مدت کے دوران کرنسی کی قوت خرید میں کمی / بیشی کوئی عامل متصور نہیں کی جائے گی۔(۵ے) اس کی وجہ سے یہ ہے کہ قیمتوں میں کمی / بیشی حالات کی وجہ سے ہوتی ہے جن پر قرض دار کا کوئی عمل دخل نہیں ہوتا لہذا وہ ان کا مکلف نہیں ٹھہرایا

۱ے ایضاً، ص ۲

۲ے ایضاً، ص ۲

۳ے ایضاً، ص ۲

۴ے ایضاً، ص ۱۳۰

۵ے ایضاً، ص ۱۳۰

جاسکتا۔ قرآن مجید میں صرف اصل رقم کی واپسی کا حکم ہے لہذا ان عوامل کو جو کرنسی کی قیمت میں تبدیلی لاتے ہیں زیر بحث نہیں لایا جاسکتا۔(۱ـ)

(د): ربا کی اس تعریف میں سود مفرد اور سود مرکب، دونوں حرام ہیں۔ ''حرم الربا'' میں لفظ ربا عام ہے جس میں تخصیص واستثناء کی کوئی دلیل موجود نہیں بلکہ عدم تخصیص کی دلیل موجود ہے اور وہ ''فان تبتم فلکم رء وس اموالکم'' کے الفاظ ہیں۔ اس آیت میں صرف راس المال ہی لینے کا حق تسلیم کیا گیا ہے۔(۲ـ)

(ر): سونا، چاندی یا کرنسی کو بطور ذریعۂ پیداوار پر قیاس کر کے ان کا کرایہ نہیں لیا جاسکتا۔(۳ـ)

(ہ): دو مسلمان یا مسلم اور غیر مسلم ریاست کے مابین سود کی بنیاد پر کاروبار بھی ناجائز ہے۔(۴ـ)

اس بنیاد پر سود سے مراد وہ رقم ہو گی جو راس المال پر مدت کے مقابلے میں شرط اور تعیین کے ساتھ لی جائے۔ گویا سود کے تین اجزائے ترکیبی ہیں اول راس المال میں اضافہ دوم اضافہ کا تعین بلحاظ مدت اور سوم معاملے کا اس سے مشروط ہونا۔(۵ـ)

یہاں یہ ضروری ہے کہ بیع اور ربا میں جو فرق ہے اسے سامنے رکھا جائے اسلامی نقطۂ نگاہ سے بیع اور ربا میں فرق مندرجہ ذیل ہے۔

۱۔ بیع میں تین چیزوں کی موجودگی لازمی ہے اول بائع (فروخت کنندہ) دوم مشتری (خریدار) اور

۱ـ ایضاً، ص ۸۱

۲ـ ایضاً، ضمیمہ، ص ۶، ص ۱۹

۳ـ ایضاً، ص ۷۷

۴ـ ایضاً، ص ۹۹

۵ـ مولانا مودودی، سود، ص ۱۱۱

سوم وہ شے جس کی خرید و فروخت مطلوب ہے۔ بائع اس ہیں شے پیدا کرنے کی صورت میں یا فراہمی کی صورت میں محنت کے عوض منافع وصول کرتا ہے جبکہ ربا میں رقم اس شرط پر قارض، مقروض کو دیتا ہے کہ ایک مخصوص مدت کے بعد ایک مخصوص پہلے سے متعینہ رقم راس المال سے زائد وصول کی جائے گی۔ حتیٰ کہ بیع میں بھی اگر یہ اضافہ مہلت سے مشروط ہو تو یہ زیادتی سود کی حدود میں آجائے گی۔(۱ـ)

۲۔ بیع میں مشتری اور بائع کے درمیان منافع کا مبادلہ برابری کی بنیادی پر ہوتا ہے مشتری حاصل ہونے والی شے سے منفعت حاصل کرتا ہے جبکہ بائع، اپنی محنت، ذہانت اور وقت کی اجرت لیتا ہے جس کو اس نے مشتری کو وہ شے فراہم کرنے پر خرچ کیا۔

۳۔ بیع میں بائع مشتری سے منافع کی مقدار سے قطع نظر صرف ایک دفعہ ہی لیتا ہے جبکہ سود کی شکل میں یہ معاملہ مسلسل رہتا ہے اور اصل زر کی واپسی تک محیط ہوتا ہے۔(۲ـ)

۴۔ بیع میں شے کا ایک خاص قیمت پر تبادلہ ہونے کے بعد معاملہ ختم ہو جاتا ہے اور مشتری کوئی شے بائع کو دینے کا مکلف نہیں رہتا لیکن ربا کے معاملے میں قرض دہندہ پہلے راس المال لے کر صرف کر دیتا ہے پھر اس راس المال کو سود کے اضافے کے ساتھ واپس کرنا ہوتا ہے۔(۳ـ)

۵۔ بیع میں انسانی محنت صرف ہوتی ہے جبکہ سودی کاروبار میں محنت کا عنصر موجود نہیں ہوتا۔(۴ـ)

۱ـ ایضاً، ص ص ۱۱۱۔ ۱۱۰

۲ـ ایضاً

۳ـ ایضاً، ص ۱۱۲

۴ـ ایضاً، ص ۱۱۲

ربا الفضل

"ربا کی دوسری قسم ربا الفضل ہے۔۔۔ربا الفضل دراصل اس اضافے کو کہا جاتا ہے جو چ
مخصوص اجناس کے ہم جنس تبادلے پر لیا جائے یہ اجناس سونا، چاندی، گندم، جو، کھجور اور نمک ہیں
بعض فقہا نے ان چھ چیزوں پر قیاس کر کے ربا الفضل کا دائرہ خاصا وسیع کر دیا ہے اور بعض نے محدود ر
ہے لیکن ان مخصوص اجناس کی مکمل قانونی تعریف ہر فقیہ کے یہاں جدا ہے۔"(ا-)

"ربا الفضل کی حرمت در حقیقت ایک انسدادی نوعیت کا حکم ہے۔ اہل عرب میں چونکہ اشی
کے ہم جنس تبادلے کا دستور تھا اور اس میں کمی بیشی رائج تھی اور خطرہ تھا کہ یہ چیز ربا النسیۃ کے ارتکاب
کا پیش خیمہ بنے گی۔ اس لئے آنحضرت ﷺ نے اس سے منع فرمادیا۔ چنانچہ بعض روایات میں حرمت
ربا الفضل کے بیان کے ساتھ آپؐ کے یہ الفاظ بھی منقول ہیں۔ انی اخاف علیکم الربا یعنی مجھے تم
ربا کا خوف ہے۔۔۔ اس سے واضح ہے کہ ربا الفضل کی حرمت در حقیقت ربا النسیۃ ہی کے مکمل سدباب
کے پیش نظر کی گئی تھی۔"(۲-)

اسی طرح متاخرین تحریک سود مند کے دلائل کی تنسیخ عدالت عظمیٰ کے فیصلے کے مختلف نکات
میں کی گئی ہے عدالت کے فیصلے کے مطابق عدالت کے سامنے تحریم ربا کے خلاف پانچ دلائل پیش کئے
گئے جو مختصراً مندرجہ ذیل ہیں۔

ا) پہلے دلائل کا تعلق ربا کی اصطلاح کی وضاحت سے ہے۔ ان دلائل کے تحت یہ کہا گیا کہ تحر
ربا کا حکم بالکل آخر میں نازل ہونے والے احکام میں سے ایک ہے اور آنحضرت ﷺ کو اتنا وقت
نہیں ملا کہ وہ اس کی مناسب تشریح کر سکتے پھر قرآن و سنت میں اس اصطلاح کی کوئی جا
تعریف بھی نہیں ہے لہذا یہ اصطلاح متشابہات میں شامل ہے۔ ربا کا اطلاق محض ان

ا- معارف اسلامیہ، ص ۱۷۷

۲- ایضاً، ص ۱۷۸

ا- عدالت عظمیٰ کا ربا سے متعلق فیصلہ (پی ایل ڈی ۲۰۰۰ء)، ص ۴

مخصوص معاملات پر ہوتا ہے جن کی وضاحت احادیث میں کی گئی ہے اور جدید بنکاری نظام پر اس کا اطلاق نہیں ہوتا۔

۲) دوسرے دلائل کے مطابق ربا کا اطلاق قرضوں پر غیر معمولی شرح سود پر ہوتا ہے جو محض استحصال کی ایک شکل ہے جبکہ جدید بینکاری کا نظام ربا سے مشابہہ نہیں ہے کیونکہ اس میں شرح سود بہت کم ہوتی ہے۔

۳) تیسرے قسم کے دلائل کے مطابق قرآنی اصطلاح ربا کا اطلاق صرف صرفی قرضوں پر ہوتا ہے جو غریب اور ضرورت مند افراد اپنی ذاتی ضروریات کی تکمیل کے لئے لیتے ہیں۔ یہ لوگ ہمدردی کے مستحق ہوتے ہیں لیکن امیر لوگ ان کی مجبوریوں سے ناجائز فائدہ اٹھاتے ہوئے ان کا استحصال کرتے ہیں لہذا قرآن نے تحریم ربا کے ذریعے اسی قسم کے استحصال کو روکا ہے۔

۴) چوتھی قسم کے دلائل کے مطابق قرآن نے صرف ربا الجاہلیہ سے منع کیا ہے جو کئی روایات کے مطابق قرض کا ایک خاص طریقہ تھا جس کے تحت عرب معاشرے میں قارض، مقروض سے قرض کی جو مدت طے کرتا تھا اس میں کوئی اضافی رقم وصول نہیں کی جاتی تھی لیکن اگر مقروض اس خاص مدت پر قرض کی ادائیگی سے معذور ہو جاتا تھا تو قارض اصل رقم میں دوگنا تا چار گنا یا زائد اضافہ کر دیتا تھا۔ اس نظریے کے مطابق اگر اضافی رقم ابتدائی معاہدہ میں طے ہوتی تو اسے ربا القرآن کی تعریف کے تحت نہیں لایا جاسکتا بلکہ اسے ربا الفضل کے تحت لیا جاسکتا ہے جسے سنت میں منع کیا گیا ہے اور اس کا امتناع نسبتاً کم تر درجے کا ہے جسے مکروہ تو کہا جاسکتا ہے حرام نہیں۔(۱۔)

۵) پانچویں قسم کے دلائل کے تحت یہ تسلیم کیا جاتا ہے کہ جدید مبنی بر سود معاملتیں حرمت ربا کے دائرے میں آتی ہیں تاہم کمرشل انٹرسٹ موجودہ نظام کی ریڑھ کی ہڈی ہے اور کوئی بھی

۱۔ عدالت عظمیٰ کا ربا سے متعلق فیصلہ (پی ایل ڈی ۲۰۰۰ء)، ص ۴

ملک سودی معاملات میں ملوث ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا لہذا ایسی صورت حال میں سود کا خاتمہ ملکی اور غیر ملکی معاملتوں کے لئے تباہ کن ثابت ہو سکتا ہے۔ اسلام ایک عملی دین ہونے کے ناطے نظریۂ ضرورت کو تسلیم کرتا ہے اور استثنائی حالتوں میں حرام کھانے کی اجازت بھی دیتا ہے۔ لہذا سودی معاملات پر بھی اسی اصول کا اطلاق کرتے ہوئے ایسے قوانین جن کے تحت سودی معاملتوں کی اجازت ہے انہیں خلاف اسلام قرار نہ دیا جائے۔(۱ے)

تاہم عدالت عظمیٰ نے ان دلائل کو مسترد کرتے ہوئے یہ فیصلہ دیا کہ "حرمت ربا کے پس منظر میں مختلف اقسام کے قرضوں میں کوئی فرق نہیں ہے اس امر سے بھی کوئی فرق نہیں پڑتا کہ قرض چھوٹا ہے یا بڑا لہذا یہ طے ہے کہ سود کی مروج اشکال چاہے وہ بینکنگ کے معاملات میں ہوں یا نجی معاملتوں میں ہوں وہ ربا کی تعریف میں آتی ہیں اسی طرح اگر کوئی سود جو حکومتی قرض میں شرط ہو چاہے اسے مقامی یا غیر ملکی ذرائع سے حاصل کیا گیا ہو وہ ربا ہے اور اسے واضح طور پر قرآن میں منع کیا گیا ہے۔(۲ے)

اس بحث کے نتیجے میں ربا کے تصور کے حوالے سے دو (۲) بنیادی حقائق ہمارے سامنے آتے ہیں۔

(الف) : ربا کا تصور صرف اور صرف قرض کی شکل میں اصل زر کی اضافی مقدار تک محدود ہے جو مدت و مہلت کے مقابلے میں بطور شرط و معاہدہ لی جائے۔

(ب) : ماسوا زر سرمایہ کسی بھی شکل میں لامحدود حد تک کرائے پر دیا جا سکتا ہے اور کرایہ کا جواز اثاثے کی فرسودگی یا اس کی شکل میں تبدیلی یا اس کی ملکیت میں تبدیلی سے حاصل ہوتا ہے۔ جن کی وضاحت کی جا چکی ہے۔

۱ے ایضاً، ص ۴

۲ے ایضاً، ص ص ۶-۵

حرمت ربا کی وجوہ اور اثرات ربا :

جہاں تک حرمت ربا کی وجوہ اور اس کے اثرات کا تعلق ہے گذشتہ صفحات میں مختلف مفکرین
بالخصوص مولانا مودودی کے حوالے سے اس پر بحث کی جاچکی ہے۔ تاہم بیشتر مفکرین نے اس حوالے
سے جو وجوہ پیش کی ہیں وہ بیشتر حالات میں اخلاقی یا نظری ہیں۔ جہاں تک ان اثرات بد کا تعلق ہے جو
عملی طور پر سامنے آتے ہیں انکے بارے میں ایک عمومی انداز اختیار کیا گیا ہے مثلاً سود تجارتی چکر کی اہم
وجہ ہے یا یہ کہ سود کساد بازاری پیدا کرتا ہے یا اس نوع کے دیگر بیانات۔ لیکن ظاہر ہے ایک عام معاشیات
کا طالب علم بھی یہ جانتا ہے کہ صورت حال اتنی سادہ نہیں ہے۔ کوئی بھی معاشی مظہر مثلاً تجارتی چکر،
کساد بازاری وغیرہ کئی عوامل کا نتیجہ ہوتے ہیں۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ ایک باقاعدہ سائنسی تجزیے
کے ذریعے انفرادی اور اجتماعی سطح پر سود اور اس کے اثرات کے بارے میں کوئی منضبط تعلق ثابت کیا
جائے تاکہ قرآنی دعوؤں کی حقیقت کا اثبات کیا جاسکے۔

بلاسود بینکاری

اسلامی معاشیات کے حوالے سے بلاسود بینکاری ایک ایسا موضوع ہے جس پر غالباً سب سے
زیادہ لکھا گیا ہے اس حوالے سے کئی مضامین، تحقیقی مقالے اور کتب تحریر کی گئی ہیں۔ اس موضوع پر
سب سے پہلے ڈاکٹر محمد عذیر نے قلم اٹھایا اور بلاسود بینکاری کا ایک ابتدائی خاکہ پیش کیا جو مضاربہ اور
شرکت کی بنیاد پر تھا۔ اس کے بعد ڈاکٹر نجات اللہ صدیقی نے ایک نسبتاً جامع ماڈل پیش کیا اس کے علاوہ
دیگر کئی حضرات نے اس حوالے سے اپنی آراء پیش کیں۔ ۱۹۸۲ء میں اسلامی نظریاتی کونسل نے
معیشت کو سود سے پاک کرنے کے لئے مختلف شعبوں کے حوالے سے اپنی رپورٹ پیش کی اور اس
رپورٹ میں بلاسود بینکاری کے لئے بھی ایک خاکہ تجویز کیا جسے مسلمان اہل علم نے کافی سراہا۔ اس

رپورٹ میں اسلامی نظریاتی کونسل نے بلاسود بینکاری کے لئے، متعدد طریقے تجویز کیئے اور متاخرین میں سے بیشتر نے اس رپورٹ سے استفادہ کیا اور اسی رپورٹ کے فراہم کردہ نکات پر بلاسود بینکاری کے ماڈلز ترتیب دیئے۔ اس طرح سے یہ کہا جاسکتا ہے کہ اس موضوع پر لکھنے والوں کی اکثریت نے بلاسود بینکاری کے جو ماڈلز تجویز کیئے وہ بنیادی طور پر اسلامی نظریاتی کونسل کے پیش کردہ متبادل طریقوں پر مبنی ہیں۔

ذیل میں بالترتیب ڈاکٹر محمد عذیر، ڈاکٹر نجات اللہ صدیقی اور اسلامی نظریاتی کونسل کے تجویز کردہ ماڈلز زیرِ بحث لائے جا رہے ہیں جو اس حوالے سے مفکرین کی خاصی بڑی تعداد کی نمائندہ فکر کہی جاسکتی ہے۔ اس کے علاوہ چند انفرادی کوششوں کا جائزہ بھی لیا گیا ہے۔

ڈاکٹر محمد عذیر ماڈل :

ڈاکٹر عذیر کے نزدیک بلا سود بینکاری کی اساس مضاربہ یا نفع / نقصان میں شرکت کا تصور ہے۔(اـ) یہ دو طرفہ شرکت سرمایہ فراہم کرنے والے اور اسے استعمال کرنے والے کے مابین ہوگی۔ منافع میں ایک شرکت سرمایہ استعمال کرنے والے (آجروں) اور بینک کے درمیان ہوگی اور بیک وقت نفع میں شرکت کا ایک اور معاہدہ بینک اور بچت کنندگان کے مابین ہوگا۔ منافع کی شرح آجروں کے لئے ۶۰ فیصد اور۔۔۔بینک کے لئے ۴۰ فیصد۔۔۔ ہوسکتی ہے (یا کوئی بھی شرح طے ہوسکتی ہے) اس طرح جو منافع بینک کو حاصل ہوگا، اسے ایک مخصوص شرح سے بینک، اور بچت کنندگان کے مابین تقسیم کیا جاسکتا ہے یہ شرکت بینک کی آمدنی کا بنیادی ذریعہ ہوگی۔(۲ـ)

بلاسود بینکاری نظام میں بھی بینک میں عام بینکوں کی طرح تین طرح کے کھاتے کھولے جاسکیں گے یعنی معینہ کھاتے (Fixed Deposits)، بچت کھاتے (Saving A/c) اور روار

اـ Dr M.Uzair, Interest Free Banking P.24

۲ـ ایضاً ص ۲۵

کھاتے(Current Accounts)۔ اسلامی بینکاری نظام میں اول الذکر سرمایہ کاری کھاتے کہلائیں گے جن کی رقوم بینک سرمایہ کاری میں لگا کر منافع حاصل کرنے کی کوشش کریں گے ان رقوم سے حاصل ہونے والا منافع بچت کنندگان میں تقسیم ہوگا جو ان کی رقوم کے اعتبار سے ہوگا۔(۱ے)

بچت کھاتوں کے حوالے سے صورتِ حال وہی رہے گی جو مروج بینکاری نظام میں ہے۔ جہاں تک رواں کھاتوں میں بلاسود بینکاری کے تحت جمع ہونے والی رقوم کا تعلق ہے نئے ڈھانچے میں یہ رقوم قرض یا سرمایہ کاری کے مقاصد کے لئے استعمال نہیں کی جاسکیں گی تاہم ان رقوم کو بینک بہت قلیل المعیاد قرضوں اور اپنی سیالیت (Liquidity) برقرار رکھنے کے لئے استعمال کر سکیں گے اور ان رقوم پر کوئی منافع ادا نہیں کیا جائے گا۔(۲ے)

جہاں تک قلیل المعیاد قرضوں کا تعلق ہے انہیں تین اقسام میں تقسیم کیا جاسکتا ہے یعنی ایسے قلیل المعیاد قرضے جو کم از کم تین ماہ سے لے کر ایک سال تک کے عرصے پر محیط ہوں۔ یہ مدت اتنی کافی ہے کہ کاروباری معاملات سے نفع / نقصان حاصل کیا جاسکے لہذا اس صورت میں بینک شریک کی صورت میں اپنی لگائی گئی رقم پر نفع / نقصان حاصل کر سکتا ہے بصورتِ دیگر سالانہ شرح منافع کو بھی بنیاد بنایا جاسکتا ہے۔

دوسری طرح کے قلیل المعیاد قرضے وہ ہوتے ہیں، جو ایک ماہ سے تین ماہ کے دورانیئے پر مشتمل ہوں اس صورت میں سالانہ شرح منافع کا اصول اختیار کیا جاسکتا ہے یا پھر ان قرضوں پر منافع کی شرح معلوم کرنے کی کوشش کی جاسکتی ہے جبکہ چند مخصوص حالات میں مثلاً درآمدات، کسی مخصوص شے کی خریداری وغیرہ کی صورت میں یہ آسانی سے ممکن ہے۔(۳ے)

۱ے ایضاً ص ۲۷

۲ے ایضاً ص ۲۸

۳ے ایضاً ص ۳۰

تیسری طرح کے قلیل المعیاد قرضے وہ ہوتے ہیں جو ایک ماہ سے بھی کم عرصے پر محیط ہوں اس قسم کے قرضے بالعموم سیالیت کی صورتِ حال بہتر بنانے کے لئے لیئے جاتے ہیں لہذا ان پر منافع کا حصول ممکن نہیں۔ اس صورت میں بینک ان قرضوں کے صارفین سے سروس چارج وصول کر سکتا ہے۔

جہاں تک صرفی قرضوں کا تعلق ہے اس ضمن میں اول تو لوگوں کو اپنے وسائل میں رہنے کی ترغیب دی جانی چاہیئے تاہم حقیقی ضروریات پوری کرنے کے لئے ایسے خصوصی ادارے تشکیل دیئے جاسکتے ہیں جو حکومت کی زیرِ سرپرستی ہوں اور اس قسم کے قرض لوگوں کو فراہم کریں۔ اس کے علاوہ ملازمین اپنے اپنے اداروں کے توسط سے قرض حاصل کر سکتے ہیں۔ اس طرح بینکوں پر اس قسم کے قرضوں کا دباؤ بہت کم ہو جائے گا اور بینک صرف ضرورت کے تحت بغیر کسی منافع کے اپنے بچت کھاتوں پر صرفی قرض محدود مقدار میں دیں گے اور اس قرض پر وہ سروس چارج وصول کر سکیں گے۔(۱ـ)

جہاں تک مرکزی بینک کے فرائض کا تعلق ہے بلا سود بینکاری کے تحت اس کے تین بنیادی فرائض ہو جائیں گے یعنی اعتبار زر پر کنٹرول، بینکوں کے لئے آخری پناہ گاہ اور ملک میں بینکاری نظام کی ترقی اور فروغ۔(۲ـ)

جہاں تک آخری الذکر کا تعلق ہے اس حوالے سے مرکزی بینک پر یہ ذمے داری عائد ہو گی کہ وہ معیشت میں اس نئے نظام کی ترویج کرے اور تجارتی بینکوں کو وقتاً فوقتاً اس حوالے سے مالی، تیکنیکی اور دیگر امداد فراہم کرے۔(۳ـ)

جہاں تک بینکوں کے لئے قرض کی آخری پناہ گاہ کے طور پر مرکزی بینک کے کام کرنے کا

۱۔ ایضاً ص ص ۳۶۔۳۱

۲۔ ایضاً ص ص ۴۰۔۳۹

۳۔ ایضاً ص ۴۰

تعلق ہے اس حوالے سے مرکزی بینک تجارتی بینکوں کو بلا سودی قرضے فراہم کرے گا۔

جہاں تک اعتبار زر پر کنٹرول کا تعلق ہے اگر مرکزی بینک زیادہ حقیقت پسندانہ پالیسی اختیار کرے تو وہ اس مقصد کے لئے وصفی طریقے (Selective Methods) پر انحصار کرے گا تاہم اس کا مطلب یہ نہیں کہ مقداری طریقے (Quantitative Methods) بلا سود بینکاری نظام کے تحت غیر مؤثر ہیں ان کی اہمیت سے ظاہر ہے انکار ممکن نہیں۔ جہاں تک مقداری طریقوں میں مارکیٹ کے عمل (Open Market Operation) کے طریقے کا تعلق ہے اس میں بنیادی تبدیلیاں لانی ہوں گی۔ آج اس طریقے کے تحت ٹریژری بلز (Treasury Bills) اور حکومتی بانڈز کی خرید و فروخت ہوتی ہے جو سود کے حامل ہوتے ہیں انہیں تبدیل کرنا ہوگا۔ (۱ے)

بلا سود بینکاری کے تحت ٹریژری بلز کا آپریشن سروس چارجز کے تحت جاری رکھا جا سکتا ہے۔ اس حوالے سے جہاں تک حکومتی بانڈز کا تعلق ہے ان کا تعلق موجودہ بحث سے نہیں ہے۔ (۲ے)

مقداری طریقوں میں ایک اور طریقہ زر نقد کے محفوظات (Reserve Require-ments) کا ہے یہ طریقہ کار بدستور بلا سود بینکاری میں استعمال کیا جائے گا۔ (۳ے)

جہاں تک مقداری طریقوں میں بینک ریٹ پالیسی (Bank Rate Policy) کا تعلق ہے مرکزی بینک یہ طے کرے گا کہ تجارتی بینک اپنے صارفین سے منافع میں کس شرح سے حصہ دار ہوں گے اسی طرح تجارتی بینکوں اور بچت کنندگان کے مابین بھی منافع کی شرح کا تعین مرکزی بینک کرے گا۔ اس کے پیچھے بنیادی مقصد بینکاری سرگرمیوں کو حدود میں رکھنا اور یکسانیت برقرار رکھنا ہوگا۔ اس طرح یہ طریقہ کار بینک ریٹ پالیسی کا متبادل ہوگا۔ (۴ے)

۱ے ایضاً ص ص ۴۶۔۴۰

۲ے ایضاً ص ص ۴۸، ۴۷

۳ے ایضاً ص ۴۸

۴ے ایضاً ص ۴۸

جہاں تک زری پالیسی کے مقاصد کا تعلق ہے وہ بلا سودی نظام میں بھی کم و بیش وہی رہیں گے جو عام سودی نظام کے تحت ہوتے ہیں۔ (۱)

نجات اللہ صدیقی ماڈل :

اس ماڈل کی بنیاد مضاربہ اور شراکت کے تصور پر رکھی گئی ہے۔ اس ماڈل کے تحت اسلامی بینکاری کے لئے یہ ضروری ہے کہ معیشت میں سود قانوناً ممنوع ہو اور حاجت مند صارفین کے لئے اجتماعی کفالت کا معقول انتظام ہو۔ اس کے علاوہ سرمایے کی ذخیرہ اندوزی کی محاصل کے ذریعے ہمت شکنی کی جائے، شرعی قوانین نافذ ہوں اور افرادِ معاشرہ اعلیٰ اخلاقی اقدار پر عمل پیرا ہوں۔ (۲)

اسلامی بینک کا قیام شرکتِ عنان کے اصول پر عمل میں آئے گا۔ شرکت کا معاہدہ اس شرط کے ساتھ عمل میں آئے گا کہ بینک براہ راست کوئی کاروبار نہیں کرے گا۔ بلکہ مشترکہ سرمایے کو شرکت یا مضاربت کے اصول پر کاروبار کے لئے دینے کا طریقہ اختیار کرے گا ساتھ ہی بینک کاروباری افراد، اداروں، عام افراد اور حکومت کے لئے ایسی خدمات بھی انجام دے گا جن کے عوض معقول اجرت مل سکتی ہو۔

بینک کے انتظام کا اختیار حصہ داروں کے باہمی مشورے سے یا ان کے نمائندوں پر مشتمل مجلس کو ہوگا۔ ہر شریک (حصہ دار) کی مالی ذمے داری لا محدود ہوگی اور غیر معمولی خسارہ وہ اپنی ذاتی رقم یا جائیداد سے پورا کرے گا۔ (۳)

۱۔ ایضاً ص ۵۱

۲۔ محمد نجات اللہ صدیقی، غیر سودی بینکاری، ص ۱۳

۳۔ ایضاً ص ص ۱۹۔۱۵

بینک کا کاروبار تین اقسام میں تقسیم کیا جاسکتا ہے :

۱۔ بالمعاوضہ خدمات (وہ خدمات جو بینک معاوضے کے عوض انجام دیتا ہے)۔

۲۔ شرکت یا مضاربت کے اصول پر کاروبار میں سرمایہ لگانا۔

۳۔ بلا معاوضہ خدمات۔

ان تینوں اقسام کے کاروبار کا انفرادی تجزیہ مندرجہ ذیل ہے۔

۱۔ بالمعاوضہ خدمات :

یہ وہ خدمات ہوتی ہیں جو بینک عام طور پر اپنے صارفین کو مہیا کرتے ہیں اور ان کی عوض معاوضہ وصول کرتے ہیں۔ ان عام مروج خدمات میں امانتیں رکھنا لاکرز کی سہولیات، رقموں کی ترسیل، اشیاء کی درآمد وبرآمد میں مختلف قسم کی سہولیات، مشاورتی خدمات، ایجنسی کی خدمات وغیرہ شامل ہیں جو ایک اسلامی بینک بھی ایک عام بینک کی طرح انجام دے گا اور ان کے عوض معاوضہ وصول کرے گا۔(۳ے)

۲۔ شرکت / مضاربت کے اصول پر کاروبار میں سرمایہ لگانا :

ایک اسلامی بینک کے لئے نفع کمانے کا سب سے بڑا ذریعہ اپنے سرمایہ کو شرکت عنان یا مضاربت کے اصول پر کاروبار کرنے والے فریقوں کو فراہم کرنا ہے۔ اس مالیات کاری کی مختلف اقسام ہوسکتی ہیں جو مندرجہ ذیل ہیں۔

۳۔ ایضاً ص ۲۱

ا۔ بینک کے سرمائے کے ذریعے شرکت :

مالیات کاری کے اس طریقے کے تحت بینک کسی کاروبار میں اپنے سرمایہ کے ساتھ بہ حیثیت شریک شامل ہو سکتا ہے۔ کاروبار میں بینک کی مالی ذمہ داری اس کے فراہم کردہ سرمایے کی حد تک ہو گی مختلف کاروباری اداروں یا فریقین سے معاملہ کرتے وقت بینک نفع کی تقسیم کی مختلف نسبتیں بھی طے کر سکتا ہے۔ اس حوالے سے بینک اگر (Sleeping Partner) کا کردار ادا کرنا چاہے تو وہ شرکت کے اصول پر سرمایہ لگائے گا لیکن اگر کاروبار میں عملاً حصہ لینا چاہے تو سرمایہ مضاربت کے اصول پر فراہم کرے گا۔ شرکت کی صورت میں مالیات کاری صرف قلیل المعیاد مقاصد کے لئے ممکن ہے۔(۱ے)

ب۔ بینک کے سرمائے کے ذریعے مضاربت :

بینک اپنا سرمایہ کاروباری اداروں یا افراد کو مضاربت کی بنیاد پر فراہم کر سکتا ہے اس صورت میں بینک کاروباری معاملات میں مداخلت نہیں کر سکے گا تاہم اس سلسلے میں تفصیلات طے کی جا سکتی ہیں۔ بینک کو حسابات کی جانچ اور ضروری کاروباری فیصلوں کے بارے میں معلومات حاصل کرنے کا حق رہے گا لیکن بینک کاروبار فریق کے راز افشاء نہیں کرے گا۔ یہاں بھی کاروباری فریق طویل المعیاد قرضے نہیں لے سکے گا۔ اس صورت حال میں نفع / نقصان کی تقسیم کا انحصار اس مالیات کاری کے طریقے پر ہو گا جس طریقے سے بینک اور کاروباری ادارے میں مضاربت کی گئی ہے۔ تاہم کسی بھی صورت میں منافع کی تقسیم باہمی رضامندی سے ہو گی جبکہ نقصان رب المال برداشت کرے گا۔(۲ے) اس صورت میں مضاربت کی متعدد شکلیں ممکن ہیں مثلاً :

i) کاروباری فریق صرف بینک کے سرمائے سے کاروبار کر رہا ہو اور کاروبار میں دیگر کوئی اور سرمایہ نہ

۱۔ ایضاً ص ص ۲۶۔۲۳

۲۔ ایضاً ص ص ۳۱۔۲۹

لگایا گیا ہو۔

(ii) کاروباری فریق نے بینک سے حاصل کردہ سرمایہ کے، علاوہ اس کاروبار میں ذاتی سرمایہ بھی لگایا ہوا ہو۔

(iii) کاروباری فریق نے بینک سے حاصل کردہ سرمائے کے علاوہ اپنی ذاتی ذمے داری پر قرض لے کر سرمایہ لگایا ہوا ہو۔

(iv) کاروباری فریق نے بینک سے حاصل کردہ سرمایہ کے، علاوہ کسی اور صاحب سرمایہ سے مضاربت کے اصول پر مزید سرمایہ حاصل کر کے اسی کاروبار میں لگا رکھا ہو۔

(v) کاروباری فریق نے جس کاروبار میں بینک سے مضاربت کے اصول پر سرمایہ لے کر لگایا ہو وہ کاروبار کسی اور کاروباری فریق کے ساتھ شرکت میں کر رہا ہو۔ اس کاروبار میں بینک کے فراہم کردہ سرمایہ کے علاوہ اس کے شریک کا بھی سرمایہ لگا ہوا ہو۔

(vi) آخری صورت یہ ہے کہ متذکرہ بالا تمام صورتیں ایک ساتھ پائی جائیں۔(۱)

کسی بھی صورت میں نفع / نقصان کی تقسیم کا بنیادی اصول وہی رہے گا جو اوپر بیان کیا جا چکا ہے۔

ج۔ جاری کاروبار میں سرمایہ کاری کرنے کا مسئلہ :

اگر کسی چلتے ہوئے کاروبار کا مالک بینک سے مزید سرمایہ کاری کے لئے رجوع کرے تو اس کے لئے پہلے کاروبار کی "خالص دولت" (Net Worth) کل اثاثوں کی مارکیٹ ویلیو کے مجموعے میں سے کل واجبات منہا کر کے نکالی جائے گی۔ یہ مجموعی رقم کاروبار کی مالیت قرار پائے گی اور اس سرمایے کی بنیاد پر نفع / نقصان کا تعین ہوگا جبکہ بینک اپنا سرمایہ نقد کی صورت میں فراہم کرے گا جو معین یا غیر معین مدت کے لئے ہو سکتا ہے۔ غیر معین مدت کی صورت میں سہ ماہی، ششماہی یا سالانہ بنیادوں پر

۱۔ ایضاً ص ص ۳۷۔۳۳

نفع / نقصان کا تعین ہو سکتا ہے۔(۱ے)

د۔ کاروباری اداروں کے حصص کی خریداری :

بینک اپنے سرمایے کا ایک حصہ عام حصص (Ordinary Shares) کی خریداری پر لگا سکتے ہیں اور اس ضمن میں ہونے والا نفع / نقصان بینک کے مجموعی منافع میں شامل ہوگا۔(۲ے)

بلاسودی بینکاری کے تحت صارفین کے کھاتے :

بینک کے ایسے کھاتے دار جو بینک میں اپنا سرمایہ مضاربت کے اصول پر جمع کریں گے ان کی رقمیں بینک مضاربہ کھاتے میں جمع کرے گا۔ جس میں نفع / نقصان کی تقسیم مضاربت کے اصولوں کے مطابق ہوگی۔ ان کھاتوں میں کسی کھاتے دار کی مالی ذمے داری اس کی جمع کردہ رقم سے زائد نہیں ہوگی اور اس میں رقوم مدت کے تعین کے ساتھ یا بلا تعین جمع کروائی جاسکیں گی۔ نفع / نقصان کا تعین سہ ماہی بنیاد پر ہوگا اور مدت کے اختتام پر کھاتے دار چاہے تو معاہدہ ختم کر سکتا ہے اور اپنا نفع / نقصان مع سرمایہ کے وصول کر سکتا ہے یا معاہدہ برقرار رکھ سکتا ہے اس صورت میں ہر سہ ماہی میں ہونے والے نفع / نقصان کی تطبیق اگلی سہ ماہی میں ہوتی رہے گی۔ کھاتہ دار کسی بھی صورت میں اگلی سہ ماہی کے لئے نیا معاہدہ بھی کر سکتا ہے اس صورت میں گزشتہ سہ ماہی کے نتائج سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہوگا۔ کھاتہ دار اپنی رقوم عند الطلب مانگ سکتا ہے تاہم نفع / نقصان بہر حال سہ ماہی بنیادوں پر ہوگا۔ ان کھاتوں سے رقمیں نہ تو چیک کے ذریعے نکلوائی جاسکیں گی اور نہ ہی دوسرے افراد کو منتقل کی جاسکیں گی بلکہ ان کو نکلوانے کے لئے پیشگی اطلاع دینی ہوگی تاہم اگر بینک اصرار نہ کرے تو یہ لازمی نہیں ہوگا۔ نئی رقوم سہہ

۱ے ایضاً ص ص ۴۲۔۳۹

۲ے ایضاً ص ص ۴۵۔۴۳

ماہی کے بیچ میں بھی جمع کروائی جا سکیں گی لیکن اگر ان کا فوری استعمال ممکن نہ ہوا تو انہیں اس سہ ماہی کے نفع / نقصان میں شامل نہیں کیا جا سکے گا۔(۱ے)

متذکرہ بالا تین ماہ کی مدت لازمی نہیں کوئی دوسری مدت بھی تجویز کی جا سکتی ہے ایک بینک سے دوسرے بینک پر سہ ماہی مدت کے بعد رقوم کی منتقلی پر کوئی پابندی نہیں ہوگی مزید سہولت کیلئے مختلف بینکوں کی سہ ماہی مدت الگ الگ تاریخ سے شروع کی جا سکتی ہے۔(۲ے)

اسلامی بینکوں کے دوسری قسم کے کھاتے قرض کھاتے ہوں گے یہ موجودہ بینکوں کے رواں کھاتوں (Current Accounts) کے مماثل ہوں گے. اور صورتِ بعینہ وہی رہے گی جو موجودہ رواں کھاتوں کے حوالے سے ہے البتہ ان کھاتوں پر بینک کوئی حق الخدمت (Service Charges) وصول نہیں کر سکے گا تاہم بینک ان کھاتوں میں جمع ہونے والی رقوم کو نفع آور کاموں میں لگا سکتا ہے تاہم کسی نقصان کی صورت میں اس کی تمام تر ذمے داری بینک پر ہی عائد ہوگی۔(۳ے)

بینکوں کے محفوظات:

عام بینک جس طرح منافع کی رقم کا کچھ حصہ مختلف مقاصد کے لئے محفوظ کر لیتے ہیں اسے غیر سودی بینکاری میں بھی استعمال کیا جا سکے گا۔(۴ے)

بینک کے قرضے:

بینک کاروباری فریقوں کو کم مدت کے بلاسودی قرض ایک محدود حد تک دے گا جس کا تعین اس

۱ے ایضاً ص ص ۴۹۔۴۵

۲ے ایضاً ص ص ۵۱۔۵۰

۳ے ایضاً ص ۵۸

۴ے ایضاً ص ۶۱

کے قرض کھاتے میں جمع شدہ سرمائے کی نسبت سے ہوگا۔(۱)

ا۔ قلیل المعیاد قرضے:

جہاں تک چند گھنٹوں سے لے کر چند ہفتوں پر محیط انتہائی قلیل المدتی قرضوں کا تعلق ہے ا

اندازوہی ہوگا جو عام مروج بینکاری میں ہے۔(۲)

ب۔ غیر سودی قرض دینے کے محرکات:

غیر سودی قرض کے محرکات میں پہلا محرک قانونی ہو سکتا ہے جس کے تحت مرکزی بینک

عام بینکوں کو ان کے قرض کھاتوں میں جمع شدہ سرمایے کا ایک خاص تناسب مثلاً ۵۰٪ غیر سودی قر

کے لئے فراہم کریں۔ ۱۰ فیصد محفوظ رکھے اور بقیہ رقم کے لئے اسے اجازت دے دی جائے کہ وہ ا

نفع آور کاموں میں لگا کر نفع حاصل کرے۔ دوم مرکزی بینک عام تجارتی بینکوں کو ضرورت کے وقت

سودی قرض فراہم کرے جس سے عام بینکوں کو بلا سودی قرض دینے میں سہولت ہوگی۔ عوام اور کھ

داروں میں اپنی ساکھ برقرار رکھنے کے لئے بھی بینک لوگوں کو بلا سودی قرض فراہم کریں گے تا

لوگوں میں ان کے بارے میں حسنِ ظن پیدا ہو۔

ج۔ قرض کھاتہ اور دیئے جانے والے قرضوں کے درمیان نسبت کا تعین

قرض کھاتہ اور دیئے جانے والے قرضوں کے درمیان نسبت عملی تجربات اور بینکاری

ماہرین کے تجربے کی مدد سے طے کی جاسکتی ہے۔(۳)

ا۔ ایضاً ص ۶۵

۲۔ ایضاً ص ۶۸

۳۔ ایضاً ص ص ۷۵۔۶۹

د۔ قرضوں کی طلب اور رسد میں توازن :

اسلامی بینکوں کی جانب سے دیئے جاسکنے والے قرضوں کی مجموعی رسد کا انحصار اس بات پر ہوگا کہ ان بینکوں کے قرض کھاتوں میں مجموعی طور پر کتنی رقم جمع کروائی گئی ہے۔ نسبت قرض میں مناسب تبدیلی عمل میں لاکر مرکزی بینک قرض کی رسد میں کمی بیشی کر سکتا ہے۔ قرض کی طلب کا انحصار سرمایہ کاری کی سطح پر ہوتا ہے مرکزی بینک معیشت کے تجزیے اور اپنے تجربے کی روشنی میں قرض کی طلب کا اندازہ لگائے گا اور کوشش کرے گا کہ نسبت قرض میں تبدیلیوں اور معیشت میں زر اور قرض کی تخفیف یا توسیع کے ذریعے قرض کی رسد کو اس کی طلب سے ہم آہنگ رکھے۔(۱ے)

ر۔ قرض کی مدت :

مضاربت پر سرمایہ کاری کی مدت چونکہ ایک سہ ماہی تجویز کی گئی ہے لہذا قرض کی مدت زیادہ سے زیادہ دس ہفتے ہونی چاہئے۔(۲ے)

س۔ قرض کے بالمقابل ضمانت :

قرض کے بالمقابل ضمانت حاصل کرنے کا طریقہ وہی رہے گا جو بالعموم مروج ہے تاہم دیوالیہ پن کی صورت میں غیر اداشدہ رقم کی ادائیگی کی ذمہ داری معاشرہ کو اٹھانی چاہئے اور ایسے قرضے زکوۃ کی مد سے ادا ہوسکتے ہیں۔ ریاست کی جانب سے ایسے قرضوں کی ادائیگی کی مثالیں قرن اوّل میں ملتی ہیں۔(۳ے)

۱ے ایضاً ص۷۸

۲ے ایضاً ص۸۰

۳ے ایضاً ص ص ۸۳۔۸۰

ش۔ قرض کے حساب کتاب پر آنے والے اخراجات :

قرض کے حساب کتاب پر آنے والے اخراجات پورے کرنے کے لئے بینک قرض لینے والوں سے فیس وصول کر سکتا ہے یا پھر قرض کھاتہ کے نفع آور استعمال سے انہیں پورا کیا جا سکتا ہے۔(۱ے)

ی۔ تجارتی ہنڈیوں (Bills of Exchange) کا مسئلہ :

غیر سودی نظام کے تحت تاجر ہنڈی لکھنے کی بجائے بینکوں سے مضاربت کی بنیاد پر سرمایہ حاصل کر کے فروخت کنندہ کو مال کے دام نقد ادا کر دیں گے اور مال فروخت ہونے پر بینک کو اس کا دیا ہوا سرمایہ واپس کرنے کے ساتھ طے شدہ نسبت کے مطابق منافع کا ایک حصہ بھی ادا کریں گے تاہم نقصان کی صورت میں یہ خسارہ بینک کو برداشت کرنا ہوگا۔

ہنڈی بھنانے کا طریقہ وہی ہوگا جو بینک سے قرض حاصل کرنے کا ہے۔ بینکوں سے تجارتی ہنڈیوں کے عوض نقد رقم ادا کی جائے گی۔ بینک ہنڈی بھنانے کی صورت میں ہنڈی میں درج پوری رقم ادا کرے گا اور کوئی منہائی نہیں کرے گا۔ اس رقم کی نوعیت ہنڈی بھنانے والے کو دیے جانے والے قرض کی ہوگی۔ ہنڈی کی معیاد پوری ہونے پر بینک ہنڈی جاری کرنے والے تاجر یا اس کے بینک سے اس میں درج رقم خود حاصل کرے گا اور ہنڈی کے بالمقابل بینک سے نقد حاصل کرنے کی ذمہ داری ختم ہو جائے گی تاہم عدم ادائیگی کی صورت میں بینک ہنڈی کے عوض نقد لینے والے سے ادائیگی کا مطالبہ کرے گا۔(۴ے)

۱ے ایضاً ص ۸۳

۲ے ایضاً ص ۸۶

تخلیق زر کا عمل :

بلا سود بینکاری میں بھی تخلیق زر کا عمل ٹھیک اسی طرح اور انہی اسباب و عوامل کی بناء پر عمل میں آئے گا جس طرح معاصر سودی نظام میں ہوتا ہے۔(ا ب)

مرکزی بینک :

بلا سودی نظام میں بھی مرکزی بینک وہی معروف فرائض ادا کرے گا جو وہ عام نظام بینکاری میں کرتا ہے اور بالکل ایک عام مرکزی بینک کی طرح عمل کرے گا۔(۲ ب)

نظام بینکاری اور مالیات عامہ :

حکومت عوام الناس سے مختلف مقاصد کے لئے قرض لیتی ہے تاہم ایک اسلامی معیشت میں حکومت یہ عمل مضاربہ اور شرکت کی بنیاد پر ہی لے سکتی ہے۔ اس کی ماضی میں نظریں موجود ہیں۔ اس مقصد کے لئے حکومت مختلف طریقے اختیار کر سکتی ہے۔ مثلا :

i) حکومتی حصص مضاربت :

حکومت کی تحویل میں صنعتی و تجارتی اداروں کو چلانے کے لئے ان حصص کا اجراء کیا جاسکتا ہے جو مختلف المعیاد اور رقموں کے ہو سکتے ہیں ان پر شرح منافع متعین نہیں ہوگی بلکہ منافع کے اعتبار سے تبدیل ہوگی رہے گی اور نقصان کی صورت میں خسارہ کا جو جز حصہ کے سرمایے میں آئے گا اس کے بقدر سرمایہ کم کر کے واپس ادا کر دیا جائے گا۔

ا۔ ایضاً ص ۱۰۷

۲۔ ایضاً ص ص ۱۰۷-۱۱۶

(ii) حکومتی حصص شرکت :

شرکت کی صورت میں چونکہ شریک کا کاروبار میں دخیل بنانا لازمی ہے چاہے وہ اپنے حق کو استعمال کرے یا نہ کرے لہذا حکومت اس مقصد کے لئے جو رقم ان حصص سے حاصل کرے گی اور اسے جس ادارے کے لئے استعمال کرنا چاہے گی اس کے انتظام کے لئے ایک مجلس نظماء کا انتخاب ضروری ہے جس کی تفصیلات طے کی جاسکتی ہیں۔

(iii) حکومتی قرضے :

ایسے سرکاری شعبے جہاں متذکرہ بالا دونوں صورتیں ممکن نہ ہوں یا کسی ہنگامی حالت میں، حکومت عوام سے رضاکارانہ مالی تعاون حاصل کرنے کی کوشش کرے گی۔ تاہم وہ خسارے کی مالیات کا سہارا بھی لے سکتی ہے۔(۱-)

صارفین کے لئے قرضے :

بلاسود بینکاری کے تحت بینک سے صارفین کو قرضے دو صورتوں میں فراہم کئے جاسکتے ہیں۔

ا۔ زائد از جمع رقم نکالنے کا اختیار :

اس صورتِ حال میں بینک اپنے قرض کھاتہ دار کو اس کے کھاتہ کی رقم سے زائد نکالنے کا حق دے سکتا ہے تاہم یہ سہولت ایک مخصوص حد میں، ایک مخصوص مدت کیلئے اور اگر بینک ضروری سمجھے تو مناسب ضمانت کے عوض ہو سکتی ہے۔(۲-)

۱- ایضاً ص ص ۱۷۰۔۱۵۲

۲- ایضاً ص ص ۱۸۸۔۱۸۷

ب۔ اسنادِ خریداری:

بینکوں سے صارفین کو قرض دینے کا دوسرا طریقہ یہ ہو سکتا ہے کہ صارفین جو پائیدار ساما
صرف مثلاً موٹر کار وغیرہ کو قسط وار ادائیگی کے وعدے پر ادھار خریدیں وہ فروخت کنندہ کو ادھ
خریداری کی ایک سند لکھ کر دیں اور بینک ان سندوں کو تجارتی ہنڈیوں کی طرح بھنانے کا طریقہ اختیا
کریں۔ خریداری سامان کی سند پر سامان کی تفصیلی نوعیت، قیمت، مدت اور طریق ادائیگی اور خریدار او
فروخت کنندہ کے پتے درج ہوں گے۔ سند خریداری فروخت کنندہ کی تحویل میں ہوگی جسے وہ بینک سے
بھنائے گا یعنی اس سند کے عوض اس پر درج رقم حاصل کرے گا اس رقم کی قسط وار واپسی کی ذمہ داری
بھی فروخت کنندہ کی ہوگی۔ خریدار سے قسطیں وصول کرنا اور بالآخر اس سے حساب صاف کرنا بدستو
فروخت کنندہ کے ذمے رہے گا۔ وہ سامان جو اس طریقے سے ادھار خریدا گیا ہو اس وقت تک بطو
ضمانت نگاہ میں رکھا جائے گا جب تک خریدار اس کی پوری رقم ادا نہ کر دے۔ بینک ہر سند خریداری
لازماً بھنانے کے پابند نہیں ہوں گے اور تجارتی ہنڈیوں کی طرح قبول یا مسترد کر سکیں گے۔(ا ب)

بلاسود بینکاری کے حوالے سے اسلامی نظریاتی کونسل کا خاکہ:

اسلامی نظریاتی کونسل نے جون ۱۹۸۰ء میں معیشت سے سود کے خاتمے کے لئے ایک رپورٹ
پیش کی جس میں منجملہ دیگر معاملات کے ساتھ بینکاری نظام سے سود کے خاتمے کے لئے ایک خاکہ پیش
کیا۔ اس خاکہ کے اہم خدوخال مندرجہ ذیل ہیں۔

ا۔ جہاں تک قائم سرمایہ کاری کے لئے مالیات (Fixed Investment Financing) کی
فراہمی کا تعلق ہے اگر اس کے لئے پراجیکٹس ایسی فرموں کی جانب سے پیش کئے جائیں ج
چارٹرڈ اکاؤنٹنٹ کے ذریعے اپنی کتب کی تنقیح کرواتی ہوں ان کو مالیات نفع / نقصان میں حصے ک

ا۔ ایضاً ص ۱۹۰

بنیاد پر فراہم کی جائیں۔ ایسی فرمیں جو محاسبی کتب تیار تو کرتی ہوں لیکن ان کی چارٹرڈ اکاؤنٹنٹس سے تنقیح نہ کرواتی ہوں انہیں کرایہ۔ خریداری، بیع موجل یا پٹہ داری کے طریقے میں سے کسی طریقے سے مالیات فراہم کی جاسکتی ہیں۔ ایسی چھوٹی کمپنیاں جو محاسبی کتب بنانے کی صلاحیت نہیں رکھتیں انہیں عام مالیاتی طریقے "عمومی شرح منافع" (Normal Rate of Rturn) پر مالیات فراہم کی جاسکتی ہیں یا ملکیتی کرایہ داری یا بیع موجل کے طریقے بھی استعمال کیئے جاسکتے ہیں۔(۱)

اگر بینک خود کسی نئے پراجیکٹ کی تشکیل کرنا چاہے. چاہے ایساوہ خود کرے یا دیگر مالیاتی اداروں کے ساتھ کرنا چاہے تو ایسی صورت میں "سرمایہ کاری کی نیلامی" (Investment Auc-tioning) کا طریقہ بھی استعمال کرسکتا ہے۔ بینک، اپنی مالیات کی نگرانی کے لئے عام مروج طریقے جن میں پراجیکٹس کا معائنہ، کسی بھی قسم کی معلومات کا طلب کرنا، محاسبی کتب کی جانچ، ضرورت کے تحت اپنے ڈائریکٹر کی نامزدگی وغیرہ شامل ہیں استعمال کرسکتا ہے۔

۲۔ نفع / نقصان کی بنیاد پر قائم صنعتی سرمایہ کاری (Fixed Industrial Investment) کے لئے مالیات کاری کے لئے مروج چند طریقوں میں تبدیل کرنا ہوگی مثلاً کونسل کی تجویز کے مطابق حصص کی خرید و فروخت کی تائیدی تیکنیک (Stand By Technique) کو "پکا وعدہ" (Firm Commitment) سے تبدیل کرنا ہوگا۔ انڈر رائیٹنگ جس کے تحت انڈر رائٹرز برج لون (Bridge Loan) فراہم کرنے کی بجائے معدلت میں عملی حصہ لیں گے جو پراجیکٹ کی بالکل ابتداء سے ہوگا تاہم اس کی قیمت فریقین سے طے کی جاسکتی ہے جو حصص کی اسمیہ قیمت سے کم ہوسکتی ہے۔ اس صورتِ حال کی چونکہ ملکی قانون کے تحت اجازت نہیں ہے لہذا کونسل انڈر رائٹنگ کی اس شکل کے لئے کمپنی قانون میں مناسب تبدیلی کی

۱۔ اسلامی نظریاتی کونسل کی معیشت سے سود کے خاتمے کے بارے میں رپورٹ، ص ۳۴

سفارش کرتی ہے۔(۱ـ)

۳۔ تمسکات کے ذریعے مالیات کاری(Debenture Financing) کا بدل "حصہ داری معیادی سرٹیفکیٹ" PTC (Participation Term Certificate) ہے جس کے تحت اس سرٹیفیکٹ کے حامل اس ادارے کے منافع میں حصے دار ہوں گے جو انہیں جاری کرے گا بجائے اس کے کہ وہ ایک متعین رقم سود کی شکل میں وصول کریں۔(۲ـ)

۴۔ جہاں تک رواں سرمایہ(Working Capital) میں مالیات کاری کا تعلق ہے فی الوقت رائج مختلف طریقے یعنی ادھار (Cash Credit)، زائد برداشتہ سہولت Overdraft Fa- (cility، طلبی قرضے(Demand loans)اور مبادلاتی بلوں کو بٹہ لگانا Discounting (of Bills of Exchange بدستور استعمال ہوتے رہیں گے تاہم ان میں سے سود کا عنصر خارج کر دیا جائے گا۔ ایسی صورت میں جبکہ فرمیں محاسبی کتب تیار کرتی ہوں اور بینکوں سے ان کا مسلسل لین دین ہو ایسی صورت میں رواں سرمایے کی ضروریات ادھار، زائد برداشتہ اور طلبی قرضوں کی سہولیات نفع / نقصان بنیادوں پر (جو روزانہ کی بنیاد پر ہوگا) فراہم کی جائیں گی۔ تاہم مبادلاتی بلوں کے حوالے سے کونسل نے تجویز پیش کی کہ بینک بلوں کو بھنانے کی خدمت کا معاوضہ کمیشن کی شکل میں وصول کریں۔ یہ کمیشن بل کی رقم کے اعتبار سے ہوگا ادائیگی کی مدت کے لحاظ سے نہیں۔ ہنڈی کرنے والا (Drawer) بینک سے دو مختلف قسم کے معاہدے کرے گا ایک معاہدے کے تحت بینک اس کے ایجنٹ کی حیثیت سے کام کرے گا تاکہ ہنڈی لینے والے (Drawee) سے طے شدہ مدت پر رقم وصول کر سکے اور دوسرا بل کی رقم کے مساوی بینک سے قرض وصول کرنے کا معاہدہ ہوگا۔ بینک کا کمیشن پیشگی واجب الادا ہوگا اور

۱ـ ایضاً ص ۳۵

۲ـ ایضاً ص ۳۶

قرض بلاسودی ہوگا۔ بل کی وصولیابی پر بینک، ہنڈی کرنے والے کے قرض کھاتہ کو
کرے گا۔ بل کی عدم ادائیگی کی صورت میں ہنڈی کرنے والا بینک کو قرض کی رقم کی اد
ذمہ دار ہوگا۔ اگر فرمیں محاسبی کتب تیار نہیں کرتی ہیں تو اس صورت میں معاملت بیع م
عمومی شرح منافع کے تحت ہو سکتی ہے۔(۱ے)

۵۔ جہاں تک زرعی قرضوں کا تعلق ہے اس حوالے سے کاشتکاروں کو دو اقسام میں تقسیم کی
ہے ایک وہ جو محض گزارہ سطح کے مساوی زمین کے مالک ہیں اور دوسرے وہ جو اس سے
رکھتے ہیں۔ اوّل الذکر کو اعانت نقد یا "خصوصی قرضہ کی سہولت" -ecial Loan Fa
(cility کے تحت فراہم کی جا سکتی ہے۔(۲ے) جس کے تحت اس درجہ کے تحت آنے
کاشتکار صرف اصل زر ادا کریں گے۔ ان کاشتکاروں کو بینک بلاسودی بنیادوں پر حاصل شد
سے بغیر کسی لاگت کے قرض فراہم کریں گے ان فنڈز کے کافی نہ ہونے کی صو
میں حکومت بینکوں کو زر اعانت فراہم کر سکتی ہے۔

جہاں تک ایسے کاشتکاروں کا تعلق ہے جو گزارہ سطح کی زمین سے زائد کے مالک ہوں ا
در آئیدات (Inputs) کی خریداری کے لئے بیع موجل یا بیع سلم کے تحت مالیات فرا
جا سکتی ہیں۔(۳ے)

زرعی شعبے میں قرضے مختلف مقاصد کے لئے درکار ہوتے ہیں ان تمام مجملہ مقاصد کے
کوئی ایک متبادل ظاہر ہے ممکن نہیں ہے لہذا مختلف مقاصد کے تحت مختلف متبادلات تجویز
گئے ہیں مثلاً:

۱۔ ایضاً ص ۳۷
۲۔ ایضاً ص ۳۸
۳۔ ایضاً ص ۴۳

(i) اگر قرض ہل چلانے والے مویشوں کے لئے درکار ہو تو گزارہ سطح یا اس سے کم ز
کے مالکوں کو یہ قرض بغیر کسی چارج کے فراہم کیا جائے گا۔ اس مقصد کے لئے بینک
سودی بنیادوں پر جمع ہونے والے فنڈز کو استعمال کر سکتے ہیں جبکہ دیگر صورتوں میں
موجل کا طریقہ اختیار کیا جا سکتا ہے۔(۱)

(ii) چھوٹے ڈیری اور پولٹری فارمز کے لئے بلا سودی قرض فراہم کئے جائیں ج
درمیانے اور بڑے ڈیری اور پولٹری فارمز کے لئے نفع / نقصان کی بنیاد پر یا "عام شر
واپسی" کے طریقے اختیار کیئے جا سکتے ہیں۔ اس حوالے سے چھوٹے، درمیانے
بڑے ڈیری اور پولٹری فارمز کی تعریف ماہرین متعین کر سکتے ہیں۔

(iii) گذارہ سطح سے کم زمین کے مالکوں کو زمین کی ترقی اور بہتری (Land Improve-
ment & Development) کے لئے بغیر کسی لاگت کے متذکرہ بالا طریقے
قرض فراہم کیئے جائیں یعنی گذارہ سطح یا اس سے کم کے زمین کو مالکوں کو بغیر کسی چار
کے جبکہ اس سے زائد والوں کو نفع / نقصان میں شرکت یا عام شرح واپسی کے طر
کی تحت مالیات فراہم کی جا سکتی ہیں۔

(iv) جہاں تک ٹریکٹرز کی خریداری یا ٹیوب ویل کی تنصیب کا تعلق ہے اس کے لئے مالیا
نفع / نقصان میں شرکت یا بیع موجل یا کرایہ خریداری کے طریقوں سے فراہم ک
جا سکتی ہیں۔ متذکرہ بالا تمام صورتِ حال میں بینک کاشتکاروں کو محاسبی کتب رکھنے او
بنانے کی ترغیب دے سکتے ہیں تاکہ نفع / نقصان کا درست تعین ممکن
ہو سکے۔(۲)

۱۔ ایضاً ص ۴۴

۲۔ ایضاً ص ۴۵

۶) جہاں تک کامرس کے شعبے کا تعلق ہے بینک اس شعبے سے متعلق مختلف کمپنیوں کو طلبی قر
اقراض زر، زائد بر داشتہ، اعتباری خط منظور کرنے اور مبادلاتی بلوں کو بٹہ لگانے کی صورت
مالیات فراہم کرتے ہیں۔ اس حوالے سے جہاں تک چھوٹے خوردہ فروشوں کا تعلق ہے
محاسبی کتب نہیں رکھ سکتے انہیں بینک بیع موجل یا خصوصی قرضوں کی سہولت کے تح
مالیات فراہم کر سکتے ہیں۔ جہاں تک متذکرہ بالا دیگر طریقوں کا تعلق ہے ان کے سود سے پا
کرنے پر بحث نکتہ (۱) میں دی جا چکی ہے۔ البتہ اعتباری خط کھولنے کے حوالے سے بینک ا
خدمات کے بدلے کمیشن وصول کر سکتے ہیں اور ان کے لئے نفع / نقصان میں شرکت لاز
نہیں۔

۷) جہاں تک انفرادی سطح پر گھروں کی تعمیر کا تعلق ہے جس میں تعمیراتی کمپنیوں کی مالیات کار
بھی شامل ہے چاہے وہ مقررہ سرمایہ کاری ہو یا رواں سرمایہ میں ہو وہ صرف نفع / نقصان بنیاد
ہو سکتی ہے۔(۱-)

۸) کسی بھی قسم کے ٹرانسپورٹ وھیکلز (Transport Vehicals) میں مالیات کاری کرا
خریداری یا بیع موجل کی بنیاد پر ہو سکتی ہے۔

۹) جہاں تک دیگر شعبوں مثلاً معدنیات، بجلی، گیس، پانی اور خدماتی شعبہ جات کا تعلق ہے بینک ا
میں بلحاظ ضرورت اسلامی مالیات کاری کا کوئی بھی طریقہ اختیار کر سکتے ہیں۔(۲-)

۱۰) ذاتی یا صرفی مقاصد کے لئے بینک قرضوں کا اجراء نہیں کریں گے تاہم ضرورتمند طالب
علموں کو ان کی تعلیمی ضروریات کے لئے بلاسودی قرضے دیئے جا سکیں گے۔ پائیدار صرفی اشیا
کی محدود پیمانے پر بینک بیع موجل یا ملکیتی کرایہ خرید کی بنیاد پر مالیات کاری کر سکیں گے۔

۱۔ ایضاً ص ۴۶

۲۔ ایضاً ص ۴۶

انتہائی ضرورت مندوں کی مدد مرکزی زکوٰۃ فنڈ سے کی جائے گی۔(۱)

بینک ڈپازٹس :

جہاں تک بینک میں جمع کی جانے والی مختلف امانتوں کا تعلق ہے ان میں بچتوں اور میعادی امانتو
پر مقررہ رقم کی بجائے متغیر رقم ادا کی جائے گی اور اس کا طریقہ کار مندرجہ ذیل ہوگا۔

بینکوں کا قابل تقسیم نفع / نقصان تمام انتظامی اخراجات، اسٹیٹ بینک کو واجب الادا رقموں
ادائیگی، محاصل کے تخمینے اور محفوظات کی مد میں رقمیں منہا کرنے کے بعد نکالا جائے گا۔ اس طر
حاصل ہونے والی رقم سرمایہ، محفوظات، بچتوں اور میعادی امانتوں میں تقسیم کی جائے گی جبکہ کرنٹ
اکاؤنٹ ہولڈر نفع / نقصان کسی میں شریک نہیں ہوں گے۔ نفع / نقصان کا تعین رقموں کی یوم
حاصل ضرب (Daily Product of the Amounts) کے حساب سے ہوگا۔(۲)

بلاشبہ بلاسود بینکاری پر اب تک جو علمی اور تحقیقی کام سامنے آیا ہے اس میں سب سے جامع او
مفصل رپورٹ اسلامی نظریاتی کونسل کی متذکرہ بالا رپورٹ ہے۔ ''اس رپورٹ کا حاصل بھی یہی ہے ک
بلاسود بینکاری کی اصل بنیاد نفع و نقصان کی تقسیم پر قائم ہوگی اور بینک کا بیشتر کاروبار مشارکہ یا مضاربت
مبنی ہوگا البتہ جن کاموں میں مشارکہ یا مضاربت قابل عمل نہیں ہو سکتے وہاں کے لئے رپورٹ میں کچھ
اور متبادل طریقے بھی تجویز کئے گئے ہیں جنہیں بوقت ضرورت عبوری دور میں استعمال کیا جاسک
ہے۔(۳)

۱۔ ایضاً ص ۴۸

۲۔ ایضاً ص ص ۴۹۔۴۸

۳۔ سالم سلام انصاری، غیر سودی اسلامی بینکاری اور جدید بینکاری نظام، ص ۱۳۲

وقت کی مختلف اکائیوں کے مقابل قرض کا نظریہ :

Time-Multiple Counter Loan (TMCL) Theory

شیخ محمود احمد نے بلا سود بینکاری کے لئے ایک مکمل الگ ماڈل بھی تخلیق کیا ہے جسے انہوں نے "وقت کی مختلف اکائیوں کے مقابل قرض" کے نظریے کا نام دیا اس نظریے کی بنیاد اس تصور پر رکھی گئی ہے کہ وقت قرض کا ایک لازمی عنصر ہے۔ اس کی مدد سے ہم قرض کی قدر کا تصور Concept of Loan Value) حاصل کر سکتے ہیں۔ قرض دیتے وقت قارض یا قرض خواہ جو چیز چھوڑتا ہے او قرض دار جو شے وصول کرتا ہے وہ محض قرض کی رقم نہیں ہوتی بلکہ یہ قرض کی وہ رقم ہوتی ہے جس کا تعلق ایک مخصوص مدت سے ہوتا ہے۔ اگر ہم قرض کی رقم کو وقت کی اس مدت سے ضرب دیں جس مدت کے لئے قرض دیا گیا ہے تو حاصل ضرب سے قارض کی اس محرومی کی پیمائش ہوگی جو وہ قرض کی وجہ سے برداشت کرتا ہے اور یہی رقم وہ منفعت ہوگی جو مقروض وصول کرتا ہے یہی رقم قرض کی قدر کہلائے گی۔ اس تصور کی وضاحت کے لئے ہم کہہ سکتے ہیں کہ مندرجہ ذیل قرضے یکساں قرض کی قدروں کے حامل ہوں گے۔

۱۰۰۰ روپے ایک سال کے لئے برابر ہیں۔

۵۰۰ " دو " اور

۲۵۰ " چار " یا

۲۰۰ " پانچ " وغیرہ وغیرہ۔(۱)

"اگر قرض کی یہ قدریں یکساں ہیں تو انکی مدد سے ہمیں بلا سود بینکاری کے لئے ایک اساس مل سکتی ہے۔ ہر مقروض کو قارض (بینک) سے مساوی مالیت کی قرض کی قدروں کا تبادلہ کرنا ہوگا۔

۱۔ Shaikh Mahmud Ahmed, Towards Interest Free Banking P.57.

مقروض قارض کو وصول کئے جانے والے قرض کا محض ایک۔ حصہ دے گا لیکن یہ رقم وقت کی ایک ایک
مدت کے لئے دے گا جو مقدار میں وقت کی کئی یکساں اکائیوں کا مجموعہ ہو اور جو اسے حاصل ہونے وا
منفعت کی اتنی ہی مقدار قارض تک پہنچا سکے۔ قرض کی جو بھی کسر (Fraction) اس حوالے سے
مناسب ہو گی اور وقت کی مختلف اکائیوں (Multiple of Time) کی حامل ہو گی جس کی مدد سے ا
کے مقابل قرض دیا جاسکے۔ یہی کسر وہ نقطہ ہو گا جس کا فیصلہ کسی بھی ملک کی زری اتھارٹی -Mone
tary Authority) کرے گی اور جو بلحاظِ وقت اور ضرورت ہو گا۔" (۱-ب)

اس تصور کی وضاحت ایک مثال کی مدد سے ممکن ہے۔ "فرض کیجئے کہ ایک ملک کی زر
اتھارٹیز مقابل قرض کے لئے ۲/۱ ۱۲ فیصد کا پیمانہ مقرر کرتی ہیں۔ جو بلحاظ ضرورت وقت ۸، اکائیو
کے مجموعے میں تقسیم کیا جاسکتا ہے جن کیلئے قرض لیا جاسکتا ہے۔ لہٰذا اختیار کردہ فارمولے کے تحت
۱۰۰۰ روپے کا قرض جو ایک سال کے لئے ہو وہی قدر رکھے گا جو ۱۲۵ روپے کا قرض ۸ سال کے لئے
رکھے گا۔ فرض کیجئے ایک شخص بینک سے ۱۰۰۰ روپے ایک سال کے لئے قرض لیتا ہے جبکہ وہ بینک ک
مقابل قرض کے طور پر ۱۲۵ روپے ۸ سال کے لئے دیتا ہے۔ اس صورت میں دونوں جانب سے مساو
قرض کی قدروں کا تبادلہ ہوا ہے۔ ایک سال بعد مقروض بینک کو اپنا ۱۰۰۰ روپے کا قرض واپس کردے گ
اور اس میں کسی قسم کا کوئی اضافہ نہیں ہو گا اور وہ خود ۸ سال بعد بینک سے اپنا قرضہ وصول کرے گا جبکہ
اس میں بھی کوئی اضافہ نہیں ہو گا۔" (۲-ب)

اگر مقروض ایک سال میں قرض واپس نہ کرسکے تو وہ قرض کے لئے معاہدہ کی تجدید کرواسک
ہے وہ یا تو مزید ۱۲۵ روپے ۸ سال کے لئے دے سکتا ہے یا اپنی اصل ابتدائی جمع شدہ رقم کی واپسی ۱۶
سال تک مؤخر کرواسکتا ہے۔ (۳-ب)

۱۔ ایضاً ص ۵۸

۲۔ ایضاً ص ۵۸

۳۔ ایضاً ص ۵۹

یہ دونوں جانب سے قرض حسنہ ہوگا اور قرض حسنہ کے نظام کی عملی اور مؤثر مثال بھی۔ اس بنیاد پر بینک کی دیگر تمام سرگرمیاں باآسانی انجام دی جاسکتی ہیں۔(۱۔)

ڈاکٹر محمد انور :

ڈاکٹر محمد انور نے اپنی کتاب Modelling Interes free Economy: A Study in Macroeconomics & Development میں اس حوالے سے جو ماڈل پیش کیا ہے وہ انہی تصورات پر مبنی ہے جن کا ذکر ڈاکٹر نجات اللہ اور اسلامی نظریاتی کونسل کے حوالے سے کیا جاچکا ہے انہوں نے اس حوالے سے حسابی بنیادوں پر ماڈل ترتیب دیا ہے۔(۲۔)

نواب حیدر نقوی :

نواب حیدر نقوی نے ایک طرف اسلامی معیشت کے متحرک ماڈل اور سود کے ادارے سے بحث کی ہے جس میں انہوں نے خیال ظاہر کیا ہے کہ معیشت میں اگر بچت کنندگان بالخصوص چھوٹے بچت کنندگان کو اگر موجودہ شرح سے کم متغیر منافع ملا تو نئے نظام کی کامیابی مشکوک ہوسکتی ہے لہذا ہر صورت میں نئے نظام میں واپسی کی متغیر شرح گذشتہ نظام سے زائد ہونی چاہیئے۔(۳۔)دوسری طرف وہ اس حوالے سے کچھ بنیادی سوالات بھی پیش کرتے ہیں مثلاً یہ کہ نئے متبادل اسلامی طریقے معاشی نمو کے تقاضوں سے ہم آہنگ ہونے چاہیں، انہیں اسلامی اقدار کا نمائندہ ہونا چاہئے۔ عدل جو اسلامی

۱۔ ایضاً ص ۶۰

2- Dr. Munir Ahmed, Modelling Interest Free Economy: A study in Macoreconomics & Development PP 27-59.

3- Syed Nawab Haider Naqvi, A Model of a Dynamic Islamic Economy and the Institution of Interest P.60

معاشرے کی سب سے اہم اخلاقی قدر ہے جس کے نتیجے میں اسلامی معیشت میں دولت کی تقسیم منصفانہ بنانے میں مدد ملتی ہے(۱ـ) نیا نظام اس قدر سے ہم آہنگ، ہونا چاہئے۔ مسلم ممالک میں جہاں پہلے ہی دولت کی تقسیم میں شدید ناہمواریاں موجود ہیں یہ اصول مزید اہمیت حاصل کرلیتا ہے۔ اس کے علاوہ اس حوالے سے ہمیں صرف سود کو الگ کر کے نہیں دیکھنا چاہئے ہمیں اجتماعی طور پر ان تمام خرابیوں کو دور کرنا چاہئے جو معاشی نظام میں موجود ہیں لہذا صرف بلا سود بینکاری ہی نہیں بلکہ ایک مکمل اسلامی معاشی ماڈل کی تخلیق کی جانی چاہئے۔ ظاہر ہے بلاسود بینکاری جس کا ایک لازمی جز ہوگا۔(۲ـ)

---

1. Syed Nawab Haider Naqvi, Individual Freedom, Social Welfare and Islamic Economic Order P.12
2. Syed Nawab Haider Naqvi, On Replocing the Institution of Interest in a Dynamic Islamic Economy P.2.

باب نمبر ۹

ماحصل

گذشتہ صفحات میں بر صغیر میں اسلامی معاشی فکر کی ابتداء سے لے کر تا حال (بیسویں صدی کے اختتام تک) مختلف مسلم معاشی مفکرین کی فکر کا جائزہ لیا گیا۔ اب ہم بجا طور پر اس پوزیشن میں ہیں کہ :

۱۔ اس فکر کے مختلف ارتقائی مراحل کا تجزیہ کر سکیں۔

۲۔ مختلف مفکرین کی آراء کی روشنی میں ایک اسلامی معاشی نظام کے بنیادی خدوخال متعین کر سکیں۔

۳۔ اس فکر کے عملی اطلاق کا جائزہ لے سکیں۔

۴۔ اس کے کچھ کمزور پہلوؤں کی نشاندہی کر سکیں۔

۵۔ اس کے عملی امکانات کا جائزہ لے سکیں۔

ذیل میں انہی نقاط کو اسی ترتیب سے زیر بحث لایا گیا ہے۔

۱۔ اسلامی معاشی فکر کا ارتقاء

بر صغیر میں اسلامی معاشی فکر جس کا آغاز شاہ ولی اللہ سے ہوا۔ اس کی ابتداء بہر حال ایک منظم و مربوط انداز میں نہیں ہوئی۔ جن شخصیات کی فکر نے اسے جنم دیا انہوں نے بطور خاص ایک علیحدہ مضمون اسے نہیں لیا مثلاً شاہ ولی اللہ اور اقبال انکے معاشی تصورات ان کی مجموعی فکر کا ایک حصہ تھے انہوں نے ان تصورات کو کوئی علیحدہ حیثیت نہیں دی تھی۔ تاہم ان کے حضرات کے معاشی خیالات کل کا جزو ہونے کے باوجود اپنے اندر اتنی توانائی رکھتے تھے کہ متاخرین کے لئے ایک اساس فراہم کر گئے ان دونوں حضرات کی فکر کے بعض پہلو جو ان کی فکر میں خام حالت میں تھے آج بھی اساسی نوعیت رکھنے

کی وجہ سے اہمیت کے حامل ہیں۔

سود مند تحریک ایک خاص ماحول اور چند مخصوص مقاصد کی پروردہ تھی اور اس کے اکابر
نے انہی مقاصد کے لئے جدوجہد کی جو انہوں نے اپنے سامنے رکھے تھے۔ اگرچہ اس تحریک نے اسلا
کے بنیادی مسلمات میں سے ایک مسلم پہلو یعنی حرمتِ سود کو باندازِ دگر پیش کرنے کی کوشش کی اور کہ
نہ کسی درجہ فکری لحاظ سے اپنے اثرات اس طرح سے مرتب کر گئی کہ ایک بہت محدود حد تک سہی تا
آج بھی کہیں نہ کہیں، کسی نہ کسی حوالے سے اس کی فکری بازگشت سنائی دے جاتی ہے۔

سود مند تحریک کے بعد جامعہ عثمانیہ حیدر آباد دکن سے اس حوالے سے پہلی مرتبہ کچ
انفرادی کوششیں ہوئیں اور خالصتاً اسلامی معاشیات کو بہ حیثیت ایک موضوع زیرِ بحث لایا گیا ان میں
جناب مناظر احسن گیلانی کا نام اپنی ندرتِ فکر کے اعتبار سے نمایاں اہمیت کا حامل ہے۔

اس کے علاوہ اس عہد میں انور اقبال قریشی، شیخ محمود احمد اور مظہر الدین صدیقی، سود اور اسلا
معاشیات کے مختلف پہلوؤں کو زیرِ بحث لائے۔ یہ عہد جو شاہ ولی اللہ سے لے کر بیسویں صدی کے لگ
بھگ وسط تک محیط ہے اسلامی معاشیات کے ارتقاء کا ابتدائی عہد کہا جا سکتا ہے جو مختلف اصحاب فکر کی
انفرادی کاوشوں کے ثمرات پر مشتمل ہے۔

اس خطے میں اس فکر کا باقاعدہ آغاز بیسویں صدی کے تقریباً وسط سے ہوا جسے اس خطے میں
اسلامی معاشی فکر کا دوسرا دور کہا جا سکتا ہے۔ اس عہد کی ابتداء مولانا ابو الاعلیٰ مودودی سے ہوئی ایک
مخصوص تناظر میں یہ یقیناً کہا جا سکتا ہے کہ انہوں نے ہی برصغیر میں اسلامی معاشیات کو باقاعدہ ایک علم
کا درجہ دیا ان کی فکر سے یقیناً اختلاف کے پہلو ہو سکتے ہیں لیکن اس حوالے سے ان کی حیثیت کو چیلنج کر
مشکل ہے۔

مولانا کے نزدیک سرمایہ دارانہ نظام کے بنیادی اصولوں یعنی نجی ملکیت اور مقابلے کے تصور

وغیرہ میں کوئی خرابی نہیں ہے خرابی دراصل ان کے غلط استعمال سے پیدا ہوتی ہے۔ اسلام کی اخلا
اقدار اپنے اندر اتنی طاقت رکھتی ہیں کہ سرمایہ دارانہ نظام کی خرابیوں کا کامیابی سے استیصال کر کے ایک
فلاحی معاشرہ وجود میں لاسکتی ہیں۔ مولانا کی فکر کی ایک نمایاں خصوصیت یہ بھی ہے کہ ان کی فکر ان کے
بعد ختم نہیں ہوگئی آج بھی اسلامی معاشیات پر لکھنے والوں کی ایک نمایاں تعداد ان کی فکر سے فیض ا
رہی ہے۔

اسی عہد میں غلام احمد پرویز کی معاشی فکر اس لئے ایک جداگانہ اہمیت کی حامل ہے کیونکہ انہوا
نے پہلی مرتبہ اس خطے کے تناظر میں اسلام کی معاشی تعلیمات کی سوشلسٹ انداز میں تفہیم کی کوشش
کی۔ اگرچہ وہ خود سوشلزم کے بڑے ناقدین میں سے ایک ہیں لیکن اگر سوشلسٹ معیشت میں اسلام ک
اخلاقی اقدار متعارف کروادی جائیں تو وہ وہی نظام بن جائے گا جس کے مبلغ پرویز صاحب ہیں۔ تا ہ
پرویز صاحب اپنے استدلال کے حق میں ٹھوس فکری ثبوت نہیں دے سکے اور نہ ہی کوئی تاریخ
ثبوت۔ مزید برآں ان کے مجوزہ نظام معیشت پر وہ تمام اعتراضات بعینہ وارد ہوجاتے ہیں جو عا
سوشلسٹ نظام پر ہوتے ہیں۔

اس عہد کی ایک اور نمایاں خصوصیت ''اسلامی سوشلزم'' نامی تحریک ہے جو فکرِ پرویز کی خوش
چینی سے وجود میں آئی جس کا مقصد دو قطعی مختلف نظام فکر و معیشت یعنی اسلام اور سوشلزم کی یکجائی تھا ج
ظاہر ہے ممکن نہ تھا اس وجہ سے یہ تحریک انتہائی ناتواں فکری اساس کی وجہ سے اپنی طبعی موت مر گئی۔

اسلامی معاشی فکر کا تیسرا عہد بیسویں صدی کی ساتویں دہائی سے شروع ہوتا ہے جب اس
موضوع کی گیرائی، وسعت، تنوع، موضوعات اور لکھنے والوں کی تعداد غرضیکہ ہر پہلو میں وسعت پید
ہوئی۔ اس وقت اسلامی معاشیات کے تقریباً تمام پہلوؤں پر اصحاب فکر و تحقیق، فکری تجزیے یا عملی
تحقیق میں مصروف ہیں جس سے اس موضوع کی وسعت کا اندازہ کیا جاسکتا ہے۔ یہ صورتِ حال صرف

موضوع کی وسعت کو ہی ظاہر نہیں کرتی بلکہ تحقیق کے لئے بھی لاتعداد مواقع پیش کرتی ہے۔

اس وقت اس موضوع پر متعدد تحقیقاتی رسائل شائع ہو رہے ہیں متعدد ادارے عموماً یا خالص اسی موضوع پر مصروف تحقیق ہیں یہ صورتِ حال اس موضوع کو مزید وسعت دینے میں معاون ثابت ہو رہی ہے۔

یہ صورتِ حال اس امر کی غماز ہے کہ اس موضوع کا ارتقاء بہت تیز رفتاری سے ہوا ہے بالخصوص گذشتہ تین دہائیوں میں اس کی رفتار بہت نمایاں رہی ہے اور اس میں مزید اضافے کا صحت مند رجحان موجود ہے جو ایک خوش آئند امر ہے۔

۲۔ اسلامی معاشی نظام کے خدوخال :

گذشتہ ابواب میں اسلامی معاشی مفکرین کی آراء کی بنیاد پر اسلامی معاشی نظام کا ایک خاکہ مرتب کیا جاسکتا ہے جس کے خدوخال مندرجہ ذیل ہیں۔

i) قرآن و سنت بنیادی ماخذ

تمام مفکرین کی متفقہ رائے کے تحت اسلامی معاشی نظام کی بنیاد قرآن و سنت کے فراہم کردہ بنیادی اصول و ضوابط ہوں گے۔ انہی اصول و ضوابط کی بنیاد پر اسلام کے معاشی نظام کے ڈھانچے کی تعمیر ہوگی جس کی ظاہری شکل وقت اور ضروریات کے تقاضوں کے تحت مختلف ہو سکتی ہے لیکن اس کی روح ہر جگہ ایک ہی ہوگی۔

(ii) اخلاقی اقدار پر انحصار :

اوّل الذکر خصوصیت کی طرح اس باب میں بھی اجماع ہے کہ اسلامی معاشی نظام کی بنیادی شناخت اخلاقی اقدار کی حکمرانی ہے اخلاقی اقدار کی وجہ سے ہی اسلامی معاشی نظام کسی بھی دیگر نظام سے جدا ہو جاتا ہے۔ اور یہ اقدار محض اسلامی نظام کو دیگر نظام ہائے معیشت سے ممیز ہی نہیں کرتیں بلکہ معیشت میں انفرادی اور اجتماعی فوز و فلاح کی ضامن بھی ہوتی ہیں۔

(iii) نجی ملکیت کا احترام :

اسلام نجی ملکیت کے ادارے کو نہ صرف تسلیم کرتا ہے بلکہ اس کا احترام بھی کرتا ہے ماسوا مستثنیات کے یہ اصول بھی تمام مفکرین کے نزدیک متفق علیہ ہے۔ نجی ملکیت کا اصول کام کے لئے جذبۂ محرکہ فراہم کرتا ہے اس حوالے سے اسلام میں کسی حد کا کوئی تصور نہیں ہے۔ تاہم مغربی تصور کے برعکس یہ حق مطلق نہیں ہے مختلف اخلاقی، مذہبی اور سماجی پابندیوں کی وجہ سے یہ حق محدود ہو جاتا ہے اور صرف اس کا مثبت استعمال پسندیدہ متصور ہوتا ہے۔

(iv) مقابلہ :

اسلام کاروباری اداروں اور افراد کے مابین صحت مند مقابلے کی راہ میں رکاوٹ نہیں بنتا تاہم مقابلے کے منفی اثرات مثلاً وسائل کا زیاں، لاگت میں اضافہ یا اس قسم کے دیگر مفسدات کو پسند نہیں کرتا۔ اسی بنیاد پر بعض مفکرین نے ایک اشتہاری اتھارٹی کے قیام کی تجویز پیش کی ہے تاکہ اس حوالے سے پیدا ہونے والے منفی نتائج سے بچا جا سکے۔

v) سرمایہ دارانہ نظام کی خامیوں کا استیصال :

بے روزگاری، اجارہ داریوں کا قیام، تجارتی چکر، افراطِ زر اور تفریط زر وغیرہ ایک سرمایہ دارانہ نظام کی عام خامیاں ہیں۔ اسلامی مفکرین کے مطابق اسلام اخلاقی اقدار پر مبنی جو لائحہ عمل تجویز کرتا ہے اس کی مدد سے ان خامیوں کا کامیابی سے استیصال ممکن ہے۔

vi) آجر اور صارف کا پابند رویہ :

اسلامی نقطہ سے معیشت میں ایسی اشیاء پیدا یا فروخت نہیں کی جاسکتیں یا صارفین کی جانب سے طلب نہیں کی جاسکتیں جو دائرہ حرام میں آتی ہوں اور نہ صارف کو اسراف و تبذیر کی اجازت ہے۔ اسی طرح آجروں کے فیصلے میں اخلاقی اقدار پہلے اور کاروباری مفادات ثانوی حیثیت رکھتے ہیں۔ اس پورے عمل اور مختلف پابندیوں کی وجہ سے اسلامی معیشت سرمایہ دارانہ نظام کی کئی خرابیوں سے محفوظ رہتی ہے۔

vii) امتناعِ سود :

ایک اسلامی معیشت میں ظاہر ہے سود کا کوئی سوال نہیں کسی قسم کی سودی کارروائی یا سودی معاملت کی اسلامی معیشت میں کوئی اجازت نہیں ہوتی۔

viii) حکومت کی مداخلت :

جہاں تک حکومت کی مداخلت کا تعلق ہے اس باب میں مختلف آراء موجود ہیں چند اصحابِ فکر کے نزدیک حکومت معیشت میں مداخلت نہیں کرسکتی، اکثر اس کے حق میں ہیں اور بعض مشروط طور پر

اجازت دیتے ہیں۔

ix) قیمتوں کی میکانیت :

ایک اسلامی معیشت میں قیمتوں کا تعین سادہ طور پر طلب ورسد کی قوتوں سے ہوتا ہے تاہم اِ
حوالے سے حکومت کی مداخلت کے بارے میں آراء مختلف ہیں۔

x) منتہاو مقصود روحانی ترقی :

تقریباً تمام مفکرین اس امر پر متفق ہیں کہ اسلامی معیشت کا منتہاو مقصود روحانی ترقی کا حصو
ہے۔ اعلیٰ اخلاقی اقدار پر عمل پیرا ہو کر انسان دنیاوی اور اخروی دونوں لحاظ سے سرخرو ہوتا ہے اور دنیاو
ترقی کے ساتھ روحانی ترقی بھی حاصل ہوتی ہے۔

۳۔ عملی اطلاق :

اپنی تمام تر وسعت اور پھیلاؤ میں اضافے کے باوجود یہ حقیقت اپنی جگہ ہے کہ بیشتر صور تو
میں اسلامی معاشیات کی حیثیت محض نظری ہے اور اس کے عملی اطلاق کی مثالیں بہت کم ہیں۔ تاہم اس
سے استثناء دو پہلوؤں کو حاصل ہے ایک بلاسود بینکاری اور دوم نظام زکوٰۃ۔

جہاں تک بلاسود بینکاری کا تعلق ہے اس پر بلاشبہ نظری مواد بہت ہے اور اس کے عملی اطلاق کی
کوششیں برصغیر کے ساتھ ساتھ دیگر جگہوں بالخصوص اسلامی ممالک میں بڑے پیمانے پر کی گئی ہیں اور
یہ عمل مسلسل جاری ہے تاہم اس تمام تر تگ و تاز کی باوجود یہ تلخ حقیقت اپنی جگہ پر ہے کہ پوری دنیا میں
ابھی تک کوئی اسلامی بینکاری کا ماڈل نظری اور عملی سطح پر موجود نہیں ہے جس کے متعلق شرح صدر سے

یہ کہا جاسکے کہ یہ مکمل بلاسود بینکاری ہے۔ تاہم اس ضمن میں ہمیں بہر حال وقت کے پہلو کو وزن دینا ہو
کیونکہ ابھی ان تجربات کو زیادہ عرصہ نہیں گزرا ہے اور اس قلیل عرصے میں بعض پہلوؤں پر خاص
کامیابی بھی حاصل ہوئی ہے۔ دوسری طرف یہ پہلو بھی توجہ طلب ہے کہ کیا وہ نظری اور فکری بنیادیں
جن پر بلاسود بینکاری کی عمارت کھڑی کرنے کی کوشش کی جارہی ہے آیا اس کی متحمل بھی ہوسکتی ہیں
نہیں بالفاظِ دیگر یہ امر بھی توجہ طلب ہے کہ ان فکری / نظری بنیادوں کا تنقیحی جائزہ لازمی ہے جن پر،
عمارت کھڑی کرنے کی کوشش کی جاری ہے۔ یہ تنقیح اس لئے بھی جواز حاصل کرلیتی ہے کیونکہ ابھی
تک اس حوالے سے کوئی نمایاں کامیابی حاصل نہیں ہوسکی ہے۔

جہاں تک نظامِ زکوٰۃ کا تعلق ہے پاکستان میں اس نظام کے جزواً نفاذ کے باوجود عمومی سطح پر د
نتائج مرتب نہیں ہوئے جو اس نظام کا خاصہ ہیں۔ تاہم اس کی بنیادی وجہ جہاں ایک طرف اس کا نیم
دلانہ اور جزوی نفاذ، سرخ فیتہ کی روایتی سست رفتاری، اور دیگر عوامل پر آتی ہے وہیں یہ حقیقت بھی نظر
انداز نہیں کی جاسکتی کہ مفکرین اس کے عملی اطلاق کے۔ یئے جو لائحہ عمل تجویز کرتے ہیں کیا وہ عہد
جدید کے تقاضوں سے ہم آہنگ بھی ہے یا نہیں؟ اس پہلو کو بھی زیرِ غور لانے کی ضرورت ہے۔

۴۔ اسلامی معاشی فکر۔ چند کمزور پہلو

اسلامی معاشی فکر کے جائزے میں چند پہلو ایسے بھی سامنے آتے ہیں جو ایک مخصوص تناظر میں
علم کی اس شاخ کے کمزور پہلو کہے جاسکتے ہیں اور اس شعبے سے متعلق ماہرین کو اس جانب یقیناً توجہ دینی
چاہئے۔ یہ پہلو مندرجہ ذیل ہیں۔

ا۔ نظری مباحث :

بہ حیثیت مجموعی اسلامی معاشی فکر کے بیشتر مباحث نظری / فکری حیثیت رکھتے ہیں۔
مباحث یقیناً عملی زندگی کے مسائل پر ہی ہیں لیکن ان مسائل کے جو حل تجویز کیئے جاتے ہیں وہ یا تو عم
زندگی میں قابل اطلاق نہیں ہوتے یا پھر وہی ہوتے ہیں جو بالعموم مروج ہوتے ہیں۔ ماسوا اس کے کہ کچھ
معمولی سے تغیرات تجویز کر دیئے جاتے ہیں جن سے صورتِ حال میں کوئی جوہری تبدیلی نہیں آتی۔

ب۔ تکرار :

اسلامی معاشیات کے حوالے سے کسی حد تک ایک تکلیف دہ صورتِ حال افکار و خیالات کی اک
دینے والی حد تک تکرار بھی ہے اور یہ ایک عام مشاہدہ ہے کہ اعادۂ افکار اس حوالے سے ایک عام صورت
حال ہے۔

ج۔ بنیادی تحقیق کی کمی :

اسلامی معاشی فکر کی چند بنیادی جہتیں ہیں ان میں سر فہرست حرمتِ سود ہے جسے اسلا
معاشیات کی شناخت کہا جاسکتا ہے۔ سود کے منفی نتائج پر بہت زور دیا جاتا ہے تاہم ایسی کوئی تحقیق
سامنے نہیں آئی جس میں ٹھوس سائنٹفک ثبوت کے ساتھ اس کے منفی نتائج کو دنیا کی سامنے لایا جا
تاکہ اسلام کی حقانیت دنیا پر واضح ہو سکتی۔ اسی طرح حرام ذرائع رزق کی حرمت کی وجوہ کو بھی اخلاقی سطح
سے بلند ہو کر سائنسی بنیادوں پر پرکھنے کی ضرورت ہے۔

د۔ ابتدائی عہد اسلام سے اصولوں کا استنباط :

اسوۂ حسنہ بلاشبہ مسلمانوں کے لئے جامع ترین نمونۂ حیات ہے اور حبِ رسول (ﷺ) ایک مسلمان کی سب سے بڑی پہچان ہے اس وجہ سے اس عہد پر زیادہ سے زیادہ تحقیق اور اس کا بیان لازمی ہے۔ تاہم ضرورت اس امر کی ہے کہ اس عہد کی خصوصیات اور نظام معیشت کو صرف بیان ہی نہ کیا جائے بلکہ وہ اصول جن کی بنیاد پر وہ نظام مرتب کیا گیا تھا عہد حاضر میں ان کے اطلاق کی بحث پر توجہ دی جانی چاہیئے۔

ر۔ محدود عملی اطلاق :

اسلامی معاشیات کے بیشتر مباحث نظر / فکری حد تک محدود ہونے کی وجہ سے اس کا عملی اطلاق بہت کم ہے جو بلا سود بینکاری یا جزوی حد تک نظام زکٰوۃ کی حد تک ہمارے سامنے ہے تاہم بلا سود بینکاری کا بھی کوئی مکمل تسلی بخش عملی ماڈل ابھی تک مرتب نہیں ہو سکا ہے جو یقیناً اس شعبے کے ماہرین کے لئے ایک چیلنج ہے۔

اسی محدود عملی اطلاق کی وجہ سے ابھی تک عملی طور پر کوئی اس کے نمایاں مظاہر دیکھنے میں نہیں آئے۔

۵۔ امکانات :

کیا مندرجہ بالا صورتِ حال سے ہمیں ناامید ہو جانا چاہیئے یقیناً ایسی کوئی صورتِ حال نہیں ہے ایک ایسا نظام جو اپنی خالص شکل میں ابتدائی عہد اسلام میں اور کسی حد تک آمیزش کے ساتھ بعد میں آنے والی کئی صدیوں تک کامیابی سے نہ صرف چل چکا ہے، بلکہ اپنے ثمرات سے نصف دنیا کو فیضیاب

کرتارہا ہے اس کی تشکیلِ نو اور تعمیرِ نو وقت اور محنت کی متقاضی ہے۔ چند ابتدائی ناکامیاں اس کی راہ نہیں روک سکتیں۔ یہ نظام چونکہ قرآن و حدیث کی بنیاد پر استوار ہوتا ہے جو حتمی سچائیاں ہیں اور حق ہیں اور حق بہر حال غالب آکر رہتا ہے لہذا ہمارے پاس ایک محتاط پر امیدی کی ٹھوس بنیاد موجود ہے جو اسلامی معاشیات کے لئے کئی امکانات کی حامل ہے۔

ضمیمہ الف

گزشتہ صفحات میں برصغیر کے حوالے سے مختلف اصحاب کی معاشی فکر اور تصورات کا جائزہ لیا گیا تاہم اس خطے میں بعض علمی اور تحقیقاتی ادارے ایسے ہیں جہاں اسلامی معاشیات پر خاصا کام ہوا ہے۔ ان اداروں میں درج ذیل ادارے نمایاں اہمیت کے حامل ہیں۔

۱۔ دیال سنگھ ٹرسٹ لاہور۔

۲۔ ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور۔

۳۔ اسلامی نظریاتی کونسل۔

۴۔ ادارہ تحقیقات اسلامی اسلام آباد۔

۵۔ بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی اسلام آباد۔

۶۔ بین الاقوامی ادارہ برائے افکار اسلامی اسلام آباد۔

۷۔ اسلامی معاشی تحقیقاتی بیورو ڈھاکہ۔

۸۔ اسلامی فقہ اکیڈمی دہلی۔

ان اداروں کی شائع کردہ مختلف کتب کا جائزہ اس مقالے میں مصنفین کے حوالے سے لیا جاچکا ہے۔ تاہم بعض اوقات ان اداروں کی جانب سے اسلامی معیشت کے موضوع پر خصوصی نمبر بھی شائع ہوئے ہیں جو اپنی جگہ اہمیت کے حامل ہیں مثلاً دیال سنگھ لائبریری ٹرسٹ لاہور کی جانب سے سہ ماہی شائع ہونے والے رسالہ 'منہاج' کا اسلامی معیشت نمبر (جنوری۔اپریل ۱۹۹۲ء، جلد ۱۰، شمارہ ۱۔۲) نمایاں اہمیت کا حامل ہے جس میں اسلامی بینکاری، اسلامی معیشت اور سود، مضاربت اور دیگر موضوعات پر اہم علمی و تحقیقی مقالہ جات شامل ہیں۔ اسی طرح اسلامی فقہ اکیڈمی دہلی کی طرف سے سود، زکوۃ، عشر

خراج پر ضخیم شمارے شامل ہیں۔

ان اداروں کے ذکر کے ساتھ ساتھ یہ بھی بے جانہ ہوگا کہ ہم ان رسائل و جرائد کا بھی ذکر کردیں جن میں بر صغیر کے ممتاز لکھنے والوں کے مقالات شائع ہوتے رہتے ہیں اور جن میں بیشتر کا تذکرہ گزشتہ صفحات میں کیا جاچکا ہے۔اس حوالے سے چند اہم علمی و تحقیقاتی رسائل و جرائد مندرجہ ذیل ہیں۔

۱۔ فکر و نظر، اسلام آباد

۲۔ Hamdard Islamicus, Karachi.

۳۔ Journal of Islamic Banking & Finance, Karachi.

۴۔ Islamic Studies, Islamabad.

۵۔ Thoughts on Economics, Dhaka.

۶۔ Journal of Objective Studies, Aligardh

۷۔ Journal of King Abdul Aziz University, Jeddah.

۸۔ Islamic Economic Studies, (Islamic Development Bank) Jeddah.

۹۔ Journal of Islamic Economics, Kuala lumpur.

ضمیمہ ب

مقالے میں اسلامی مالیات کاری کے مختلف طریقوں کا مختلف مقامات پر تذکرہ کیا گیا ہے۔ ان مختلف طریقوں کا ایک اجمالی جائزہ مندرجہ ذیل ہے۔

اسلامی مالیات کاری کے جائز طریقے

اسلامی مالیات کاری کے طریقوں کو وسیع تر بنیادوں پر تین اقسام میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔

۱۔ مالیات کاری بذریعۂ قرض

۲۔ مالیات کاری بحوالۂ تجارت

۳۔ مالیات کاری بطریق سرمایہ کاری

ان تینوں اقسام کے تحت مالیات کاری کی مزید ذیلی شاخیں موجود ہیں ان کا ایک اجمالی جائزہ مندرجہ ذیل ہے۔

۱۔ مالیات کاری بذریعۂ قرض :

مالیات کاری بذریعۂ قرض دو صورتوں میں ممکن ہے، اول قرض بالمعاوضۂ خدمت اور دوم قرض بلا معاوضہ / قرض حسنہ ان دونوں اقسام کا مختصر جائزہ مندرجہ ذیل ہے۔

i) قرض بالمعاوضہ ء خدمت (بلا سود)

Lending With Service Charge

اس طریقۂ کار کے تحت بینک رقم فراہم کرے گا اور فراہم کردہ رقم کے علاوہ معاوضۂ خدمت

(Service Charges) بھی وصول کرے گا۔ معاوضۂ خدمت بینک کی انتظامی لاگت کے مساوی ہوگا۔ اس میں ڈپازٹس کے اخراجاتِ حصول اور احتمال نقصان کے لئے فراہم کردہ گنجائش شامل نہیں ہوگی۔ ہر بینک کے لئے معاوضۂ خدمت کی انتہائی حدِ شرح کا تعین بینک دولت پاکستان کرے گا۔ اس قسم کے قرضہ جات سے بینک کوئی منافع حاصل نہیں کریں گے، بلکہ صرف ان قرضہ جات کے سلسلے میں ہونیوالی انتظامی لاگت وصول کرنے کے مجاز ہوں گے۔

ii) قرض بلا معاوضہ / قرضِ حسنہ Qard-Hasanah

اس مد کے تحت دیا جانے والے قرض کی واپسی عند القدرت ہوتی ہے یعنی مقروض جب بھی قرض کی واپسی کے قابل ہو ادا کردے۔ بینک ان قرضوں سے کوئی آمدنی حاصل نہیں کرتے بلکہ قرض کے انتظامی اخراجات خود برداشت کرتے ہیں یہ قرض مستحق و ہونہار طلبہ کی اعلیٰ تعلیم کے علاوہ نادار و مفلس افراد کو جذبۂ ہمدردی کے تحت علاج معالجہ کے لئے اور غریب لڑکیوں کی شادی کی غرض سے فراہم کیا جاتا ہے۔

۲۔ مالیات کاری بحوالۂ تجارت :

مالیات کاری کے اس طریقے کے تحت مختلف طریقے بالعموم تجویز کئے جاتے ہیں۔ ان طریقوں میں مارک اپ کے تحت تجارت، ہنڈیوں کی خریداری (مارک ڈاؤن کے تحت تجارت)، بیع موجل، مرابحہ، پٹہ داری، کرایہ خریداری، بیع سلم اور ترقیاتی عوضانہ وغیرہ زیادہ اہم ہیں۔ ان بالعموم مروجہ طریقوں کا ایک مختصر تعارف مندرجہ ذیل ہے۔

i) مارک اپ کے تحت تجارت Trade Under Mark up

یہ خریدار اور فروخت کنندہ کے مابین طے کی ہوئی قیمت پر اشیاء کی فروخت ہے۔ قیمت فروخت دو اجزا پر مشتمل ہوتی ہے ایک مال کی لاگت (Cost Price) دوسرے اس پر منافع (مارک۔اپ)۔ گاہک اس قیمت فروخت کی متعینہ مدت میں یا تو یکمشت یا قسطوں کی صورت میں ادائیگی کرتا ہے۔ تاہم قیمت فروخت وقفۂ ادائیگی کے ساتھ وصول کی جاتی ہے جلد ادائیگی کی صورت میں فروخت کنندہ متعینہ قیمت فروخت میں رعایت دے سکتا ہے۔ مارک اپ کی رقم کل منافع نہیں ہوتی اس میں دیگر اخراجات شامل ہوتے ہیں۔

ii) مارک ڈاؤن کے تحت تجارت Trade Under Mark Down

یہ کسی کھاتہ دار سے تجارتی ہنڈیاں یا قابل فروخت، تمسکات ایک طے شدہ قیمت پر جو ان کی اصل قیمت (Face Value) سے کم ہوتی ہے، خریداری ہے۔ دونوں قیمتوں کا فرق منافع کی رقم کو ظاہر کرتا ہے۔ کھاتہ دار ایک معاہدہ کے تحت اس بات کا پابند ہوتا ہے کہ ہنڈیوں یا تمسکات کی قیمت فروخت کی ادائیگی مقررہ وقت پر نہ ہوئی تو وہ انہیں خود خریدے گا۔

iii) بیع موجل Trade with Buy Back Aggrement

اس طریقۂ کار کے تحت خریدار، فروخت کنندہ سے، کوئی جائیداد (منقولہ یا غیر منقولہ) اشیاء یا تمسکات ایک طے شدہ قیمت پر خریدتا ہے۔ اس کے ساتھ ہی خریدار، فروخت کنندہ سے یہ معاہدہ کرتا ہے کہ وہ فروخت کنندہ سے وہی اشیاء یا تمسکات دوبارہ ابتدائی قیمت خرید سے زیادہ پر خریدلے گا جبکہ ادائیگی آئندہ تاریخ یا تاریخوں پر ہوگی۔

iv) مالیات کاری بذریعہ پٹہ داری .ease Financing

پٹہ داری ایک ایسے اہتمام کا نام ہے جس کے ذریعے کوئی ادارہ ایک معاہدے کے تحت ک
مطلوبہ اثاثے کی ملکیت (مالکانہ حقوق) حاصل کیئے بغیر اسے ایک خاص مدت کے لئے استعمال کرنے
حق حاصل کرتا ہے اور اس کی عوض مالکِ اثاثہ کو پابندی سے طے شدہ معیادی نقدادائیگی کرتا رہتا ہے
مالک ادارہ پٹہ دہندہ (Lessor) جبکہ استفادہ کرنے والا ادارہ پٹہ دار (Lessee) کہلاتا ہے۔ پٹہ دار
جانب سے ہونے والی معیادی نقدادائیگی، ملکیت کا کرایہ ہوتی ہے۔

v) کرایہ خریداری Hire Purchase

اس طریقۂ کار کے تحت طویل اور درمیانی مدت کے لئے گاڑیوں، مشینوں اور آلات کی مشترک
ملکیت کی بنیاد پر مالیات کاری کی جاتی ہے بشرطیکہ ضمانت اور تحفظ بیمہ مہیا کیئے جائیں۔ اثاثہ استعمال
کرنے والے کو کرایہ دار (Hirer) کہا جاتا ہے جو طے شدہ قیمت خرید قسطوں میں ادا کرتا ہے اور اس کے
ساتھ ساتھ متعینہ مدت کے دوران کرایہ بھی ادا کرتا رہتا ہے۔ کل قیمت ادا کرنے اور طے شدہ شرائط
پوری کرنے کے بعد کرایہ دار کو حق ملکیت حاصل ہو جاتا ہے۔

vi) بیع سلم / بیع سلف / بیع مفالیس

Bay Salam/Bay Salaf/Bay Mafales

بیع سلم فروخت کی ایک قسم ہے جس کے تحت فروخت کنندہ اشیاء مستقبل میں فراہم کرتا ہے
جبکہ ان اشیاء کے لئے رقم پیشگی ادا کر دی جاتی ہے۔ اس خاص قسم کی بیع میں اشیاء کی حوالگی کا حتمی وقت
متعین کرنا لازمی ہے اور ایسی شے جو فروخت کنندہ کے قبضے میں نہ ہو فروخت کی جاسکتی ہے جبکہ عام

فروخت میں اس کی اجازت نہیں ہوتی۔ بیع سلم کے تحت صرف وہ اشیاء فروخت کی جاسکتی ہیں جن
معیاری اور مقداری لحاظ سے قطعی تعین ممکن ہو جبکہ یکساں اشیاء کے مابین یہ ممکن نہیں۔

vii) ترقیاتی عوضانہ Development Charges

یہ مالیات کاری بنیادی طور پر ترقی اراضی کے لئے مخصوص ہے۔ اراضی کی ترقی، ترقیاتی عوض
کی بنیاد پر ہوگی اس کی بنیاد پر باغات بشمول نرسریاں، جنگل بانی اور نظام آب رسانی کی ترقی ممکن ہے۔

۳۔ مالیات کاری بطریق سرمایہ کاری :

مالیات کاری کے اس طریقے کے تحت متعدد اشکال ممکن ہیں جن میں مشارکہ، معدلت
شرکت کی بنیاد پر سرمایہ کاری اور حصص کی خریداری، پارٹی سپیشن ٹرم سرٹیفیکٹ میں سرمایہ کار
مضاربہ میں سرمایہ کاری، کرایہ میں شرکت کی بنیاد پر سرمایہ کاری، زرعی مالیات کاری وغیرہ زیادہ اہمی
کے حامل ہیں۔ ان تمام اقسام کا انفرادی تجزیہ درج ذیل ہے۔

i) مشارکہ میں سرمایہ کاری Investment in Musharika

خالصتاً بینک کے حوالے سے یہ بینک اور کھاتہ دار کے مابین ایک معاہدہ ہے جس کی تحت کارو
میں مخصوص مدت کے لئے ایک طے شدہ رقم فراہم کر کے عارضی شراکت کی جاتی ہے تاکہ نفع
نقصان میں شریک ہوا جائے۔ بینک کی ذمے داری بہر حال مشارکہ میں لگائی ہوئی رقم تک محدود ہو
ہے۔ کاروبار تجارت کھاتہ دار چلاتا ہے تاہم بینک تجارت کے قابل عمل اور نفع آور ہونے کے امکانات
جائزہ لینے کا مجاز ہے تاکہ تجارتی لین دین کی تنقیح اور نگہداشت ہوتی رہے۔ منافع میں معاہدے

مطابق شرکت ہوگی تاہم نقصان اسی تناسب کے مطابق برداشت کرنا ہوگا جس تناسب سے سرمایے میں
شرکت کی گئی ہے۔ نقصان کی تقسیم کے لئے کوئی دیگر صورت ممکن نہیں ہے۔ یہ طریقۂ کار بالعموم ز
کار سرمایہ یا رواں سرمایہ (Working Capital) کی فراہمی کے لئے اختیار کیا جاتا ہے۔

(ii) ایکوٹی میں شرکت کی بنیاد پر سرمایہ کاری اور حصص کی خریداری :

Investment on the Basis of Equity Pasticipation & Purchase of Shares

ایکوٹی میں شرکت کا مطلب کسی کمپنی کے حقوق ملکیت میں حصہ داری ہے جس سے مر
خطرات اور فوائد میں شریک ہوتا ہے۔ اس طریقۂ کار کے تحت بینک یا سرمایہ فراہم کرنے والا ادارہ کم
کمپنی کے حصص بازار میں مروج قیمت پر یا کسی طے شدہ قیمت پر خریدتا ہے منافع میں شرکت عبوری
سالانہ منافع کی صورت میں ہوگی۔ نقصان خریدے ہوئے حصص کی بازاری قیمت میں کمی کی صورت
میں برداشت کرنا ہوگا۔

(iii) پارٹی سپیشن ٹرم سرٹیفیکٹ میں سرمایہ کاری :

Investment in Participation Term Certificate (P.T.Cs)

پی۔ٹی۔سی (P.T.Cs) درمیانی اور طویل مدت کی مالیات کاری کی ایک دستاویز ہے ج
تمسکات (Debentures) کی جگہ لینے کے لئے وضع کی گئی ہے۔ یہ دستاویز قابل منتقلی ہے۔ مناف
میں شرکت طے شدہ تناسب کی بنیاد پر ہوتی ہے جبکہ نقصان میں شرکت بینک اور کمپنی ہذا کی سرمایہ کاری
کے تناسب کی بنیاد پر ہوتی ہے صرف جوائنٹ اسٹاک کمپنیاں ہی حصول سرمایہ کے لئے پی۔ٹی۔سی
(P.T.Cs) کا اجراء کرسکتی ہیں۔

(iv) مضاربہ میں سرمایہ کاری nvestment in Mudaraba

مضاربہ ایک ایسا معاہدہ ہے جس میں ایک فریق سرمایہ کاری کرتا ہے جبکہ دوسرا فریق کاروبا
عملی طور پر چلاتا ہے۔ مضاربہ کمپنی کی رجسٹریشن مضاربہ (فلوٹیشن کنٹرول) آرڈیننس ۱۹۸۰ء کے تح
لازمی ہے۔ یہ کاروبار لازمی طور پر مضاربہ کمپنیوں اور مضاربہ ایکٹ ۱۹۸۰ء کے تحت ہوگا۔ قانون کی
سے انتظامی مہارت صرف کرنے والے شراکت دار کو مضاربہ کمپنی کے دس فیصد حصص کا مالک
ضروری ہے۔ منافع میں شرکت طے شدہ تناسب کی بنیاد پر ہوگی۔ یہ سرٹیفیکٹ قابل منتقلی ہیں۔ مضا
کسی خصوصی مقصد یا متعدد مقاصد یا کسی مخصوص مدت یا دائمی مدت کے لئے بھی ہو سکتا ہے۔

(v) کرایہ میں شرکت کی بنیاد پر سرمایہ کاری

Investment on Rent Purchasing Basis

کرایہ میں شرکت کا اطلاق بالعموم مکانات کی خریداری یا تعمیر کے لئے سرمایہ کاری پر ہوتا ہ
مکان کی خرید یا تعمیر کے لئے بینک اور کھاتہ دار مل کر طے شدہ رقم مہیا کرتے ہیں مکان کے کرا
تخمینہ رقبے کے مطابق ہوگا اور اس میں شرکت مشترکہ سرمایہ کاری کے تناسب کی بنیاد پر ہوگی یا پھر ج
کہ طے کیا جائے۔ کرایہ پر ہر تین سال کے بعد نظر ثانی ہو سکتی ہے۔۔

(vi) زرعی مالیات کاری gicultural Financing

زرعی مقاصد کے لئے بھی مالیات کاری مارک اپ کی بنیاد پر کی جائے گی جو دو مقاصد یعنی ترقی
اور پیداواری مقاصد کے لئے ہوتی ہے۔ تمام ترقیاتی مقاصد کے لئے کی جانے والی مالیات کاری مار
اپ کی بنیاد پر ہوتی ہے جبکہ پیداواری مقاصد کے لئے مالیات کاری مارک اپ اور بغیر مارک اپ کے

ممکن ہے۔

اسلامی نقطۂ نگاہ سے مالیات کاری کی متذکرہ بالا اشکال کے علاوہ کچھ دیگر شکلیں بھی ممکن ہیں ج
کا مقالے میں اسلامی نظریاتی کونسل کی تجاویز یا دیگر حوالوں سے تذکرہ کیا گیا ہے ان کا بھی ایک مختصر اجما
درج ذیل ہے۔

i) سرمایہ کاری بذریعہ نیلام کاری

Investment Through Auction

اس طریقۂ کار کے تحت بینک طویل المعیاد قرض دینے والے مالیاتی اداروں کے تعاون سے ایک
کنسورشیم بنا سکتے ہیں۔ یہ کنسورشیم صنعتی منصوبے پوری تفصیل کے ساتھ بنائے گا اور منصوبے کی ابتدا
یا ثانوی مراحل کی تیاری کے بعد اس کا نیلام کر دیا جائے گا کنسورشیم ایک کم سے کم محفوظ قیمت سے زا
پر اسے فروخت کرے گا اس محفوظ قیمت میں منصوبے کی لاگت اور منافع شامل ہوگا۔

ii) عمومی شرح منافع پر رقم کی فراہمی

Credit on Normal Rate of Return

اس طریقۂ کار کے تحت ایک خصوصی سرکاری ایجنسی قائم کی جائے گی جو یہ طے کرے گی ک
کسی صنعت یا کاروبار میں عام شرح منافع کیا ہے۔ بینک کاروباری لوگوں کو رقم فراہم کریں گے او
کاروباری حضرات اتنا نفع ادا کرنے کا یقین دلائیں گے۔ منافع اس شرح سے زائد ہونے کی صورت میں
کاروباری حضرات کا فرض ہوگا کہ وہ از خود اس سے بینک کو مزید نفع ادا کریں اور منافع کم ہونے یا نقصان
کی صورت میں انہیں سرکاری ایجنسی کو اس حوالے سے مطمئن کرنا ہوگا اور بینک یا تو کم منافع قبول کرے

گااور نقصان کی صورت میں نقصان قبول کرے گا۔

(iii) خصوصی قرضوں کی سہولت

Facility of Special Loans

ایسی خصوصی صورتِ حال جہاں شرکت یا دیگر متبادلات پر عمل در آمد ممکن نہ ہو ان کے خصوصی قرضوں کی سہولت کو بروئے کار لاتے ہوئے بینک اور مالیاتی ادارے بلا سود قرضوں کا ا کر سکتے ہیں۔ بشرطیکہ وہ پراجیکٹس اور کاروباری مقاصد جن کے لئے قرضے فراہم کیئے جائیں گے فلاح عامہ سے متعلق ہوں۔

کتابیات: اردو

احمد، پروفیسر اوصاف، اسلامی بینکاری، انسٹی ٹیوٹ آف پالیسی اسٹڈیز، اسلام آباد، 1992

احمد، پروفیسر خورشید، ترقیاتی پالیسی کی اسلامی تشکیل، مولف، مترجم صاحبزادہ محب الحق، انسٹیٹیوٹ آف پالیسی اسٹڈیز، اسلام آباد، ۱۹۹۶ء

احمد، پروفیسر رشید، مسلمانوں کے سیاسی افکار، طبع سیزدھم ادارہ ثقافت اسلامیہ، لاہور، ۱۹۹۵ء

احمد، پروفیسر فروغ، تفہیم اقبال، اردو اکیڈمی، کراچی، ۱۹۸۵ء

اختر جوناگڑھی، قاضی احمد میاں، اقبالیات کا تنقیدی جائزہ، اقبال اکادمی، کراچی، ۱۹۵۵ء

احمد، خلیل، مولانا محمد قاسم نانوتوی اور سر سید احمد خان: منہاجیات کا تقابلی مطالعہ، پی ایچ ڈی کا مقالہ شعبۂ فلسفہ، جامعہ پنجاب، لاہور، غیر مطبوعہ، ۱۹۹۸ء

احمد، ڈاکٹر اسرار، اسلام کا معاشی نظام، طبع دوم، مرکزی انجمن خدام القرآن، لاہور، ۱۹۸۶ء

________ اسلام کی تاریخ میں عقل اور نقل کی کشمکش کے دو اہم دور ___ اور بر صغیر میں گڑھ اور دیوبند کے دو متضاد مکاتیب فکر کا قیام، ماہنامہ حکمت قرآن، لاہور، ستمبر ۱۹۸۷ء

احمد، سید طفیل، مسئلہ سود کے متعلق فتوے اور سود مند کانفرنس ۲۶، ۲۷، ۱۹۲۹ء کی منظور تجاویز، مرتب، نظامی پریس، بدایوں، ۱۹۳۰ء

احمد، شیخ محمود، مسئلہ زمین اور اسلام، ادارہ ثقافت اسلامیہ، لاہور، ت ن۔

احمد، عزیز، اقبال کی نئی تشکیل، ادارہ ثقافت اسلامیہ، لاہور، ۱۹۷۰ء

احمد، مسعود، اسلام کا معاشی نظام، ادارہ مطبوعات اسلامیہ، کراچی، ۱۹۹۵ء

احمد، مولانا اقبال، حقیقۃ الربا، نظامی پریس، بدایوں، ۱۹۳۶ء

ارشد، عبدالرشید، بیس بڑے مسلمان، مرتب، مکتبہ رشیدیہ، لاہور، ۱۹۲۹ء

اسماعیل، چودھری محمد، مروجہ معاشیات اور اسلام، چودھری محمد اسماعیل، راولپنڈی، ۱۹۶۱ء

اقبال، علامہ سر محمد، کلیات اقبال، اردو، شیخ غلام علی اینڈ سنز، لاہور، ۱۹۸۴ء

__________ کلیات اقبال، فارسی، شیخ غلام علی اینڈ سنز، لاہور، ۱۹۹۰ء

__________ علم الاقتصاد، طبع دوم، اقبال اکادمی، کراچی، ۱۹۶۱ء

__________ تشکیل جدید الٰہیات اسلامیہ، مترجم سید نذیر نیازی، طبع سوم، بزم اقبال، لاہ

۱۹۸۶ء

__________ جاوید نامہ اردو ترجمہ میاں عبدالرشید، شیخ غلام علی اینڈ سنز، لاہور، ۱۹۹۲ء

__________ پس چہ باید کرد، اردو ترجمہ، ایضاً

__________ پیام مشرق، اردو ترجمہ، ایضاً ۱۹۹۱ء

__________ ارمغان حجاز، اردو ترجمہ، ایضاً

امینی، محمد تقی، اسلام کا زرعی نظام، مولف، مکتبہ امدادیہ، ملتان، ت ن

انصاری، اسلوب احمد، مطالعۂ اقبال کے چند پہلو، کاروان ادب، ملتان، ۱۹۸۶ء

انصاری، سالم اسلام، غیر سودی اسلامی بینکاری اور جدید بنکاری نظام، پاکستان انسٹی ٹیوٹ آف بیز

اسٹیڈیز، کراچی، ۲۰۰۰ء

آصف، پروفیسر محمد، قرآنی نظام ربوبیت کی عملی تشکیل، دوست ایسوسی ایٹس، لاہور، ۱۹۹۵ء

برنی، سید مظفر حسین، کلیات مکاتیب اقبال، مرتب، ترتیب پبلشرز، لاہور، ۱۹۸۹ء

بیگ، مرزا امجد علی، اقبال اور اقتصادیات، نقوش، اقبال نمبر شمارہ ۱۲۱، ستمبر ۱۹۶۸ء

__________ شاہ ولی اللہ کی تعلیمات کے اقتصادی پہلو، الرحیم، جلد ۶، شمارہ ۱، جون ۱۹۶۸ء

پرویز، غلام احمد، نظام ربوبیت، طبع دوم، ادارہ طلوع اسلام، لاہور، ۱۹۷۸ء

________ انسان نے کیا سوچا؟ طبع سوم، ادارہ طلوع اسلام، لاہور، ۱۹۸۶ء

________ اقبال اور قرآن، طبع سوم، جلد اول، ادارہ طلوع اسلام، لاہور، ۱۹۷۸ء

________ اقبال اور قرآن، طبع اول، جلد دوم، ادارہ طلوع اسلام، لاہور، ۱۹۸۸ء

________ اسلام کیا ہے؟ طبع سوم، ادارہ طلوع اسلام، لاہور، ۱۹۸۳ء

________ شعلۂ مستور، طبع چہارم، ادارہ طلوع اسلام، لاہور، ۱۹۸۶ء

________ برق طور، ادارہ طلوع اسلام، لاہور، ۱۹۸۵ء

________ جوئے نور، طبع چہارم، ادارہ طلوع اسلام، لاہور، ۱۹۸۶ء

________ قرآنی قوانین، طبع سوم، ادارہ طوع اسلام، لاہور، ۱۹۸۹ء

________ سلسبیل، ادارہ طلوع اسلام، لاہور، ت ن

________ سلیم کے نام خطوط، طبع دوم، جلد اول، اد رہ طلوع اسلام، کراچی، ۱۹۵۴ء

________ سلیم کے نام خطوط، جلد دوم، ادارہ طلوع اسلام، لاہور، ت ن

________ سلیم کے نام خطوط، جلد سوم، ادارہ طلوع اسلام، لاہور، ت ن

________ عمر فاروق شاہکار رسالت، طبع سوم، ادار، طلوع اسلام، لاہور، ۱۹۸۱ء

________ من ویزداں، ادارہ طلوع اسلام، لاہور، ت ن

________ معراج انسانیت، طبع چہارم، ادارہ طلوع اسلام، لاہور، ۱۹۸۴ء

________ لغات القرآن، طبع دوم، جلد دوم، ادارہ طلوع اسلام، لاہور، ۱۹۸۷ء

________ مفہوم القرآن، جلد سوم، ادارہ طلوع اسلام، لاہور، ت ن

________ مطالب الفرقان، جلد اول، طبع دوم، ادارہ طلوع اسلام، لاہور، ۱۹۸۷ء

______ ذاتی ملکیت، ماہنامہ طلوع اسلام، جلد ۲۱، نمبر ۵، شمارہ مئی، ۱۹۸۶ء

______ قرآنی معاشرہ میں کیا ہوگا؟ ماہنامہ طلوع اسلام، جلد ۲۳، نمبر ۱، شمارہ جنور

۱۹۷۰ء

پھلواری، مولانا محمد جعفر شاہ، کمرشل انٹرسٹ کی فقہی حیثیت، مرتب، ادارہ ثقافت اسلامیہ، لاہو

۱۹۵۹ء

جاوید قاضی، سر سید سے اقبال تک، تخلیقات، لاہور، ۱۹۹۸ء

______ افکار شاہ ولی اللہ، نگار شارت، لاہور، ۱۹۹۵ء

______ ہندی مسلم تہذیب، تخلیقات، لاہور، ۱۹۹۵ء

حسن الزماں، ایس۔ ایم، مالی واجبات کی اشاریہ بندی، مترجم عبدالقیوم ڈینس، سلسلہ معاصر اسلام

(۳)، ادارہ تحقیقات اسلامی، اسلام آباد، ۱۹۹۷ء

______ اسلام اور شرح سود، برہان، دہلی (۶ : ۵۳)

حسن، سبط، موسیٰ سے مارکس تک، طبع دہم، حوری نورانی مکتبہ دانیال، کراچی، ۱۹۹۹ء

حسین، چودھری مظفر، اقبال کے زرعی افکار، اقبال، اکیڈیمی، لاہور، ۱۹۸۴ء

حسین، سید محمد نذیر، فتاویٰ نذیریہ، جلد اول، دوم، طبع دوم، اہلحدیث اکیڈمی، لاہور، ۱۹۷۱ء

خان، محمد اکرم، مولانا مودودی کے معاشی تصورات، ادارہ معارف اسلامی، کراچی، ۱۹۸۳ء

______ مسئلہ سود اور غیر سودی مالیات، مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن، لاہور، ۱۹۹۲ء

خان، یوسف حسین، روح اقبال، آئینہ ادب، لاہور، ۱۹۸۴ء

ڈار، بشیر احمد، انوار اقبال، اقبال اکادمی، کراچی، ۱۹۶۷ء

رکن الدین، مولوی محمد، فتاویٰ نظامیہ، مجلس اشاعتہ العلوم، جلد دوم، حیدر آباد دکن، ت ن۔

راے، محمد حنیف، اسلامی سوشلزم، مرتب، البیان، لاہور، ت ن

________ اقبال اور سوشلزم، البیان، لاہور، ت ن

ریاض، سید حسن، پاکستان ناگزیر تھا، طبع پنجم، شعبۂ تصنیف و تالیف و ترجمہ جامعہ کراچی، کراچی

۱۹۸۷ء

سرور، محمد، ارمغان شاہ ولی اللہ، طبع دوم، ادارہ ثقافت اسلامیہ، لاہور، ۱۹۸۸ء

سعد اللہ، حافظ محمد، بنیادی ضروریات زندگی اور اسلام، مولف، اقبال پبلشنگ کمپنی، لاہور، ۱۹۹۹ء

سعید، حکیم محمد، خودی، مرتب، جلد دوم، ہمدرد فاؤنڈیشن، کراچی، ۱۹۸۵ء

سیوہاروی، مولانا حفظ الرحمٰن، اسلام کا اقتصادی نظام، مولف، طبع دوم، ادارہ فروغ اسلام، لاہ

۱۹۷۴ء

شاہین، رحیم بخش، اقبال کے معاشی نظریات، گلوب پبلیشرز، لاہور، ۱۹۷۴ء

شروانی، لطیف احمد خان، حرف اقبال، مرتب و مترجم، علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اسلام آباد، ۱۹۸۴

شفیع، مفتی محمد، ہمہ زندگی، مرتب، طبع دوم، دار الاشاعت، کراچی، ۱۹۷۱ء

________ احکام القمار، دار الاشاعت، کراچی، ت ن

________ اسلام کا نظام تقسیم دولت، طبع دوم، مکتبہ دار العلوم، کراچی، ت ن

________ مسئلہ سود، ادارۃ المعارف، کراچی، ۱۹۹۹ء

شمل، این میری، شہپر جبریل، مترجم ریاض احمد، گلوب پبلشرز، لاہور، ۱۹۸۵ء

شہاب، رفیع اللہ، کرایۂ مکانات کی شرعی حیثیت، سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور، ۱۹۸۹ء

________ اسلامی ریاست کا مالیاتی نظام، ادارہ تحقیقات اسلامی، اسلام آباد، ۱۹۷۳ء

شیخ، نصیر احمد، اسلامی دستور اور اسلامی اقتصادیات کے چند پہلو، طبع دوم، نصیر احمد شیخ کراچی، ۱۹۵۹

شیر جنگ، کارل مارکس کی معاشی تعلیمات، تخلیقات، لاہور، ۱۹۹۹ء

صادق، خواجہ غلام، فلسفہ جدید کے خدوخال، مرتب، نگارشات، لاہور، ۱۹۹۹ء

صدیقی، عبدالحمید، اشتراکیت کی فکری بنیادیں اور ان کا تنقیدی جائزہ، چراغ راہ سوشلزم نمبر، حصہ اول شمارہ ۱۰، جلد ۲۱، دسمبر ۱۹۶۷ء

صدیقی، محمد مظہر الدین، اسلام کا معاشی نظریہ، ادارہ ثقافت اسلامیہ، لاہور، ۱۹۵۴ء

______ اشتراکیت اور نظام اسلام، طبع سوم، مرکزی مکتبہ جماعت اسلامی، لاہور، ۱۹۴۹ء

صدیقی، ڈاکٹر محمد میاں، قرآن مجید کا عربی اردو لغت، مرتب، مرکزی مکتبہ اسلامی پبلشرز، دہلی ۱۹۹۶ء

صدیقی، نجات اللہ، غیر سودی بینکاری، طبع ششم، اسلامک پبلیکیشنز لمیٹڈ، لاہور، ۱۹۸۸ء

______ اسلام کا نظریۂ ملکیت، ج ۲-۱، اسلامک پبلی کیشنز لمیٹڈ، لاہور، ۱۹۶۸ء

______ شرکت و مضاربت کے شرعی اصول، اسلامک پبلی کیشنز لمیٹڈ، لاہور، ۱۹۶۹ء

صدیقی، نعیم، معاشی ناہمواریوں کا اسلامی حل، طبع دوم، مکتبہ چراغ راہ، کراچی، ۱۹۵۸ء

طارق، عبدالرحمٰن، جوہر اقبال، شیخ غلام علی اینڈ سنز، لاہور، ۱۹۷۸ء

طاسین، مولانا محمد، مروجہ نظام زمینداری اور اسلام، مرکزی انجمن خدام القرآن، لاہور، ت ن

______ اسلام کی عادلانہ اقتصادی تعلیمات، مجلس علمی فاؤنڈیشن، کراچی، ۱۹۹۷ء

عبدالحکیم، خلیفہ، فکر اقبال، طبع پنجم، بزم اقبال، لاہور، ۱۹۸۳ء

عثمانی، مفتی محمد تقی، ہمارا معاشی نظام، مکتبہ دارالعلوم، کراچی، ت ن

______ اسلام اور جدید معیشت و تجارت، ادارۃ المعارف، کراچی، ۱۹۹۹ء

______ فقہی مقالات، جلد اول، میمن اسلامک پبلشرز، کراچی، ۱۹۹۴ء

______ فقہی مقالات، جلد دوم، میمن اسلامک پبلشرز، کراچی، ۱۹۹۶ء

______ فقہی مقالات، جلد سوم، میمن اسلامک پبلشرز، کراچی، ۱۹۹۹ء

عزیز الرحمٰن، مولوی، فتاویٰ دارالعلوم دیوبند، کتب خانہ رحیمیہ، دیوبند (یوپی)، ت ن

عزیز، فاروق، اقبال کے معاشی افکار، ایم فل کا مقالہ، علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، ۱۹۹۴ء، غیر مطبوعہ

______ اسلامی معاشی اصول عہد جدید کے تناظر میں، مکتبہ آئین نو، کراچی، ۱۹۹۷ء

غازی، محمود احمد، حرمت ربا اور غیر سودی مالیاتی نظام، انسٹیٹیوٹ آف پالیسی اسٹیڈیز، اسلام آباد، ۱۹۹۳ء

فاروقی، مجتبیٰ، اسلامی سوشلزم کیا ہے: قرآن و حدیث کی روشنی میں، مکتبہ فروغ سنت رسول، اسلامی سوشلزم اور قومی جمہوریت، کراچی، ت ن

فضل الرحمٰن، تحقیق الربوٰ، ماہنامہ فکر و نظر، جلد اول، شمارہ ۵، نومبر ۱۹۶۳ء

کیلانی، مولانا عبد الرحمٰن، تجارت اور لین دین کے مسائل و احکام، مکتبہ السلام، لاہور، ۱۹۹۱ء

قاسمی، غلام مصطفیٰ، سماجی انصاف اور اجتماعیت، طبع دوم، المحمود اکیڈمی، لاہور، ۱۹۸۸ء

قریشی، اشتیاق حسین، برصغیر پاک و ہند کی ملت اسلامیہ، مترجم ہلال احمد زبیری، طبع دوم، شعبہ تصنیف و تالیف و ترجمہ جامعہ کراچی، کراچی، ۱۹۶۷ء

قریشی، انور اقبال، اسلام اور سود، طبع دوم، نفیس اکیڈمی، حیدر آباد دکن، ۱۹۴۷ء

گالبریتھ، جان کینتھ، اقتصادی ترقی، مترجم حنیف رامے، مکتبہ جدید، لاہور، ۱۹۶۶ء

قیصر الاسلام، قاضی، فلسفے کے بنیادی مسائل، طبع سوم، نیشنل بک فاؤنڈیشن، کراچی، ۱۹۹۲ء

گیلانی، سید مناظر احسن، اسلامی معاشیات، دارالاشاعت، کراچی، ت ن

مارکس، کارل، داس کیپٹل، مترجم، سید محمد تقی، جلد اول، انجمن ترقی اردو، کراچی، ۱۹۶۱ء

معینی، سید عبدالواحد، قریشی ، محمد عبداللہ، مقالات اقبال، مرتبین، طبع دوم، آئینہ ادب، لاہور ۱۹۸۲ء

منور، محمد، ایقان اقبال، اقبال اکادمی، لاہور، ۱۹۷۷ء

مودودی، سید ابوالاعلیٰ، اسلام اور جدید معاشی نظریات، طبع ۲۱، اسلامک پبلی کیشنز (پرائیوٹ) لمٹیڈ لاہور، ۱۹۹۵ء

________ اسلام اور ضبط ولادت، طبع ۲۴، اسلامک پبلیکیشنز (پرائیوٹ) لمٹیڈ لاہور، ۱۹۹۴ء

________ سود، طبع ۲۱، اسلامک پبلی کیشنز (پرائیوٹ) لمٹیڈ، لاہور، ۱۹۹۷ء

________ تفہیم القرآن

________ خطبات، طبع ہشتم، عظیمی پرنٹرز، کراچی، ت ن

میاں، مولانا سید محمد، علماء ہند کا شاندار ماضی، جلد دوم، مکتبہ محمودیہ، لاہور، ۱۹۷۷ء

ندوی، مولانا عبدالاسلام، اقبال کامل، عشرت پبلشنگ ہاؤس، لاہور، ۱۹۴۸ء

نواز، حق، اقبال ایوان اسمبلی میں، یونیورسل بکس، لاہور، ۱۹۸۸ء

نیازی، سید نذیر، اقبال کے حضور، جلد اول، اقبال اکادمی، کراچی، ۱۹۷۱ء

وحیدالدین، مولانا، سوشلزم اور اسلام، فضلی سنز، کراچی، ۱۹۸۵ء

ولی اللہ، شاہ، حجتہ اللہ البالغہ، مترجم مولانا عبدالرحیم، جلد اول و دوم، قومی کتب خانہ، لاہور، ۱۹۹۱ء

________ البدور البازغہ، مترجم ڈاکٹر قاضی مجیب الرحمٰن، مطبوعات، لاہور، ۲۰۰۰ء

یوسف الدین، محمد، اسلام کے معاشی نظریے، جلد اول و دوم، الائیڈ بک کمپنی، کراچی، ۱۹۸۴ء

ثانوی مآخذ

اشرف، کنور محمد، ہندوستانی معاشرہ عہد وسطیٰ میں، مترجم قمر الدین، ترقی اردو، بیورو، نئی دہلی ۱۹۸۹ء۔

اکرام، شیخ محمد، آبِ کوثر، طبع یازدھم، ادارۂ ثقافت اسلامیہ، لاہور، ۱۹۸۶ء۔

حسن، سبط، پاکستان میں تہذیب کا ارتقاء، طبع ششم، مکتبہ دانیال، کراچی، ۱۹۸۶ء۔

خان، ابو نعیم عبدالحکیم، تاریخ اسلام، شیخ غلام علی اینڈ سنز، لاہور، ۱۹۷۰ء۔

علی، مبارک، مغل دربار، نگارشات، لاہور، ۱۹۹۵ء۔

مجیب، محمد، تاریخ تمدن ہند، نگارشات، لاہور، ۱۹۹۰ء۔

ندوی، علامہ سید سلیمان، عرب و ہند کے تعلقات، اردو اکیڈمی سندھ، کراچی، ۱۹۸۷ء۔

BIBLIOGRAPHY

Abdul Mannan, Muhammad, The Frontiers of Islamic Economics, Idarah-i-Adahiyat-i- Delli, 1984.

- Islamic Economics Theory & Practice, Sh. Muhammad Ashraf, Lahore, 1983.
- The Making of Islamic Economic Society, International Association of Islamic Banks, Cairo, 1984.
- Understanding Islamic Finance: A study of the Securities Market in an Islamic Framework, Islamic Research and Training Institute (IDB), Jeddah, 1993.
- Indexation in an Islamic Economy, Journal of Development Studies, (IV), Peshawar, 1981.
- Allocative Efficiency, Decision & Welfare Criteria in an Interest Free Islamic Economy, The Muslim Institute for Research & Planning, Sept. 1980.
- Distributive Justice & Need Fulfillment in an Islamic Economy, Islamabad I.I.I.E., 1986.
- Institutional Setting of Islamic Economic Order, Jeddah: I.C.R.I.E., 1981.

Afzal-ur-Rehman, Economic Doctrines of Islam, Vol.I, Islamic Publications Ltd., Lahore, 1974.

- Economic Doctrines of Islam, Vo. II, Islamic Publications Ltd., Lahore, 1975.
- Economic Doctrines of Islam, Vol. III Islamic Publication Ltd., Lahore, 1976.
- Economic Doctrines of Islam, Vol. IV Islamic Publication Ltd., Lahore 1982.

Ahmad, Aziz, Studies in Muslim Culture in the Indian Environment, Globe Publications, Lahore, 1973.

- An Intellectual History of Islam in India, Sh. Muhammad Ashraf, Lahore, 1970.

Ahmed, Mushtaq, Business Ethics in Islam, International Institute of Islamic Thought, Islamabad, 1995.

Ahmed, N, Muslim Separatism in British India, Feroz Sons (Pvt.) Ltd., Lahore, 1991.

Ahmed, Sheikh Mahmud, Economics of Islam, Muhammad Ashraf, Lahore, 1947.

Towards Internal Free Banking, Sh. Muhammad Ashraf, Lahore, 1988.

Ahmed Zia uddin, Islam, Poverty & Income Distribution, Islamic Economic Services – 15, The Islamic Foundation, Leicester, U.K., 1991.

Ansari, Anis, Educational Backwardness of Muslims, Economic & Political Weekly, Vol. XXVII, No. 42. Oct. 1992.

Anwar, Dr. M., Modeling Interest Free-Economy: A study in Macroeconomics & Development, International Institute of Islamic Thought Islamabad, 1987.

Baig, Abdullah Anwar, The Poet of the East, Qaumi Kutab Khana, Lahore 1939.

Bogbar, Tozeef, Economic Policy & Planning in Developing Countries, Akadomiai, Budapest, 1969.

Bryce, Murray D. Industrial Development – A Guide for Accelerating Economic Growth, Mc Graw Hill Co., Singapore, 1960.

Chapra, M. Ummer, the Economic System of Islam, 2nd edition, Bureau of Composition, compilation & Translation University of Karachi, Karachi. 1988.

- The Islamic Welfare State and its Role in the Economy, The Islamic Foundation, Leicester, 1979.
- Objectives of the Islamic Economic Order, The Islamic Foundation, Leicester, 1979.
- Islam & the Economic Challenge, Islamic Economic Series – 17, The Islamic Foundation, Leicester, 1992.
- The Future of Economics an Islamic Perspective, Islamic Economic Series – 21, The Islamic Foundation, Leicester, 2000.
- Towards a Just Monetary System, Islamic Economic Series – 8, The Islamic Foundation, Leicester, 1985.
- Islam & Economic Development, International Institute of Islamic Thought, Islamabad, 1993.
- The Prohibition of Riba in Islam: An Evaluation of Some Objectives, The American journal of Islamic Studies, (2:1) July 1985.
- The Role of Stock Exchange in an Islamic Economy, J.R.I.E., Jeddah, (3:1) 1985.
- Islam & International Debt Problem, Journal of Islamic Studies, London, 3 (2) 1992.

Chaudhry, M. Sharif, Taxation in Islam and Modern Taxes, Impact Publications International, Lahore, 1992.

Domar, E.D., Economic Growth: An Economic Approach, American Economic Review, Vol. XVII, No. 2, May 1952.

Farooqi, Jalees Ahmed, Habibullah, Shahid, Islamization of Banking in Pakistan, Research Department, U.B.L Karachi, 1984.

Halepota, A.W.J, Philosophy of Shah Waliullah, Sindh Sagar Academy, Lahore, 1963.

Hasan-uz-Zaman, The Economic Functions of the Early Islamic State, International Islamic Publishers, Karachi, 1981.

- The Economic Relevance of the Sharia Maxims, Scientific Publishing Centre, Jeddah.
- Economic Guidelines in the Quran, The International Institute of Islamic Thought, Islamabad 1999.
- Defining Islamic Economics, J.R.I.E., Jeddah, (1:2) Winter 1984.
- The Need To Introduce a Special Partner in Shirkah, Islamic Studies, (37:2) Summer 1998.
- Interest Free Financing of Social Overheads, Journal of Islamic Banking & Finance, (15:3) July-Sept 1998.
- Rights & Powers of Partners in an Islamic Shirkah, Islamic Studies, (35:1), Spring 1996.
- Limited Liability of Share Holders: An Islamic Perspective, Islamic Studies, (28:4), winter 1989.
- Workman's Bonus: Shariah Arguments for & Against, Hamdard Islamicus, (16:2), Summer 1993.
- Bay Salam: Principles & Practical Application, Islamic Studies, (30:4), Winter 199?.
- What is Shirkah is? Journal of Islamic Banking & Finance.
- Islamic Criteria for the Distribution of Tax Burden: The Mix of Direct & Indirect Taxes and the Offsetting Function of Zakat, Journal of Islamic Economics, (3:1), Jan 1993.
- The Liability of Partners in an Islamic Shariah, Islamic Studies, Islamabad (10:4) Dec 1971.
- Zakat, Taxes and Estate Duty, Islamic Literature Lahore (17:7), 1976.
- Mudaraba in Non-Trade Operations, Journal of King Abdul Aziz University, Islamic Economics, Jeddah, 2, 1990.
- Economic Policy in the Early Islamic Period, Journal of Rabitah, Makka, (6:8) June 979.
- Trade in Islam, Sh. Muhammad Ashraf, Lahore, n.d.
- Social Security in Islam, Thoughts on Islamic Economics, Dhaka; Islamic Economic Research Bureau, 1980.

Hussain, Ch. Muhammad, Development Planning in an Islamic State, Royal Bank Co., Karachi, 1987.

Khan, M. Akram, Rural Development Through Islamic Banks, Islamic Economic Series – 18, The Islamic Foundation, Leicester. U.K., 1994.

- Challenge of Islamic Economics, All Pakistan Islamic Education Congress, Lahore, 1985.
- Islamic Banking n Pakistan: The Future Path, Second edition, All Pakistan Islamic Education Congress, Lahore, 1994.
- Economic Teachings of Prophet Muhammad (May Peace be Upon Him), Noor Publishing House, Delhi, 1992.
- Issues in Islamic Economics, Islamic Publications Ltd., Lahore, 1983.
- An Introduction To Islamic Economics, International Institute of Islamic Thought and Institute of Policy Study Islamabad, 1994.
- Economics of Quran, Library and Information Management Academy, Lahore, 1994.
- Islamic Economics: An Outline Plan for Research, Criterion, (10:4) April 1979.
- The Theory of Employment in Islam, Islamic Literature, Lahore (14:4), April 1968.
- The Economics of Falah, Criterion, Karachi (11:3), March 1976.
- Basic Model of the Islamic Economy, Humanomics, Cape Breton, (2:3) Dec. 1968.
- Economic Growth and Development in Islam, The Search, (6) Winter 1985.
- Elimination of Interest from State Provident Funds, Islamic Studies, Islamabad, (24:2) Summer 1985.
- Jizyah & Kharaj, Journal of the Pakistan Historical Society, Karachi (4:1), Jan. 1956.
- Elimination of Poverty in the Islamic Economic Framework, Islamic Studies, Islamabad, (29:2) Summer 1990.
- Is Commercial Interest Riba? A Professional Revisit to Current Debate, Pakistan Barker, Lahore, 6 (1-2) Jan-Dec. 1996.
- A Survey of Critical literature on Interest Free Banking, Journal of Islamic Banking & Finance, Karachi, 6(1) Jan. 1989.
- Organizing Zakat, All Pakistan Islamic Education Congress, Lahore, 1990.
- An Evaluation of Zakah Control System in Pakistan, Islamic Studies, Islamabad, 32(4). Winter 1993.
- Contemporary Accounting Practices & Islamic Banking, Review of Islamic Economics, Leicester, 3(1), 1994.

Kross, A.K. Kern, Determinants of Economic Development, Gerald Duckworth & Co., London, 1957.

Lasky, Hearld, Communist Menifesto: Socialist Land Mark, Allen & Union, London, 1951.

Manzoor, Nayyer, Islamic Economics: A Welfare Approach, Saad Publications, Karachi, 1986.

Marx, Karl, Thas Capital, Volume 1 and 2, Geoffrey Bles, London, 1950.

- Selected Works, Moscow, 1954.

Maududi, S. Abdul A'la, Economic Problem of Man and Its Islamic Solution, Islamic Publications Ltd, Lahore, 1947.

Meer, M. Safdar, Iqbal the Progressive, Bank Traders, Lahore, 1990.

Meier, Gerald M., Baldwin, Robert E., Economic Development, Theory History & Policy, Asia Publishing House, Bombay, 1962.

Myrdal, Gunnar, International Economy, Harper & Bros., New York, 1965.

Nurullah, Syed, & Nasik, J.P., History of Education in India, Vol. 1, Macmillan & Co. Ltd., Bombay, 1951.

Perwez, G.,A., Islam a challenge to Religion, Tolu-e-Islam Trust, Lahore, 1968.

Sadeq, Dr. Abdul Hassan. Economic Development in Islam, Pelanduk Publications, 1990.

Seal, Anil, The Emergence of Indian Nationalism, Combridge University Press, Cambridge, 1971.

Shehab, Rafi-ullah, Islamic Finance & Banking, Maqbool Academy Lahore, 1989.

Shirazi, H., Islamic Banking, Butterwoths, London, 1990.

Siddiqi, M. Iqbal, Model of an Islamic Bank, Kazi Publications, Lahore, 1986.

Siddiqi, Dr. M. N. Insurance in an Islamic Economy, The Islamic Foundation, Leicester, 1985.

- Muslim Economic Thinking: A Survey of Contemporary Literature, The International Centre for Research in Islamic Economics, Jeddah, 1981.

- The Economic Enterprise in Islam, Islamic Publications Ltd., Lashore, 1972.
- Some Aspects of Islamic Economy, Islamic Publications Ltd., Lahore, 1970.
- Problems of Islamic Research in Economics Islamic Thought; Aligarh, (4:4-5) Oct/Dec. 1957.
- An Islamic Approach to Economic Development, London: The Muslim Institute of Research and Planning, June 1979.
- An overview of Public Borrowing in Early Islamic History, Review of Islamic Economies, Leicester, 2(2) 1993.

Siddiqi, S.A., Public Finance in Islam, 5th ed., Sh. Muhammad Ashraf, Lahore, 1975.

Siddiqi, Shahid Hassan, Islamic Banking, Royal Book Co., Karachi, 1994.

Sweezy, Paul M., Socialism, McGraw Hill Co., New York, 1949.

Syed, Aslam. Muslim Response to the West: Muslim Histogrophy in India, 1857-1914, NIHCR, Islamabad, 1988.

Talha, Naureen, Economic Factors in Making of Pakistan, Oxford University Press, Karachi 2000.

Thirlwall, A.P., Growth & Development, 4th ed., English Language Book Society, Hong Kong, 1989.

Usmani, M. Taqi, An Introduction to Islamic Finance, Idaratul Ma'arif, Karachi, 1998.

UNIDO Monographs on Industrial Development No. 17, Industrial Planning U.N. New York, 1969, P.I

Uzair, M., Interest Free Banking, Royal Book Co., Karachi, 1978.

Zaidi, Nawazish Ali, Eliminating Interest from Banks in Pakistan, Royal Book. Co., Karachi 1987.